جملہ حقوق محفوظ

سلسلۂ دار المصنفین

(۹۸)

صاحب المثنوی



یعنی

اسلام کے مشہور صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؒ کی مفصل محققانہ

سوانح عمری

مؤلفہ

قاضی تلمذ حسین صاحب مرحوم

معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی

سنہ ۱۳۸۶ھ
۱۹۶۷ء

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



Marfat.com

Marfat.com

۷۸۶

فہرستِ مضامین

صاحب المثنوی

129868

مضمون	صفحہ
دیباچہ از شاہ معین الدین احمد ندوی	۱-ب
مولانا کے آباء واجداد	
مولانا کا نسب	۳
شجرہ	۴
وطن	۶
تعلقاتِ قرابت داری	۱۲
مولانا کے پردادا احمد الخطیبی کی والدہ	۱۴
جلال الدین حسین (مولانا کے دادا)	۱۵
ملکۂ جہان (مولانا کی دادی)	۱۵
بنت شمس الائمہ خجندی (مولانا کی نانی)	۱۸
مولانا کے نانا کا سلسلۂ نسب سلطان ابراہیم ادہم تک	۱۰۳

مضمون	صفحہ
مولانا کے والد حضرت بہاء الدین ولدؒ	۳۶
بہاء الدین ولدؒ کا سلطان العلماء سے ملقب ہونا	۳۷
بہاء الدین ولدؒ کے مناقب	۳۸
مولانا کی ولادت	۳۹
مولانا کے برادر و خواہر	۴۰
بہاء الدین ولدؒ کا ترکِ وطن اور مولانا کی رفاقت	۴۲
ورود نیشاپور	۵۳
شیخ فریدالدین عطارؒ سے ملاقات	″
ورود بغداد	۵۴
حج و زیارت	۵۶
ورود آقشہر	″
ورود لارندہ	۵۷
ورود قونیہ	۶۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اتمام الکمال	
مولانا کی جانشینی	۹۰
مولانا کا حلب کے مدرسہ حلاویہ میں قیام	۱۰۹
حلب سے دمشق کو روانگی	۱۱۲
دمشق کے مدرسہ مقدسیہ میں قیام	۱۱۵
دمشق میں حضرت شمس الدین تبریزؒ کی پہلی زیارت	۱۱۶
قونیہ میں مستقل قیام	۱۱۹
مشاغل	۱۲۳
قران النیرین	
حضرت شمس تبریز	۱۲۷
قونیہ میں آمد	۱۳۲
مولانا سے ملاقات	۱۳۳
مولانا کا حضرت شمس تبریز کی ذات سے شغف	۱۴۲
حضرت شمس تبریز کی صحبت کا اثر	۱۴۷
قونیہ والوں کی حضرت شمس تبریز سے بدگمانی	۱۵۲
قونیہ سے حضرت شمس تبریز کا غائب ہو جانا	״
قونیہ میں حضرت شمس تبریز کا دوبارہ ورود	۱۶۷
شمس کی ناخوشی اور قونیہ سے دوبارہ غائب ہونا	۱۷۹
مولانا کی بے قراری	۱۸۴
مولانا کا شور انگیز کلام	۱۹۳
خرقہ مولویہ کی ابتداء	۱۹۵
شمس کی جستجو میں دمشق کا سفر	۲۰۱
شمس کا انتقال اور مولانا کا مرثیہ	۲۰۷
حضرت شمس کے چند اقوال	۲۱۸
مولانا اور حضرت صلاح الدین زرکوب	۲۲۰
مولانا اور چلپی حسام الدین	۲۳۴
زندگی کے آخری لمحات	۲۵۰
مولانا کی وصیت	۲۵۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مولانا کا انتقال	۲۵۴
تجہیز و تکفین	″
نماز جنازہ	۲۵۵
تدفین	″
اپنی وفات پر خود مولانا کا مرثیہ	۲۵۶
مولانا کے جانشین	
حضرت حسام الدین چلپیؒ	۲۶۵
جانشینی کے واقعہ کی تفصیل	″
چلپی حسام الدین کا انتقال	۲۶۸
مولانا کے صاحبزادہ سلطان ولد کا جانشین ہونا	۲۶۹
ازواج و آل و اولاد	
گوہر خاتون (زوجۂ اول)	۲۷۱
کرا خاتون (زوجۂ دوم)	″
علاء الدین (فرزند مولانا)	″
علاء الدین کے اخلاف	۲۷۵
مظفر الدین امیر عالم (فرزند مولانا)	۲۷۶
ملکہ خاتون (دختر مولانا)	۲۷۸
سلطان ولد (مولانا کے فرزند اکبر)	۲۷۹
سلطان ولد کی عمر	۲۸۲
سلطان ولد کی تصنیف رباب نامہ	۲۸۳
سلطان ولد کا دیوان	″
خصوصیاتِ کلام	۲۸۴
مولانا کے تتبع میں سلطان ولد کی غزلیات	″
شمائل و فضائل	
عادات و خصائل	۳۰۴
خورش	۳۰۶
لباس	۳۱۰
اثاث البیت	۳۱۲
تکلیف سے بیزاری	″
حمام سے رغبت	۳۱۳
شہرت سے اجتناب	۳۱۴
اثر حمام سے گریز	۳۱۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ
غیرت	۳۱۹
سخت کلامی	۳۲۰
شگون سے دلچسپی	۳۲۲
اہل و عیال کی محبت	۳۲۳
حبِ وطن	۳۲۵
محاسنِ اخلاق	
صلح جوئی و صلح پسندی	۳۲۹
دلجوئی و دلداری	۳۳۲
حلم و تواضع	۳۳۳
عفو و درگذر	۳۳۴
حاجت روائی	۳۳۵
شفقت و رافت	۳۳۷
شفقت عام	۳۳۸
مال دنیا سے نفرت	″
کسب و محنت	۳۴۲
خدمات شاہی	۳۴۵
فتوی نویسی	۳۴۷

مضمون	صفحہ
اہل دولت سے استکراہ	۳۴۸
اہل جاہ کو پند و نصیحت	۳۵۱
حمایت و ضمان	۳۵۶
قدر افزائی	۳۵۹
اغماض	″
عظمت و قوت	۳۶۰
محبت	۳۶۱
حکایات کی تاویل	۳۶۴
اتباع شیخ	۳۶۵
باطنی حضوری	۳۶۷
حق شناسی	۳۶۸
اہل کمال کی قدر دانی	۳۶۹
حسن ظن	۳۷۰
قدماء و معاصرین کا ادب و لحاظ	″
وسعت مشرب	۳۷۵
منکرین کا رجوع و اعتراف	۳۷۶
بحث و جدل	۳۸۰
نصائح	۳۸۴

Marfat.com

مضمون	صفحہ
کلام کا اثر	۳۸۷
مقولے	۳۸۸
بعض فتاوے	۳۹۲
زندہ دلی	۳۹۴
کمالاتِ باطنی	
پابندیِ شریعت ظاہری	۳۹۹
شب بیداری	۴۰۸
لوگوں کا آزمایش کیلیے مولانا کی خدمت میں آنا	۴۱۲
فقر و فاقہ	۴۱۵
اشاعت اسلام	۴۱۷
کرامات	۴۲۲
سماع	۴۲۷
رباب	۴۵۴
مولانا کا سلسلۂ بیعت	۴۵۹
انضباط سلسلہ	۴۶۲
مثنوی سلطان ولد	
(فرزند مولانا)	۴۶۶

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مولانا جلال الدین رومیؒ بہت بڑے صوفی اور عارف باللہ بھی تھے اور متکلم اسلام بھی، انھوں نے مثنوی میں جس دلنشین طریقوں سے اسلامی عقائد و اعمال اور تصوف کے مسائل کو سمجھایا ہے، اس کی نظیر کسی دوسری کتاب میں مشکل سے مل سکتی ہے، اس لیے اس کو علماء و مشائخ دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے، اور مشائخ میں تو اس کو صحیفۂ تصوف کا درجہ حاصل ہے اور اس کا باقاعدہ درس ہوتا ہے، ہندوستان کے علماء و مشائخ نے علمی حیثیت سے بھی اس کیجانب بڑا اعتناء کیا اور اس کی شرحیں اور حواشی لکھے، اردو میں سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے مولانا رومؒ کی سوانح عمری لکھی لیکن اس میں سوانح کا حصہ بہت مختصر ہے، زیادہ زور مثنوی کی خصوصیات دکھانے میں صرف کیا گیا ہے، جو مصنف کا اصل مقصود تھا، سوانح کی اس کمی کو قاضی تلمذ حسین صاحب مرحوم سابق ناظم دارالترجمۂ حیدرآباد نے پورا کیا،

قاضی صاحب مرحوم وسیع النظر، فاضل اور نامور اہل قلم تھے، ان کو مثنوی اور صاحب مثنوی سے بڑی عقیدت تھی، مثنوی کا انھوں نے برسوں مطالعہ کیا تھا، اور ان سے متعلق کئی کتابیں لکھیں، مرأۃ المثنوی، نقد المثنوی اور صاحب مثنوی، مرأۃ المثنوی میں انھوں نے مثنوی شریف کو نئے طریقے سے مرتب کیا ہے، جس سے اس کی حکایتوں میں تسلسل قائم ہو گیا ہے، اور اس کے مطالعہ میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے، یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں بڑے اہتمام سے حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے،

Marfat.com

ب

صاحب مثنوی، مولانا رومی کی نہایت مبسوط و محققانہ سوانح عمری ہے، یہ کتاب بھی اسی زمانہ میں لکھی جا چکی تھی، چنانچہ اس کا ذکر مرأۃ المثنوی کے دیباچہ میں موجود ہے، مگر مصنف مرحوم کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی، اور ان کی وفات کے بعد برسوں ان کے ورثہ کے پاس پڑی رہی، ایک جوہر شناس (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی نگاہ اس پر پڑی، ان کے مشورہ سے دارالمصنفین نے اسکو خرید لیا، مصنف نے جس تلاش و تحقیق سے یہ کتاب لکھی ہے، اور ایک ایک واقعہ کی جس دقت نظر سے تحقیق کی ہے اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، اس لحاظ سے اردو کیا دوسری زبانوں میں بھی مولانا روم کی ایسی مبسوط و محققانہ سوانح عمری نہیں نکل سکتی، کتاب کے آخر میں مولانا کے صاحبزادے سلطان ولدؒ کی مثنوی بھی ہے، جو پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہے،

بعض مجبوریوں کی بنا پر اس کتاب کی کتابت باہر بھیجکر ایک نئے کاتب سے کرانا پڑی، دارالمصنفین کے مصحح صاحب نے بھی تصحیح کی طرف پوری توجہ نہ کی، اس لیے کتابت میں مختلف قسم کی غلطیاں رہ گئیں، طباعت کے بعد جو اہم غلطیاں نظر آئیں اُن کی کسی نہ کسی طرح تصحیح کر دی گئی، اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی تصحیح کے لیے صحت نامہ لگا دیا گیا ہے، کتاب میں کئی ضمیمے تھے، ایک ضمیمہ میں مولانا روم کے زمانہ کے مشہور سلاسلِ صوفیہ اور ان کے ہمعصر اور قریب العہد صوفیہ کے حالات تھے، یہ نامکمل تھا اور غیر ضروری بھی، اس لیے اس کو نکال دیا گیا ہے، باقی ضمیمے موجود ہیں۔

دارالمصنفین کی طلائی جبلی کے موقع پر حکومت ہند نے جو عطیہ دیا تھا، یہ کتاب اس کے صرف سے شائع کیگئی ہے، اس کیلئے ہم جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نائب صدر جمہوریہ ہند کے شکر گذار ہیں۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۱۵ر مارچ ۱۹۶۷ء

دارالمصنفین، اعظم گڈھ

Marfat.com

فصل اوّل

اصلٌ ثابتٌ وفرعٌ ثابتٌ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل ثابت و فرع ثابت

ظاہرا آن شاخ اصلِ میوہ است　　باطناً بہر ثمر شد شاخ ہست

جس ناہج مناہج شریعت و سالک مسالک طریقت کا ذکر خیر زبان قلم کو گویائے اسرار اور صفحۂ قرطاس کو آئینۂ انوار بنانیوالا ہے، اس سلطان العارفین و خاتم الکاملین کا نام نامی محمد، لقب جلال الدین، خطاب خداوندگار[1] اور عرف مولانا رومی تھا،[2] (اور اسی لئے

---

[1] یہ خطاب مولاناؒ کے والد بزرگوار حضرت بہاء الدینؒ ولد کا عطا کردہ تھا، اور مولاناؒ ابھی خورد سال ہی تھے، کہ حضرت بہاء الدین اسی خطاب سے آپ کو مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ "تاریخ گزیدہ" مین مولاناؒ کے نام کے ساتھ ایک اور خطاب "بہاء الدولہ" مندرج ہے اور صرف ایک جگہ نہین بلکہ دو جگہ (ص ۷۸۹ و ۷۹۱) آیا ہے مگر کسی اور تاریخ یا تذکرے میں یہ خطاب نظر سے نہین گزرا۔ "تاریخ گزیدہ" مولانا کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ بعد یعنی ۷۲۰ھ و ۵۳۵ھ کے بامین لکھی گئی ہے، (اور یہ وہی زمانہ ہے جب افلاکی مناقب العارفین کی جمع و ترتیب مین مشغول تھے) مصنف تاریخ گزیدہ احمد اللہ المستوفی رشید الدین فضل اللہ صاحب جامع التواریخ مشہور بہ تاریخ رشیدی) کے مصاحبون مین داخل تھے۔ خود بھی بلند پایہ امرا مین تھے، اور ان کے برادر عمزاد فخر الدین محمد مستوفی، غیاث الدین مسعود (۶۸۲ھ - ۶۹۲ھ / ۱۲۸۳ - ۱۱۵۶) کے عہد مین وزارت روم پر فائز تھے۔

Marfat.com

اس کتاب مین بھی یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جب تک کوئی خاص ضرورت داعی نہ ہوگی اس اکمل الکاملین کی طرف صرف لفظ "مولانا" کی اشارت کافی سمجھی جائیگی،

(باقی حاشیہ ص ۱) تاریخ گزیدہ ص ۴۸۵) ان وجوہ سے اس باب مین حمد اللہ کے معلومات کے صحیح ہونے کا پہلو غالب ہے اور فی نفسہ بھی اس کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، یہ خطاب درباری نوعیت کا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خطاب سلاطین روم کی طرف سے مولاناؒ کے والد حضرت بہاء الدین کے نام کی مناسبت سے اس زمانہ میں ملا ہو، جب مولانا ہنوز علماے ظاہر کے لباس مین تھے مگر چونکہ اس سے بوے امارت آتی تھی، اور یہ امر مولاناؒ کی شان فقر کے خلاف تھا، اس وجہ سے سپہ سالارؒ و افلاکیؒ نے اس کے ذکر کو نظر انداز کر دیا ہو اور اس طرح بعد کے مصنفین کے لئے اس کا خیال بھی خارج از بحث ہو گیا ہو۔

سرگور اوسلی نے (ص ۱۴۱ پر) لکھا ہے کہ مولاناؒ کے والد سلطان العلما بہاء الدینؒ کے انتقال کے بعد مولاناؒ کو سلطان العلما کا خطاب ملا مگر اوسلی اس راے مین منفرد ہیں اور سپہ سالارؒ یا افلاکیؒ نے اس کا مطلق ذکر نہین کیا ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ مولاناؒ اپنے والدؒ کے علوم ظاہر و باطن کے وارث صحیح تھے مگر (جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا) حضرت بہاء الدینؒ کو یہ خطاب آنحضرت صلعم کے اشارہ غیبی سے ملا تھا، اس لئے کسی دوسرے کا اس سے مخاطب ہونا دائرۂ ادب سے خارج ہوگا اور مولاناؒ سے یہ توقع نہین ہو سکتی کہ آپنے اسے جائز رکھا ہو۔

ہندوستان مین عام طور پر آپ کو "مولانا روم" اور "مولاناے روم" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے تاآنکہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی تصنیف کا نام ہی "سوانح مولانا روم" رکھدیا ہے اور عرف "مولاناے روم" تحریر فرمایا ہے، خود مولاناؒ کا شعر ہے ؎

شمس تبریزؒ یست و مولاناے روم — ہر دو عالم عاشقان را سود باد

بلکہ ایک جگہ "مولاے من" کہکر نظم کر دیا ہے ؎

Marfat.com

نسب | تمام تذکرہ نویسون نے بلا استثنا یہ لکھا ہے کہ مولاناؒ کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے،
سب سے اوّل خود مولاناؒ کے فرزند رشید سلطانؒ ولد کا قول موجود ہے کہ

اصل او در نسب ابوبکرؓ ے — زان چو صدیق داشت او صدرے

اس کے بعد سپہ سالاؒ کی شہادت ہے کہ نسب او متصل است بخلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بکران الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروایات صحیح و اسانید درست"

بعد کے تمام تذکرہ نویس اسی پر مہر تصدیق ثبت کرتے آئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ پورا شجرۂ نسب کسی نے نہین دیا ہے۔ تذکرون مین مولاناؒ کے پردادا (حضرت احمد خطیبیؒ) تک کے نام دیئے ہین، ان سے آگے کے نام نہین دیئے ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ تذکرہ نویسون نے عام طور پر مولاناؒ کے والد بزرگوار حضرت بہاء الدینؒ ولد کے حال سے ابتدا کی اور اس ضرورت سے مولاناؒ کے دادا (حسینؒ البکری) کا ذکر کیا اور جب حسینؒ کا نام آیا تو عام رواج کے مطابق ان کے نام کے ساتھ "ابن احمد الخطیبی" درج کر دیا، اور معمول کے مطابق اس سے زیادہ آگے

(بقیہ حاشیہ ص ۲) در تبریز شمسؒ دین گشت بری ز کبر و کین — رخ بنہاد بر زمین در بر "مولانائے من"

یہ ظاہر ہے کہ نحوی حیثیت سے "مولانائے روم" اور "مولانا روم" صحیح نہین ہین اور "مولانائے من" مین "مین" زاید بلکہ بیکار محض ہے لیکن اصل یہ ہے کہ "مولانا" کا لفظ اب مرکب نہین مفرد سمجھا جاتا ہے اور "رنا" کا مفہوم ذہن سے بالکل محو ہو گیا ہے، ہندوستان مین "ہمارے مولانا" کا لفظ نہایت عام ہے، اسی طرح روم مین بھی ہوا ہوگا اور مولاناؒ نے اس غلط العوام کو فہم عام کے خیال سے جایز رکھا ہوگا مگر فارسی کی مستند کتابوں مین "مولائے روم" "مولوی رومی" "ملائے روم" "ملائے رومی" "مولانا رومی" اور زیادہ تر "خدمت مولانا" کے الفاظ مستعمل ہوتے رہے ہین "مولانائے روم" یا "مولانا روم" کے الفاظ کسی مستند کتاب مین نظر سے نہین گزرے اس لئے اس رواج عام کے باوجود بھی اس ترکیب سے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

Marfat.com

بڑھنے کی ضرورت نہین تھی مکمل شجرہ دینے کا کسی نے خیال نہین کیا۔

تاہم کچھ مزید نام بعض ذرایع سے معلوم ہوجاتے ہین، چنانچہ رڈہاوس نے لکھا ہے کہ ان کے پاس مثنوی شریف کا جو نسخہ ہے اس کے ترکی دیباچہ مین سلسلہ نسب حسب ذیل دیا ہے[1]۔

مولانا جلال الدین رومی رح

مولانا بہاء الدین (سلطان العلما) رح

حسین رح

احمد رح

مودود رح

ثابت رح

مسیب رح

مطہر رح

محماد رح

عبد الرحمٰن رض

ابوبکر رض

علی ہذا جواہر حنفیہ مین بھی ایک مکمل نسب نامہ دیا ہے اور اس مین بھی دس نام ہین۔ احمد الخطیبی رح اور عبد الرحمٰن رح کے درمیان صرف تین نام دئے ہین۔

مولانا جلال الدین محمد رح

محمد رح

---

[1] ص ۱۳۲ (حاشیہ) [2] الجواہر المضیہ جلد دوم ص ۱۲۳-۱۲۵ مطبوعہ دایرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۲ھ۔

Marfat.com

محمدؒ[1]

حسینؒ

احمدؒ

قاسمؒ

مسیبؒ

عبداللہؓ

عبدالرحمٰنؓ

ابوبکرؓ

رڈ باوس نے اپنے ترکی نسخے کے شجرے کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے (اور یہی خیال جواہر حنفیہ والے شجرے پر بھی صادق آتا ہے) کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے انتقال (۶۷۳ھ) اور مولاناؒ کی ولادت (۶۰۴ھ / ۱۲۰۷ء) کے درمیان (۵۳۵) برس کا زمانہ گزرا ہے جس سے ایک شخص کے انتقال اور دوسرے کی ولادت کے درمیان بالاوسط ۶۶ برس کی مدت واقع ہوتی ہے' یہ بجائے خود اس امر کے لئے کافی ہے کہ اس شجرے پر اعتماد نہین ہو سکتا، جو نام دیئے گئے ہیں انھین اگر صحیح فرض کر لیا جائے تو اتنا ضرور ہے کہ بہت سے نام غائب ہیں جو غالباً اتنے ہی ہون گے جتنے دیئے گئے ہین" یہ ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کے شجرون مین اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

---

[1] اس شجرے مین حسینؒ اور بہاء الدینؒ محمد (سلطان العلما) کے درمیان ایک نام محمد کا اضافہ ہوگیا ہے، جو کسی سہو سے درج ہوگیا ہے اور اس کے سہواً درج ہونے کا ثبوت خود جواہر حنفیہ ہی سے مل گیا، اسی کتاب مین مولاناؒ کے فرزند سلطان ولدؒ کے نام کے ساتھ جو نسب نامہ دیا ہے اس مین یہ زاید نام نہین ہے۔ جلد اوّل صفحہ ۱۲۰

[2] بحساب سال شمسی، بحساب قمری ۵۵۱

Marfat.com

زیادہ مشہور نام لکھدئے جاتے ہین اور غیر معروف اسما ترک کر دیئے جاتے ہین۔ یہی اس مین بھی ہوا ہوگا۔

بہرحال ان دونون شجرون سے مولاناؒ کے پردادا تک کا نام بالتسلسل معلوم ہوگیا اور جواہر حضیہ کے شجرہ سے اتنا مزید معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ سے یہ سلسلہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کے ذریعہ سے ملتا ہے۔

پس مولاناؒ کا متحقق شجرۂ نسب حسب ذیل ہوا،

مولانا جلال الدینؒ محمد البلخی الرومی ابن سلطان العلما بہاء الدین محمد (سلطان ولد) ابن جلال الدین الحسینؒ ابن احمد الخطیبیؒ . . . . . ابن عبد اللہؓ ابن عبدالرحمٰنؓ ابن ابوبکرؓ الصدیق

جواہر حضیہ مین اگرچہ شجرے کے کل نام "ابن" کے ساتھ دیئے ہین مگر احمد الخطیبیؒ اور عبداللہؓ ابن عبدالرحمٰنؓ کے درمیان صرف (قاسمؒ و مسیبؒ) دو نامون کے ہونے سے یہ ثابت ہے کہ شجرہ مسلسل نہیں ہے، اس عدم تسلسل سے یہ خطرہ دلی مین وارد ہوسکتا ہے کہ شاید آخر کے دو نامون مین بھی "ابن" کا لفظ حقیقی معنی مین نہو لیکن جب تمام کتب اسماء الرجال سے ثابت ہے کہ حضرت صدیقؓ اکبر کے مشہور ترین فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ تھے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے خلف اکبر عبداللہؓ تھے (اور اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی) تو اسے مسلم سمجھنا چاہئے کہ یہان "ابن" کا لفظ حقیقی معنی مین استعمال ہوا ہے، یعنی عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے تھے، اور انھین کے وسیلے سے مولاناؒ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکرؓ سے ملتا ہے،

وطن | مولاناؒ کے اسلاف بلخ (واقع خراسان[1]) کے رہنے والے تھے اور مولاناؒ کا مسقط الرا

[1] بلخ اس وقت حدود افغانستان مین شامل ہے مگر افغانستان شمالی حصہ سابقاً خراسان کا جز تھا، اگرچہ خود خراسان کے حدود مین علماے جغرافی کا اختلاف ہے اور باوقات مختلفہ یہ حدود بدلتے بھی رہے ہیں مگر بلخ ہمیشہ خراسان مین شامل سمجھا گیا ہے،

Marfat.com

بھی بلخ ہی ہے، مگر مشیتِ ایزدی نے مولاناؒ کو خراسان سے نکال کر روم پہنچا دیا، اور روم کے دار الملک قونیہ کو مولاناؒ کا مسکن و مدفن اور آپ کے اخلاف کا موطن بننے کا شرف حاصل ہوا، تاہم بلخ کا یہ فخر زائل نہیں ہوا کہ اس کا انتساب مولاناؒ کی ذات کے ساتھ بدستور قائم رہا، چنانچہ آپ کے نام کے ساتھ "البلخی الرومی" یا "البلخی ثم الرومی" لکھا ہوتا ہے[1]

"یہاں بالطبع یہ معلوم کرنے کا اشتیاق دل میں پیدا ہوتا ہے کہ مولاناؒ کے اسلاف کس وقت سے خراسان میں سکونت پذیر ہوئے ؟ اور اُن میں سے اوّلاً کس نے بلخ میں طرحِ اقامت ڈالی، اور اسے اپنا وطن بنایا ؟

سوال اوّل کا مجمل جواب مناقب العارفین کی ایک روایت سے مل جاتا ہے کہ "دار الاسلام شدن خراسان من اول الحال ببرکت جہاد و فتح کردن اجداد" (او بود[2]) جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خراسان کی فتح کے وقت ہی سے مولانا کے اسلاف وہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور

---

[1] مولاناؒ گو اگرچہ پانچ برس کی عمر میں بلخ کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہنا پڑا مگر وطن قدیم کی محبت آپ کے دل میں اس درجہ جاگزیں تھی کہ تقریباً پچپن برس کی عمر میں جب مثنوی شریف کا دیباچہ لکھا ہے، تو اس میں اپنا نام اس طرح لائے ہیں، "العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ تعالیٰ، محمد ابن محمد بن الحسین البلخی" روم میں ربع صدی سے زیادہ اقامت گستر رہنے کے بعد ہنوز اپنے کو "الرومی" نہیں لکھا، لطف علی نے اپنے تذکرے آتشکدۂ آذر میں مولاناؒ کا شمار بلخ ہی کے شعراء میں کیا ہے،

بلخ میں جس کثرت سے علماء و صلحا پیدا ہوئے، اُس کے لئے سمعانی کے یہ الفاظ کافی ہیں کہ "لا یحصی من العلماء والائمۃ والمحدثین قدیماً وحدیثاً" (کتاب الانساب ورق ۹۸ (الف)

[2] مناقب العارفین ص ۶ (تقریر وزیر خوارزمشاہ)

Marfat.com

اس فتح میں خود ان بزرگوں کی شرکت بھی[1] تھی، مگر سوال دوم کا جواب قطعی حیثیت سے کہیں نہیں[2] ملتا، پس اس معاملہ میں اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ تعلیبی قیاس پر قناعت کیجائے روایت مذکورۂ بالا سے اس قدر واضح ہی کہ مولانا کے اسلاف فتح خراسان میں شریک ہوئے اور اسی وقت سے وہاں اقامت گزیں ہو گئے تھے، اب دیکھنا یہ ہی کہ (۱) خراسان کب فتح ہوا، اور (۲) اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں کون کون اصحاب ایسے تھے جن کا خراسان کی طرف جانا اغلب ہو سکتا ہی،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اوّل ص۶۲۳ پر یہ درج ہی کہ ۱۳۰ھ کے قریب ابو داؤد البکری نے ابو مسلم کی جانب سے طخارستان اور بلخ میں عباسیوں کے حق میں شورش برپا کرنا شروع کی، اس سے ایک ضمنی شہادت اس امر کی ملتی ہی کہ حضرت ابوبکرؓ کے اخلاف میں کچھ لوگ قدیم سے وہاں سکونت پذیر اور بارسوخ تھے،

[2] رڈ ہاؤس نے اپنے الفاظ میں یہ لکھا ہے، کہ قدیم باخز کو جب ۶۵۰ء کے قریب حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے اوّل فتح کیا تو مجاہدین میں حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں سے ایک صاحب شامل تھے، ان کی اولاد نہایت عزت و ثروت کے ساتھ چنگیز خاں کے حملہ سے کچھ قبل تک وہاں مقیم رہی، (صفحہ ۸ دیباچہ) لیکن مناقب العارفین کی مذکورۂ بالا روایت کے سوا رڈ ہاؤس نے کسی اور ذریعہ سے اس کی کوئی سند نہیں دی ہے، اور اسی کی ضرورت ہے،

[3] مصر میں ایک کتاب "بیت الصدیق" (تصنیف بکری محمد توفیق) شائع ہوئی ہے، اس وقت باوجود سعی و کوشش کے وہ کتاب مجھے دستیاب نہ ہو سکی، اگر وہ کتاب مل جاتی تو اولاد حضرت ابوبکرؓ کے بہت تفصیلی حالات معلوم ہو جاتے اور غالباً یہ مسئلہ بھی قطعی طور پر متعین ہو جاتا،

Marfat.com

خراسان کی فتح کا مسئلہ کسی قدر پیچیدہ ہوگیا ہے اوّل تو خراسان کے حدود ہی کچھ غیر متعین سے ہین دوسرے خراسان اور اس کے ذیل میں بلخ کی فتح کا ذکر تاریخون مین کئی بار آیا ہے، یہان تفصیلی بحث کو نظر انداز کرکے صرف نفس مطلب کو صاف الفاظ مین بیان کر دینا کافی ہے :-

(۱) خراسان پہلی بار بعہد حضرت عمرؓ فتح ہوا، ابن اثیر نے ۲۲ھ کے تحت مین اس فتح کا ذکر کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ بروایت بعض یہ فتح ۱۸ھ مین ہوئی[۱] اور صاحب معجم البلدان نے اسی کی توثیق کی ہے[۲]۔

(۲) ابن اثیر نے اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے کہ "ایک قول یہ بھی ہے کہ خراسان حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین فتح ہوا اور آگے چلکر اس کی پوری تفصیل دی ہے کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد اہل خراسان نے نقض عہد کیا اور عبداللہ بن عامر بن کریز نے خراسان کو دوبارہ فتح کیا اور اسی سلسلہ مین احنف بن قیس کے ہاتھ سے بلخ بھی فتح ہوا[۳]، معجم البلدان مین اسے "استرداد" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے

(۳) اس کے بعد ۵۳ھ کے تحت مین ابن اثیر نے ایک اور روایت یہ دی ہے کہ اسی سنہ مین ربیع بن زیاد، خراسان کے والی مقرر ہوئے اور ان کے ساتھ بصرہ اور کوفہ سے پچاس ہزار اشخاص مع اپنے اہل وعیال کے خراسان گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی لکھا ہے کہ خراسان پہنچکر انھون نے

---

[۱] جزو ثالث صفحہ ۱۳ و ۱۴ مطبوعہ ازہریہ مصر، [۲] جزو اوّل صفحہ ۴، مطبعۃ السعادت مصر، ۱۳۲۴ھ [۳] جزو ثالث ص ۴۸، فتوح البلدان ص ۴۱۴

Marfat.com

(ربیع بن زیاد) نے بلخ کو صلح سے فتح کیا کیونکہ احنف بن قیس سے صلح کرنے کے بعد بلخیون نے رد گردانی کی تھی[۱]۔

حاصل کلام یہ کہ خراسان پر پہلی فوجکشی ۱۸ھ مین ہوئی ۳۱ھ مین دوبارہ تسخیر کی ضرورت پیش آئی اور ۵۳ھ مین بلخ کا مقامی انحراف فرو کرنا پڑا اور اسی ۵۳ھ مین عربون کی ایک کثیر تعداد خراسان مین آباد کر دیگئی کہ آیندہ انحراف کا قطعی سد باب ہو جائے

پس حضرت ابو بکرؓ کے اخلاف مین سے جو بزرگ بزمرہ مجاہدین بلخ پہنچکر وہان آباد ہوے وہ اسی ۱۸ھ. ۳۱ھ یا ۵۳ھ مین وہان گئے ہونگے لیکن اس تمام فتح و تسخیر کے ذیل مین جن امراے جیوش اور ولاۃ ممالک کے نام مستند تاریخون مین آئے ہین ان مین حضرت ابو بکرؓ کے اخلاف مین سے کسی کا نام کہین نظر نہین آتا، لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ ان مین سے جو صاحب بھی فاتحین خراسان مین شریک رہے ہون ان کو امارت و ایالت سے کوئی تعلق نہین تھا بلکہ وہ محض مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔

(۴)

اب حضرت ابو بکرؓ کے اخلاف و اعقاب پر نظر کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد ذکور مین تین اصحاب تھے عبد اللہؓ[۱]، عبد الرحمنؓ[۲]، محمدؓ[۳]۔ ان مین سے عبد اللہؓ ۱۱ھ مین انتقال کر گئے اور آپ کی اولاد کا سلسلہ آگے نہ چلا۔ محمدؓ[۳] مدینہ مین متولد ہوے اور اسماءؓ بنت عمیس کے بطن سے تھے جن سے حضرت ابو بکرؓ نے ۸ھ مین عقد کیا تھا پس محمدؓ کی ولادت ۸ھ کے بعد کی ہے آپ زیادہ تر مصر مین رہے اور وہین ۳۸ھ مین عمرو بن

---

[۱] زوشانش ص ۱۹۴ [۲] ابن اثیر جزو ۲ صفحہ ۲۰۵ (الازہریہ) ۱۳۰۱ھ طبقات ابن سعد [۳] عبد اللہ لایف مین آنحضرتؐ کے ساتھ تھے حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت مین وفات پائی، ان کے ایک فرزند اسمٰعیل تھے،

Marfat.com

عاص سے شکست کھاکر شہید ہوئے[۱]۔

آپ کی اولاد مین ایک صاحب قاسمؓ تھے (جو فقہاے سبعہ مین شمار ہوتے ہین) ان کے نسبت یہ صریحًا معلوم ہی کہ وہ خراسان نہین گئے، البتہ ان کی اولاد کا سلسلہ آگے کو چلتا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے اخلاف مین سے جو لوگ مختلف ممالک مین جاکر آباد ہوئے ان مین سے بیشتر آپ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ کے اعقاب مین سے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؒ[۲] مکہ مین متولد ہوے اور مکہ ہی مین ۵۳ھ مین وفات پائی آپ کے دو فرزند عبداللہؓ اور محمدؓ تھے اور آپ کی کنیت "ابو عبداللہ" تھی، آپ کی اولاد وحفا کی کثرت اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے فرزند عبداللہؓ کی اولاد مین چار افراد محمدؒ ابوبکرؒ، عثمانؒ، عبدالرحمٰنؒ تھے اور محمدؒ کی اولاد مین پانچ افراد محمدؒ، ابوبکرؒ، عثمان عبدالرحمٰنؒ اور عمرؒ تھے[۳]، خود حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دونون فرزندون مین سے کسی کا خراسان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ کا) ان کا انتقال ہوگیا، ان کے اخلاف باقی نہین رہے، مروج الذہب جلد ۴ صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ پیرس ۱۸۶۵ء۔ اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۱۳۵ [۱] ابن اثیر جزو صفحہ ۱۴۰ ۵۸ھ۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ جزو صفحہ ۱۲۹ المطبعۃ الشرقیہ (۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) ۵ طبقات ابن سعد جزو ۵ صفحہ ۴۴ مطبوعہ لیدن ۱۳۲۲ھ مسعودی نے آپ کی نسبت لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن اخبارہ عقب کثیر بدو وحضر فی ناحیۃ الحجاز مما یلی الحجازہ من طریق العراق والموضع المعروف بالصفینیات والسیح (مروج الذہب جلد ۴ صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱) بعینہ یہی الفاظ اشہر مشاہیر الاسلام مین بھی ہین۔ مسعودی نے اپنی دوسری کتاب التنبیہ والاشراف ( ) مین اسکی مزید تفصیل دی ہی اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کے اخلاف مین سے جو لوگ عراق مین آباد تھے وہ "طلحیین" کہلاتے تھے (یعنی اولاد طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن)

Marfat.com

جانا تو کہین سے ثابت نہین ہے، پس اگر بعہد خلافت عثمانؓ (یا بزمان معاویہؓ) گئے ہونگے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پوتون مین سے کوئی صاحب گئے ہونگے اور جب جواہر مضیہ کے شجرے مین عبداللہ بن عبدالرحمٰن درج ہے تو لامحالہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت عبداللہ کے فرزندون مین سے (طلحہ کو مستثنیٰ کرکے کہ ان کی اولاد کا عراق مین آباد ہونا مسلّم ہے) ابوبکرؒ، عمران یا عبدالرحمٰن کوئی بزرگ اس جہاد مین شریک ہوے اور خراسان مین اقامت گزین ہو گئے ہونگے۔ یا ربیع بن زیاد کے ساتھ آباد کارون کے سلسلہ مین گئے اور تیسری فتح بلخ کے بعد بلخ مین آباد ہو گئے۔

غرض مولانا کا حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے سلسلہ مین ہونا مصدق، آپ کے بزرگون سے کسی کسی کا فتح خراسان کے زمانہ ہی سے اس ملک مین مقیم ہونا مسلّم اور حضرت ابوبکرؓ سے آپ کے سلسلہ نسب کا حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ کے وسیلہ سے ملنا ہر طرح قرین قیاس ہے۔

تعلقات قرابتداری اس مایہ ناز انتساب سے مفتخر ہونے کے علاوہ مولاناؒ کے بزرگون کے ملکی و مقامی تعلقات قرابتداری بھی بغایت معزز و موقر تھے، خود سلطان العلما بہاء الدینؒ ولد نے ان تعلقات کی جانب اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ افلاکیؒ نے بروایت سید برہان الدین ترمذی لکھا ہے کہ مولاناؒ بزرگ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا ننھیال بزرگ سے ہے، بادشاہ اصل ہے اور اس کی ولایت باصالت ہے، اس کی نانی شمس الدینؒ سرخسی کی بیٹی تھین، جن کا نسب مان کی جانب سے بھی حضرت علیؓ سے ملتا ہے، میری والدہ خوارزم شاہ بلخ کی دختر تھین اور میرے دادا احمد الخطیبی کی والدہ بھی بادشاہ بلخ کی لڑکی تھین،[1]

---

[1] مناقب ص ۱۰ ("میری والدہ" مادرمن کا ترجمہ ہے، مطبوعہ نسخہ مین "مادرش" ہے مگر یہ صریحاً

Marfat.com

مولاناؒ کے سلسلۂ مادری کی نسبت "فیہ مافیہ" مین ہے کہ "نسب . . . . . .

از مادر بسلطان ابراہیم ادہم[۱]

ان اقوال سے یہ نتیجے مستنبط ہوتے ہین کہ

(۱) کسی بادشاہ بلخ کی لڑکی مولاناؒ کے جد امجد کو منسوب تھین۔

(۲) خاندان خوارزم شاہی کی کسی شہزادی کا عقد مولاناؒ کے دادا حسین سے ہوا تھا

(۳) مولاناؒ کی نانی شمس الائمہ سرخسی کی بیٹی تھین۔

(۴) مولاناؒ کی والدہ کا نسب سلطان ابراہیم ادہم سے ملتا تھا،

لیکن ان واقعات کو تاریخ سے تطبیق دینے مین سخت دشواریان لاحق ہین کیونکہ تاریخون مین ان تعلقات کا کوئی صریح اشارہ کہین نہین ملتا۔ چونکہ اس بحث مین اور اس کے بعد کی متعدد واقعات کی تنقیح و توضیح مین سلسلہ خوارزمشاہی کے مختلف بادشاہون کا ذکر مختلف حیثیتون سے آئے گا اس لئے مناسب یہ ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ خوارزم شاہیون کے حالات یکجا طور پر درج کر دیئے جائیں تاکہ متفرق حوالون اور تصرفون کی ضرورت باقی نہ رہے۔ چنانچہ لاحقہ (۱) مین یہ حالات باریک خط مین درج کر دیئے گئے ہین، مناسب ہے کہ اول اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

اس تعلیق کے مطالعہ کے بعد اب سلسلہ وار نتائج پر غور کیجئے :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) غلط ہے، قلمی نسخہ مین "مادر من" ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مولاناؒ کی والدہ خوارزمشاہ کی بیٹی نہین تھین بلکہ مولاناؒ کی دادی خوارزمشاہ کی بیٹی تھین۔

[۱] فیہ مافیہ صفحہ ۲۔

Marfat.com

(۱)

(مولاناؒ کے پردادا احمد الخطیبیؒ کی والدہ)

مناقب العارفین مین سلطان العلماء بہاء الدینؒ ولد کا جو قول منقول ہے اس کے الفاظ یہ ہین کہ "والدۂ احمد خطیبی حدم ہم دفتر ملک بلخ است" رڈہاوس نے اس مفہوم کو اپنی طور پر یون ادا کیا ہے کہ "سنہ ۴۹۱/۱۰۹۷ کے بعد وسط ایشیا کے خوارزمشاہیون مین سے کسی بادشاہ نے اپنی لڑکی مولاناؒ کے جد امجد کو دی[1]" اس مین اوّل تو تاریخ کا تعین افلاکی کا نہیں ہے، دوسرے رڈہاوس نے خوارزمشاہیون کی تخصیص کی ہے، حالانکہ اس وقت تک خوارزمشاہیون نے مستقل بادشاہی کیا مستقل امارت کی حیثیت بھی نہین پیدا کی تھی، سلطانؒ العلما کے قول سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دادا کی والدہ بلخ کے کسی بادشاہ کی لڑکی تھین۔

بلخ غزنیون کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد سے مختلف شاہی خاندانون کے ہاتھ مین رہا، سنہ ۴۳۲/۱۰۴۰ مین سلجوقیون کے ہاتھ آگیا تھا پھر نکل گیا، سنجر نے اسے سیف الدین بن علاء الدین غوری سے لیا اور سیف الدین کا زمانہ سنہ ۵۵۱ سے سنہ ۵۵۸ تک رہا ہے، اس کے بعد بلخ پھر غوریون کو واپس ملگیا، غیاث الدین ابوالفتح محمد بن سام کے زمانہ مین جب خوارزمشاہ نے غوریون کو شکست دی اور پھر صلح ہوئی تو یہ قرار پایا کہ بلخ اور ہرے (ہرات) غوریون کے پاس اور مرو و نیشاپور خوارزمشاہیون کے پاس رہے اور یہ تقریباً سنہ ۵۹۴ مین ہوا، قطعی طور پر بلخ سنہ ۶۰۳ مین خوارزم شاہیون کے ہاتھ مین آیا[2]،

---

[1] صفحہ ۱۲۳ [2] فتحها العرب سنہ ۳۱ ہجریہ علی ید الاحنف بن قیس فی خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ ثم انتقلت الی السامانیہ ثم انتقلت الی یدین سبکتگین ثم انتقلت الی ید السلاجقہ ثم انتقلت الی ید الاتراک ثم اسلمها الغوریون ثم اخذ منهم الخوارزمیہ

Marfat.com

لہذا ارڈ باوس کے اس خیال کی کوئی بنائے قطعی نہین معلوم ہوتی کہ احمد الخطیبیؒ کی والدہ خوارزمشاہیون مین سے کسی بادشاہ کی بیٹی تھین۔ وہ شاہان بلخ مین سے کسی بادشاہ کی بیٹی تھین مگر یہ کہ کس بادشاہ کی بیٹی تھین اس کا تعین مشکل ہے۔ سلطان العلما کا مفہوم صرف شاہی تعلق کا ظاہر کرنا ہے، خوارزمشاہیون کی تخصیص نہین ہے۔

(۲)

(مولاناؒ کی دادی ملکۂ جہان)

احمد الخطیبیؒ کے فرزند جلال الدین حسین (یعنی مولاناؒ کے والد) کے عقد کے متعلق سلطان ولدؒ نے اپنی مثنوی مین کوئی اشارہ نہین کیا ہے اور سپہ سالارؒ بھی خاموش ہین مگر افلاکیؒ نے اس عقد کے حالات نہایت شرح وبسط سے بیان کئے ہین اور تمام تذکرہ نویس قدیم وجدید، مشرقی ومغربی، سب متفق اللفظ کہتے آئے ہین کہ حسین خطیبی کا عقد خوارزمشاہی خاندان مین ہوا تھا۔ یہ روایت اس حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ اس مین کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش بھی باقی نہین رہجاتی مگر اس کے ساتھ ہی ان تذکرہ نویسون کا یہ لکھنا کہ (مولانا کی دادی) ملکہ جہان، سلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ کی دختر تھین کسیطرح صحیح نہین قرار پاسکتا اور نہ تاریخ سے اس کی تطبیق ہوسکتی ہے۔

اس باب مین سب سے پہلی سند افلاکیؒ کی ہے اس لئے اول اسی پر نظر کرنا چاہئے، ان کی روایت کا ماحصل یہ ہے کہ

"علاء الدین محمد خوارزمشاہ (عم جلال الدین محمد خوارزمشاہ) کی لڑکی ملکہ جہان جب حد بلوغ کو پہونچی تو خوارزمشاہ کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کوئی بادشاہ ایسا نظر نہین آتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) ثم استوی علیہ الستر معجم البلدان جزو (۲) صفحہ ۱۴۳-۱۴۴

جسے وہ اپنا کفو سمجھ سکے، اس باب مین وزیر سے مشورہ کیا تو وزیر نے کہا کہ بادشاہون کے کفو علماے کرام ہوتے ہین کیونکہ "الملوک حکام علی الناس والعلما حکام علی الملوک" بادشاہ نے پوچھا کہ ایسا عالم کون ہے، وزیر نے جواب دیا کہ جلال الدین حسین خطیبی ایسے عالم ہین اور ابھی عالم نوجوانی مین ہین، ادہر خود حسینؒ کے دل مین یہ خیال گزرا کہ مین نے سنت رسول اللہ صلعم سے کوئی امر ترک نہین کیا، سواے سنت نکاح کے، اسی شب خواب مین دیکھا کہ آنحضرتؐ فرماتے ہین کہ بادشاہ خراسان کی لڑکی کو پیغام نکاح دو، ادھر بادشاہ، وزیر اور ملکہ جہان نے بھی یہی خواب دیکھا، غرض یہ تقریب نہایت تزک و احتشام سے انجام پائی۔[1]

اس روایت مین صراحتہً علاءالدین محمد خوارزمشاہ کا نام آیا ہے اور جن علماے مشرق و مغرب نے بہ تعین اسم اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ان سب نے بلا استثنا اسی علاءالدین محمد کا نام لیا ہے[2] مگر کسی نے اس پر لحاظ نہین کیا کہ فی نفسہ اس کا امکان بھی

---

[1] مناقب صفحہ ۵ و ۶، [2] مغربی اسانید مین انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے تو محمل فقرہ درج کر دیا ہے کہ "ان کا خاندان بواسطہ عقد خوارزم کے شاہی خاندان سے مربوط تھا" مگر دیگر علماے یورپ نے صراحتہً اسی علاءالدین کا نام لیا ہے، سرگور اوسلی نے "علاءالدین یعنی فرمانروایان خوارزم آخری بادشاہ سے قبل کا بادشاہ" لکھا ہے (ص ۱۱۲) رڈ ہاوس نے افلاکیؒ کے الفاظ کا بعینہٖ ترجمہ کر دیا ہے، یعنی "علاءالدین محمد خوارزمشاہ عم جلال الدین خوارزمشاہ" اور اپنی طرف سے کچھ تصریح نہین کی ہے، براؤن نے "علاءالدین محمد خوارزمشاہ بن تکش" لکھا ہے۔ "انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مین علاءالدین بن تکش (بہ تعین عہد حکومت ۱۱۹۰ء - ۱۲۲۰ء) درج ہے۔ ڈاکٹر نکلسن نے "محمد قطب الدین خوارزمشاہ مخاطب بہ تکش" لکھا ہے (دیوان شمس تبریز ص ۱۶ دیباچہ) مگر "مخاطب بہ تکش" کے بجاے "ابن تکش" ہونا

Marfat.com

ہے یا نہین؟

افلاکیؒ کے بیان اور تمام دوسرے تذکرہ نویسون کے فحوائے کلام سے یہ صاف عیان ہے کہ خاندان خوارزمشاہی کے جس رکن نے اپنی لڑکی کا عقد مولاناؒ کے دادا حسین خطیبی سے کیا اس نے خود اپنے عہد شاہی مین ایسا کیا اور اس پر بھی ان سب کا اجماع ہے کہ یہ بادشاہ علاء الدین محمد خوارزمشاہ تھا، بعض تذکرہ نویسون نے اس کے عہد حکومت تک کا تعین کر دیا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مین اس کا نام بقید دور حکومت دیا ہے، اور مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس کے نام پر نشان دیکر تعلیق مین لکھا ہے کہ اس کا دور حکومت ۵۹۶ھ سے ۶۰۴ھ تک رہا۔

آگے چلکر معلوم ہوگا کہ مولاناؒ کی ولادت ۶۰۴ھ مین ہوئی ہے اور اس سے دو برس قبل آپ کے بڑے بھائی متولد ہو چکے تھے اور مولانا کی ہمشیرہ . . . . . کی ولادت اس سے بھی پہلے ہو چکی تھی. پس علاء الدین محمد کے دور حکومت ہی نہین بلکہ اسکی عمر کا بھی وہ کونسا زمانہ ہو سکتا ہے جب مولاناؒ کے دادا حسینؒ خطیبی کا عقد اس کی لڑکی سے ہوا ہو، اور ۶۰۴ھ بلکہ ۶۰۲ھ مین حسینؒ کے پوتے اور اس سے قبل پوتی کی ولادت ظہور مین آگئی ہو۔ تعجب ہے کہ ایک ایسے محال صریح پر کسی نے توجہ نہ کی اور سب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶ کا) چاہئے یا "قطب الدین" نہ ہونا چاہئے کیونکہ "قطب الدین" تکش کا خطاب نہین تھا بلکہ اس کے بیٹے محمد کا خطاب تھا۔ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی بیٹی کی ان سے (حسین بن احمد سے) شادی کر دی تھی. بہاء الدین اسی کے بطن سے پیدا ہوے، اس لحاظ سے سلطان محمد خوارزمشاہ، بہاء الدینؒ کا ماموں اور مولاناؒ کا نانا تھا" سمجھ مین نہین آتا کہ بہاء الدینؒ ولد جب محمد خوارزمشاہ کی بیٹی کے بطن سے تھے تو محمد خوارزمشاہ، بہاء الدینؒ ولد کا ماموں کیسے ہو گیا۔

Marfat.com

زیادہ حیرت مولانا شبلی مرحوم پر ہے کہ انھون نے پوری تفصیل کے ساتھ سب کچھ لکھا اور یہ نہ سونچا کہ اتنی قلیل مدت مین دو پشتین کیسے وجود مین آگئی ہونگی۔

تذکرہ نویسون نے صرف اسی پر اکتفا نہین کی ہے کہ ملکہ جہان علاء الدین محمد خوارزمشاہ کی دختر تھین بلکہ بعض نے اس پر کچھ اضافہ بھی کیا ہے، یعنی وہ علاء الدین محمد کی ..... اکلوتی بیٹی تھین، رڈ ہاوس اور انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی تحقیق یہی ہے۔ افلاکیؒ نے اس موقع پر جو الفاظ لکھے ہین ان کا مفہوم بھی کچھ ایسا ہی ہے[1]۔ پس اگر یہ مان لیا جائے کہ علاء الدین محمد خوارزمشاہ کے ایک ہی لڑکی تھی اور اسی علاء الدین محمد کے متعلق دولت شاہ کے ان الفاظ کو قابل وثوق سمجھ لیا جائے کہ "دختر بخان سمرقند داد و از خان کاشغر دختر خواست"[2] تو یہ تمام قصہ ہی پاک ہوا جاتا ہے۔

اس محال عقلی و عادتی سے قطع نظر کرکے تاریخی حیثیت سے اس مبحث پر نظر کیجائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اول خود افلاکیؒ کی روایت کی تنقیح ہو، اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ تاریخی شہادت و ثبوت یا کم از کم تاریخی تخمین و قیاس سے کہان تک اس روایت کی تائید ہو سکتی ہے۔

افلاکیؒ نے اس موقع پر "علاء الدین محمد خوازمشاہ عم جلال الدین محمد خوارزمشاہ" کے الفاظ استعمال کئے ہین۔ اس مین "عم" کا واسطہ قایم رکھکر یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ "جلال الدین محمد خوارزمشاہ" کا چچا "علاء الدین محمد خوارزمشاہ" تھا۔ لیکن اگر "جلال الدین محمد خوارزمشاہ" سے مراد وہی "جلال الدین" ہے جو خاندان خوارزمی کا آخری فرمانروا تھا اور جس کا دور حکومت

---

[1] "اور انا زنین دخترے بود کہ در اقالیم سبعہ و ربع مسکون بملاحت و موزونی و کمال و جمال نظیرے خود نداشت ..... مناقب ص ۶ [2] تذکرۃ الشعراء ص ۔

Marfat.com

۶۱۷ھ سے ۶۲۸ھ تک سمجھنا چاہیئے) اور "علاء الدین محمد خوارزمشاہ" وہی فرمانروا ہے جس کا دور حکومت ۵۹۶ھ سے ۶۱۷ھ تک رہا ہے تو یہ "علاء الدین" اس "جلال الدین" کا چچا نہین بلکہ باپ تھا۔ اگر "جلال الدین" یہ نہین کوئی دوسرا ہے تو "علاء الدین محمد خوارزمشاہ" کے کسی بھتیجے "جلال الدین" کا کوئی ذکر کسی تاریخ مین نہین ملتا[1]، اور اگر "علاء الدین" کوئی دوسرا ہے تو جلال الدین کا کوئی چچا "علاء الدین" کے نام سے کسی تاریخ مین مذکور نہین ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان دونون فرمانرواؤن کے سوا یہ کوئی دوسرے دو شخص ہین تو یہ تفریض باعتبار حالات باطل ہی، لامحالہ کوئی تیسری توجیہ ہونا چاہیئے اور یہ توجیہ بادنیٰ تامل خود مناقب العارفین ہی سے ہاتھ آجاتی ہے۔ العارفین اور نیز رسالہ سپہ سالار کے مطالعہ کرنے والون پر یہ امر پوشیدہ نہین رہسکتا کہ افلاکی اور سپہ سالار دونون بزرگون نے "علاء الدین" اور "جلال الدین" کے ناموں مین خلط کر دیا ہے، آگے چلکر معلوم ہوگا کہ حضرت بہاء الدین ولد نے علاء الدین محمد کے دور مین بلخ کو ترک کیا ہے۔ "فیہ مافیہ" مین صاف لکھا ہوا ہے کہ "خاطر او از محمد خوارزمشاہ و بلخیان برنجید" افلاکی نے اس موقع پر تو صرف "محمد خوارزمشاہ" لکھدیا ہے (ایک جگہ "محمود خوارزمشاہ" بھی ہے مگر یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔) لیکن دوسرے موقع پر صراحتہً "جلال الدین محمد خوارزمشاہ" لکھا ہے۔ سپہ سالار نے یہان بھی دو جگہ "سلطان سعید جلال الدین محمد خوارزمشاہ" لکھا ہے،

---

[1] تاریخون مین علاء الدین محمد کے ایک بھتیجے ہندوشاہ بن ملک شاہ مذکور ہوا ہے جس نے علاء الدین محمد کی تخت نشینی کے بعد بغاوت کی اور غیاث الدین (شاہ غزنین) سے مدد پاکر بلخ سے قریب ہی مرو پر قبضہ کر لیا مگر نہ اسے کوئی مستقل کامیابی ہوئی اور نہ اسے "جلال الدین" کا خطاب حاصل تھا، کسی دوسرے اعتبار سے بھی اسکی کوئی اہمیت ایسی نہین پائی جاتی جس کی وجہ سے افلاکی کو خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ [2] صفحہ ۳ [3] صفحہ ۷

Marfat.com

پس اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہان سپہ سالار اور افلاکی کو مغالطہ ہوگیا ہے. اگر یہ نہین ہی تو ممکن ہے کہ اسی محمد خوارزمشاہ کو جس طرح "قطب الدین"[1] علاءالدین" "ظل اللہ فی الارض" اور "سکندر ثانی" کے خطابات حاصل تھے اور آخرمین اس نے "سنجر" کا لقب بھی اپنے نام کے ساتھ بڑھا لیا تھا، اسی طرح "جلال الدین" کا خطاب بھی مل گیا مگر یہ محض ایک قیاس فرضی ہے. کہین سے ثابت نہین ہے)

پس یہ فرض کرکے (بلکہ اسے قطعی سمجھکر) کہ افلاکی جسے "جلال الدین" کہتے ہین وہ "علاءالدین" ہے۔ آگے نظر کیجے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اسی علاءالدین محمد کا چچا سلطان شاہ تھا اور وہ ۵۵۸ھ سے ۵۸۵ھ تک حکمران رہا، ممکن بلکہ اغلب ہے کہ سلطان شاہ کو بھی "علاءالدین" کا خطاب حاصل رہا ہو کیونکہ اس قسم کے خطابات اکثر خاندانی ہو جاتے ہین، اور اگر افلاکی نے "عم" کا لفظ غلطی سے نہین لکھدیا ہے یا بعد مین یہ غلطی نہین ہوگئی ہے تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس لفظ کا اشارہ اسی سلطان شاہ کی طرف ہو۔

دو امور اس قیاس کے مؤید نظر آتے ہین، اول یہ کہ سلطان شاہ اور (علاءالدین محمد کے باپ) تکش مین بہت دنون جنگ رہی، اور سلطنت دونون مین تقسیم ہوگئی تھی، اس تقسیم مین خراسان، سلطان شاہ کے قبضہ مین رہا اور حسین خطیبی کا وطن بلخ بھی اسی جانب مین تھا، قرب قرابت کا موقع ادھر زیادہ تھا، تکش کی مملکت (خوارزم)

---

[1] علاءالدین محمد کا خطاب تخت نشینی سے قبل "قطب الدین" تھا، تخت نشین ہونیکے بعد اس کا خطاب اس کے والد تکش کے خطاب "علاءالدین" سے بدل دیا گیا۔ ابن اثیر جلد ۱۲ ص۔ ابو الفدا جلد سوم ص ۹۸ المطبعۃ الحسینیہ مصر)

Marfat.com

اور بلخ کے درمیان خراسان حائل تھا، دوسرے یہ کہ افلاکیؒ ہی نے دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ بلکہ جہان کے عزیزون نے ماتفاق یہ چاہا کہ حضرت بہاءالدینؒ ولد کو تخت شاہی پر بٹھائین مگر خود آپ نے منظور نہ کیا۔[۱] خاندان خوارزمشاہی کی کل تاریخ مین تفرقہ مملکت صرف اسی ایک وقت رونما ہوا ہے، سلطان شاہ کے بعد اس کے امرا نے غالباً تکش کو روکنا چاہا ہوگا اور اس کی بہترین صورت یہی ہوسکتی تھی کہ سلطان شاہ کے خاندان ہی سے کسی کو تخت نشین کردیا جائے۔ سلطان شاہ کے کسی بیٹے کا ذکر کسی تاریخ مین نہین آیا ہے، پس اگر ملکہ جہان اسی سلطان شاہ کی دختر تھین تو امرا کا ملکہ جہان کے فرزند حضرت بہاءالدینؒ ولد کی طرف متوجہ ہونا بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے،

پس افلاکیؒ کی روایت پر تنقیدی نظر ڈالنے سے یہ امر تقریباً مسلّم ہوجاتا ہے کہ "جلال الدین" کا نام غلط آگیا ہے اور ملکہ جہان علاءالدین محمد خوارزمشاہ (سنہ ۵۹۶ھ) کی بیٹی نہین، بہن تھین (اور اگر "عم" کا رشتہ صحیح لکھا گیا ہے تو حقیقی بہن نہین عمزاد بہن تھین)

اس خیال کی نہایت پرزور تائید ایک جدید سند سے ہوتی ہے۔ تاتاریون کی ایک نہایت مکمل تاریخ "تلخیص الاخبار وتلقیح الآثار فی وقایع قزان وبلغار وملوک التتار" کے نام سے م۔م الرمزی نے شایع کی ہے[۲]۔ اس مین فتنہ تتار کے اسباب کی بحث مین لکھا ہے کہ "حکے ایضاً ان مولانا بہاءالدین البلخی والد مولانا جلال الدین الرومی صاحب المثنوی کان ابن اخت خوارزمشاہ . . . . . [۳]

---

[۱] مناقب صفحہ ۱۰، [۲] المطبعۃ الکریمیہ والحسینیہ ببلدۃ "اورنبورغ" سنہ ۱۹۰۵ء

[۳] جلد اول صفحہ ۲۴۸،

Marfat.com

.... (یعنی مولانا بہاء الدین خوارزمشاہ کی بہن کے لڑکے تھے) اور اس سے ایک صفحہ پہلے اسی خوارزمشاہ کو "السلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ" لکھا ہے۔ یہ روایت بہت زیادہ قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ غور طلب صرف یہ رہجاتا ہے کہ یہ محمد خوارزمشاہ کی حقیقی بہن تھین یا محض رشتہ کی بہن تھین۔ اگر اس کے ساتھ یہ ملا لیا جائے کہ سپہ سالار اور افلاکی نے "علاء الدین کے بجائے غلطی سے جا بجا" جلال الدین" لکھدیا ہے، اور افلاکی نے صاف لکھا ہے کہ "عم جلال الدین خوارزمشاہ" تو قطعی ثابت ہے کہ یہ شہزادی علاء الدین محمد کی عمزاد بہن تھین اور اس لئے قرینہ قوی یہ ہے کہ سلطان شاہ کی لڑکی ہونگی[1]، اگر حقیقی بہن تھین تو علاء الدین تکش کی بیٹی رہی ہونگی۔

لیکن اس تمام قیل وقال کے بعد جب ایک دوسری نظر سے غور کیا جاتا ہے کہ یہ عقد کس زمانہ مین ہوا ہوگا تو یہ تمام قیاسات پادر ہوا ہوے جاتے ہین، اس عقد کے زمانہ کے متعلق کوئی خفیف ترین اشارہ بھی کہین نہین ملتا مگر مناقب العارفین مین ایک دوسری روایت ایسی ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو اس عقد کا سنہ تقریباً قطعی طور پر معین ہوا جاتا ہے۔ افلاکی نے سلطان ولد کے زبانی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میرے دادا

---

[1] خود رمزی ہی نے ایک تصریح کی ہے جو اس قیاس کی مدد ہے۔ مجد الدین بغدادی کی ہلاکت کی بحث مین لکھا ہے کہ "ان ترکان خاتون ام السلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ کانت تحضر مجلس وعظ الشیخ مجد الدین البغدادی" یعنی سلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ کی مان حضرت مجد الدین بغدادی کی مجلس وعظ مین حاضر ہوتی تھین، یہان "ام" کے لفظ پر یہ حاشیہ دیا ہے، والظاہر انہا لیست بامہ حقیقۃ بل کانت زوجۃ ابیہ فقیل لہا انہا امہ مجازاً (یعنی وہ ان کی حقیقی مان نہ تھین، ان کے باپ کی زوجہ تھین، مجازاً مان کہا گیا ہے) ممکن ہے اسی طرح بلکہ جہان کہیں مجازاً "اخت" کہا گیا ہے

129868

Marfat.com

بہاءالدینؒ ولد نے پچاسی برس کی عمر مین انتقال فرمایا[1]" بہاءالدینؒ ولد کا انتقال ۶۲۸ھ مین ہوا ہے۔ پس اگر مناقب العارفین کے چھ سو برس کی نقل درنقل سے "ہشتاد پنج" کے الفاظ مین کوئی غلطی نہین واقع ہوئی ہے تو حضرت بہاءالدینؒ ولد کا سال ولادت ۵۲۳ھ قرار پاتا ہے، تبصرۂ تاریخی سے واضح ہے کہ خوارزمشاہیون مین سے یہ زمانہ علاءالدین محمد خوارزمشاہ کے پردادا اتسز کا تھا۔ اتسز کے بعد الپ ارسلان فرمانروا ہوا، اور ۵۵۸ھ مین انتقال کیا، اس وقت سلطان شاہ کی عمر اتنی نہ تھی کہ وہ زمام سلطنت اپنے ہاتھ مین لے سکتا، علاءالدین تکش، سلطان شاہ سے بڑا تھا لیکن بہاءالدینؒ کی ولادت اگر ۵۴۳ھ مین تسلیم کیجائے تو حسینؒ خطیبی کا نکاح ۵۴۲ھ مین ہوا ہوگا[2]، اور اگر علاءالدین تکش کی لڑکی سے نکاح ہوا، تو تکش کی عمر اس وقت بدرجہ اقل تیس بتیس برس کی ماننا پڑیگی یعنی تکش کی ولادت ۵۱۰ھ کے قریب ہوئی ہو لیکن تکش کے متعلق حبیب السیر مین صاف لکھا ہے کہ" مورخان مدت سلطنتش رابست وہشت سال تعین کردہ اند واوقلت حیاتش رابنجاہ ودو سال شمردہ اند"[3] تکش کی وفات ۵۹۶ھ مین ہوئی، اس حساب سے اس کی ولادت ۵۴۴ھ مین ہوئی ہوگی پس ۵۴۲ھ مین خود تکش کا وجود نہ تھا، لڑکی کا کیا ذکر،

لہذا اس موقع پر اس کے سوا کوئی چارہ نہین کہ یا بہاءالدینؒ ولد کی عمر کی روایت کو غلط سمجھا جائے یا یہ قرار دیا جائے کہ حسینؒ خطیبی کا عقد علاءالدین کی لڑکی سے نہین ہوا تھا،

---

[1] مناقب ص ۲۸ (جدم بہاءالدینؒ ولد در سن ہشتاد و پنج سالگی نقل فرمودہ) [2] کیونکہ مناقب العارفین ہی مین یہ روایت ہے کہ نکاح کے نو مہینے بعد حضرت بہاءالدینؒ ولد پیدا ہوئے اور اس سے دو سال بعد حسینؒ نے انتقال فرمایا

[3] حبیب السیر جلد دوم ص ۱۷۴ (سلطان شاہ اور تکش مین ۵۵۸ھ سے ۵۶۸ھ تک خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہا، اس سلسلہ مین بعض تاریخون مین یہ بھی منقول ہے کہ سلطان شاہ نے تکش کو ایک رباعی بھیجی، تکش کے بیٹے ملک شاہ نے اس کا جواب دیا اور سلطان شاہ نے پھر جواب بھیجا، اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ تکش کے بیٹے ملک شاہ کی . . . .

Marfat.com

(خواہ علاءالدین محمد (۵۹۶ھ - ۶۱۷ھ / ۱۱۹۹ - ۱۲۲۰ء) ہو یا علاءالدین تکش (۵۶۸ھ - ۵۹۶ھ / ۱۱۷۲ - ۱۱۹۹ء) بلکہ صرف اس قدر تسلیم کیا جائے کسی خوارزمشاہ کی لڑکی سے عقد ہوا تھا۔ (اور حضرت بہاءالدین کے قول مین "خوارزمشاہ بلخ" کی جو قید ہے یہ بھی زاید ہے۔

(ذاتی حیثیت سے میرا میلان شق اول ہی کے قبول کرنے کی طرف ہے کیونکہ ۵۴۳ھ کو حضرت بہاءالدینؒ ولد کا سال ولادت قرار دینے سے مولاناؒ کی ولادت کے وقت بہاءالدینؒ کی عمر اکسٹھ برس کی ماننا پڑے گی۔ مولاناؒ کے بڑے بھائی اور ہمشیرہ کی ولادت اس سے قبل ہو چکی تھی اگر اسے بھی شامل کر لیا جائے تو بھی بہاءالدین کی عمر سن کہولت سے تجاوز کر چکی تھی اور اس روایت کی بنا پر بلخ کے ترک کرنے کے وقت مولاناؒ کی دادی (ملکہ جہان) کی عمر اسی سے کم نہ رہی ہوگی اور اگر مناقب العارفین کی ایک روایت مین "ملکہ جہان" سے مراد آپ ہی کی ذات ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس سفر مین ہمراہ تھین بلکہ ۶۱۸ھ تک شریک قافلہ تھین، ان دونون تنقیحات مین عقلاً کوئی محال نہین ہے مگر عادتاً یہ استبعاد معلوم ہوتا ہے کہ کیون اس عمر تک حضرت بہاءالدینؒ کے اولاد نہوئی اور ملکہ جہان اس سن و سال مین سالہا سال تک ایسے طولانی سفرون کی کس طرح متحمل ہوئین)

حاصل کلام یہ کہ مولاناؒ کی دادی ملکہ جہان کا شاہان خوارزم کے خاندان سے ہونا یقینی و قطعی ہے مگر تمام روایات پر نظر کرتے ہوے تعین کے ساتھ یہ نہین کہا جا سکتا کہ ملکہ جہان کس فرمانروائے خوارزم کی لڑکی تھین۔

(اس بحث کو ختم کرنے کے قبل یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ رڈہاوس نے بلاسند

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳) عمر اس زمانہ مین "شعر گوئی" کی حد کو پہنچ گئی تھی مگر اس سے تکش کی مدت عمر کے متعلق قطعی نتیجہ اخذ نہین ہو سکتا۔)

Marfat.com

اس شاہی قرابتداری کو بہت بڑھادیا ہے، انھون نے لکھا ہے کہ "مولاناؒ کی والدہ[1] ..... اور خود مولاناؒ کی بیوی بھی اسی شاہی خاندان سے تھین[2]۔ مگر یہ دونون باتین غلط ہین۔ اس موقع پر رڈہاوس کی عبارت پیچیدہ ہوگئی ہے مگر صفحہ کے پہلے ٹکڑے کے آخری جملے اور تیسرے ٹکڑے کے پہلے جملہ کو ملاکر دیکھنے سے اس کے سوا کوئی دوسرا مفہوم نہین نکل سکتا)

مناقب العارفین سے ملکہ جہان کے کچھ مزید حالات نہین معلوم ہوتے مگر افلاکیؒ کی ایک روایت نے اہل یورپ کے لئے استخراج نتائج کا راستہ کھول دیا ہے اس لئے مجبوراً اس باب مین بھی چند الفاظ لکھنے کی ضرورت ہے۔

رڈہاوس نے اپنے دیباچہ مین[3] لکھا ہے کہ "مولانا بہاء الدینؒ جب آقشہر سے لارندہ کو روانہ ہوئے تو اس وقت مولانا جلال الدینؒ کی والدہ اس قافلہ کے ساتھ تھین" مگر اول تو افلاکیؒ نے اس موقع پر ایک لفظ بھی مولاناؒ کی والدہ کی نسبت نہین لکھا ہے[4]۔ دوسرے خود رڈہاوس ہی کے اس بیان مابعد سے اس کا بطلان ہوتا ہے کہ "مولانا بہاء الدینؒ کے لڑکون کی والدہ کا ذکر بعد مین کہین نہین آیا ہے[5]"۔ فی الاصل اس موقع پر رڈہاوس سے قدرے تسامح ہوگیا ہے اور اسے محض لغزش قلم سمجھنا چاہئے انھون نے "بہاء الدینؒ" کے بجائے غلطی سے "جلال الدینؒ" لکھدیا ہے، ان کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہاء الدینؒ کی والدہ (ملکہ جہان) اس قافلہ کے ہمراہ تھین، اسی سلسلہ مین رڈہاوس نے یہ لکھا ہے کہ

---

[1] سرگور اوسلی نے بھی لکھا ہے کہ مولاناؒ کی والدہ کسی شاہ خراسان کی لڑکی تھین۔ صفحہ ۱۱۲،

[2] صفحہ ۵ دیباچہ [3] صفحہ ۹، [4] روانگی لارندہ کا پورا حال مناقب العارفین صفحہ ۱۸ سے صفحہ ۲۰ تک مندرج ہے۔ [5] صفحہ ۱۳۳۔

Marfat.com

(۱) بہاءالدینؒ کی والدہ روانگیِ بلخ کے وقت ان کے ہمراہ تھین ،

(۲) ۱۲۳۰ء (۶۲۷ھ) تک ان کا (والدۂ بہاءالدینؒ ولد کا) زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے پھر اس کے بعد ان کا بھی کہین کوئی مذکور نہین ہوا ہے ۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفروضہ اول مفروضہ دوم کا نتیجہ ہے اور خود اس مفروضہ دوم مین بھی غلطی واقع ہوگئی ہے ۔ بلخ سے روانگی کے وقت افلاکیؒ نے ملکہ جہان کے ہمراہ ہونے نہ ہونے کا مطلق کوئی ذکر نہین کیا ہے مگر آگے چلکر آقشہر کے قیام کے موقع پر یہ لکھا ہے کہ "ملکہ جہان ملازم خدمتش می بود"[1] اس سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ جب ملکہ جہان آقشہر مین بہاءالدین ولد کے ہمراہ تھین تو لامحالہ بلخ سے ان کے ہمراہ گئی ہونگی ۔

۱۲۳۰ء مین مولانا کی دادی (ملکہ جہان) کے زندہ ہونے کا کوئی ادنےٰ اشارہ بھی تمام مناقب العارفین مین کہین موجود نہین ہے ، یہ زمانہ وہ تھا جب مولاناؒ کے والد (حضرت بہاءالدینؒ) قونیہ مین مستقلاً اقامت پذیر ہو چکے تھے ، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی روایت مذکورۂ بالا سے نتیجتہً ماخوذ ہے ۔ آقشہر سے لارندہ کی جانب مولانا بہاءالدینؒ کی روانگی ۶۱۸ھ مین ہوئی ہے ، غلطی سے ۶۱۸ھ کو سنہ عیسوی مین بدلکر ۱۲۳۰ء کر دیا گیا ہے ۔

لیکن یہ سب کچھ اس بنا پر ہے کہ افلاکیؒ کی روایت مذکورۂ بالا مین "ملکہ جہان" سے مراد بہاءالدینؒ کی والدہ سے ہو ، مگر سیاق و سباق عبارت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہان "ملکہ جہان" اسم معرفہ نہین بلکہ اسم توصیفی ہے ، اور اس کا اشارہ ملک فخرالدین دامادی آذربیجانی"

---

[1] مناقب العارفین صفحہ ۱۸ اسی روایت سے استنباط کر کے رڈہاؤس نے دیباچہ مین غلطی سے لکھدیا ہے کہ مولانا جلال الدینؒ کی والدہ قافلہ کے ہمراہ تھین ، حالانکہ لکھنا یہ چاہیئے تھا کہ مولانا بہاءالدینؒ کی والدہ (یعنی مولاناؒ جلال الدین کی دادی) قافلہ کے ہمراہ تھین ۔

Marfat.com

کی ملکہ عصمت خاتون کی طرف ہی، اس کو سمجھنے کے لیے چند صفحے آگے قیام آقشہر کی کیفیت دیکھنا چاہئے جس کا ماحصل یہ ہے کہ نواحی آقشہر مین ملک فخر الدین (والئی آذربیجان) اور اس کی ملکہ عصمت خاتون نے مولانا بہاء الدینؒ سے ملاقی ہو کر یہ چاہا کہ مولاناؒ چلکر شہر مین قیام کرین مگر آپ نے اسے پسند نہ کیا، اس کے بعد افلاکیؒ کے الفاظ یہ ہین کہ "فرمودہ کہ اگر طالب و عاشق من اید درین قصبہ براے من مدرسہ عمارت کنید تا مدتے اقامت افتد و ایشان در آقشہر آذربیجان بہمت ایشان مدرسہ عمارت کردند، چہار سال در آن مدرسہ درس عام می فرمودند و "ملکہ جہان" ملازم خدمتش می بود، ہمانا کہ چون بتقدیر مقدر الامور و بتفرق الجمہور ملک فخر الدین و عصمت خاتون وفات یافتند ..... [1]"

بظاہر کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ یہان خصوصیت کے ساتھ حضرت بہاء الدینؒ کی والدہ ملکہ جہان کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اور اگر یہان "ملکہ جہان" کا اشارہ عصمت خاتون کی طرف سمجھ لیا جائے تو اس مین کیا قباحت لازم آتی ہے؟ بظاہر تو یہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جب عصمت خاتون نے از راہِ ارادت و عقیدت مدرسہ تعمیر کیا تو انھون نے مولانا بہاء الدینؒ کی خدمت گذاری کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھا ہوگا، اور افلاکیؒ کا مقصود غالباً یہی ہوگا کہ عصمت خاتون شرایط خدمت بجا لاتی تھی، ماسوا ازین کوئی شخص کتنا ہی بلند پایہ کیون نہ ہو اس کی والدہ کی نسبت یہ لکھنا کہ "ملازم خدمتش می بود" کسی طرح موزون و مناسب نہین معلوم ہوتا۔

بہرحال یہ ایک قیاس ہے اور اگر "ملکہ جہان" سے مراد مولانا بہاء الدینؒ کی والدہ ہی سے ہے تو اس روایت سے آپ کا ۶۱۸ھ تک زندہ ہونا اور سفر مین بہاء الدینؒ والد

---

[1] صفحہ ۱۷ - ۱۸ ،

Marfat.com

ہمراہ ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ رڈہاوس نے لکھا ہے۔ (اور اگر حضرت بہاء الدین کی عمر کی روایت کو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے صحیح سمجھا جائے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت تک ملکہ جہان کی عمر بدرجۂ اقل نوے برس کی ہو چکی ہوگی)

(۳)

(مولانا کی نانی)

حضرت بہاء الدین ولد کے قول سے یہ ثابت ہے کہ مولانا کی نانی شمس الایمہ سرخسی کی بیٹی تھین مگر اسے بھی تاریخ سے ثابت کرنے مین شدید دشواری کا سامنا ہے۔

مناقب العارفین مین یہ مذکور دو جگہ آیا ہے۔ پہلی روایت صفحہ (۵۱) پر دی ہے جو اوپر منقول ہو چکی ہے، یہان شمس الایمہ[1] کی نسبت یہ درج ہے کہ "گویند شمس الایمہ شریف بود، ہم از قبل مادر بامیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ می رسند" دوسری روایت صفحہ ۱۰۸ پر ہے۔ یہان شمس الایمہ کے نسب کے متعلق تو صرف اس قدر لکھا ہے کہ "او حسینی بود" مگر ان کی کثرت تصانیف پر مفصل گفتگو کی ہے، پس اب شمس الایمہ کے خطاب کے ساتھ "سرخسی" اور "صاحب تصانیف کثیرہ" کے قیود کا اضافہ کر کے تاریخی حیثیت سے نظر کیجے تو ان اوصاف سے متصف صرف ایک شخص کا پتہ چلتا ہے اور وہ محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر ہین۔ دیکھنا یہ ہے کہ زمان و مکان کے اعتبار سے کہانتک اس روایت کا اطلاق ان شمس الایمہ پر

---

[1] مطبوعہ نسخہ مین اس موقع پر فقرہ اوّل مین "شمس الدین" چھپ گیا ہے اور پھر اسی روایت مین بعد کو "شمس الایمہ" ہے اور صفحہ ۱۰۸ والی روایت مین بھی شمس الایمہ ہی ہے، اور قلمی نسخون کے مقابلہ سے یہ معلوم ہوگا کہ "شمس الدین" کا لفظ محض غلطی طباعت ہے، اس پر لحاظ کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔ مکان کے اعتبار سے تو صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ سرخس بلاد خراسان مین سے تھا اور مشہد اور مرو کے درمیان ہری رود پر واقع تھا، شمس الائمہ سرخسی کی زندگی زیادہ تر انھین نواح (بخارا اور ارجند وغیرہ) مین گذری، بلخ بھی انھین اطراف مین تھا، پس اس اعتبار سے مولانا کے خاندان کے ساتھ سرخسی کے تعلقات قرابتداری مین کوئی استبعاد نہین ہے، لیکن زمان کے اعتبار سے ان تعلقات مین قدرے دشواری نظر آتی ہے، اسکو واضح طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

پانچوین صدی ہجری مین خراسان مین متعدد علماے کبار "شمس الائمہ" کے خطاب سے موسوم ہوے، انھین مین ایک بزرگ عبد العزیز بن نصر بن صالح تھے جو "شمس الائمہ حلوائی" کے لقب سے مشہور ہین اور غالباً سب سے پہلے "شمس الائمہ" یہی ہوے ہین، ان کا سال وفات بقول اکثر ۴۳۸ھ ہے مگر ۴۳۹ھ ۴۵۲ھ اور ۴۵۶ھ بھی مذکور ہین[1]۔ انھین کے ایک شاگرد محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر تھے اور یہی وہ "شمس الائمہ سرخسی" ہین جو صاحب تصانیف کثیرہ ہوے ہین۔ ان کا سنہ وفات قطعی طور پر نہین معلوم ہے، البتہ الفوائد البہیہ مین ہے کہ پانچوین صدی ہجری کے اواخر مین انتقال کیا[2] اور جواہر المضیہ مین ہے کہ ۴۹۰ھ مین وفات پائی[3] مگر حرجی زیدان نے ان دونون کے خلاف ان کا سنہ وفات ۴۹۳ھ دیا ہے

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۳۱۸، الفوائد البہیہ صفحہ ۹۵-۹۶۔ انھین کے ایک شاگرد بکر بن محمد بن علی بن المنصور الحسن الشہیر بہ "شمس الائمہ الزرنجری" بھی تھے (الجواہر المضیہ جلد اول ص ۱۷۲-۱۷۳، الفوائد البہیہ ص ۵۶) ان کا سال ولادت ۴۲۶ھ اور سال وفات ۵۱۲ھ دیا ہے، اگر شمس الائمہ حلوائی نے ۴۳۸ھ مین انتقال کیا تو شمس الائمہ زرنجری کا سن اسوقت صرف گیارہ برس کا رہا ہوگا، پس انھون نے کس سن مین شمس الائمہ حلوائی سے استفادہ کیا، اندازہ شمس الائمہ حلوائی کے سال وفات کے متعلق آخری روایت کو صحیح سمجھنا چاہیے۔ [2] صفحہ ۱۵۱ [3] جلد دوم ص ۲۸ [4] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد سوم ص ۱۰۱

Marfat.com

اور "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" مین اسی کی توثیق کی گئی ہے[1] پس اگر ان کے سال وفات کے متعلق انتہائی روایت پانچوین صدی ہجری کے اواخر کو قبول کر لیا جائے تو بھی یہ تصور خالی از تردد نہین معلوم ہوتا کہ شمس الائمہ کے انتقال اور مولانا کے تولد کے مابین بدرجہ اقل ایک صدی سے زاید زمانہ گزر گیا، لیکن یہ محض ایک تردد ہے، اس مین کوئی محال عقلی نہین ہے۔ اگر شمس الائمہ کا انتقال بقول جرجی زیدان ۴۸۳ھ مین بھی مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سلطان العلما بہاء الدین کی ولادت ۵۴۳ھ مین ہوئی تو بھی اس امر کے فرض کر لینے مین کوئی محال لازم نہین آتا کہ آخر عمر مین شمس الائمہ کے ہان کوئی لڑکی ہوئی ہو جنکی عمر ۵۴۳ھ تک ساٹھ اکسٹھ برس کی ہوئی ہوگی اور کم و بیش اسی زمانہ مین ان بنت شمس الائمہ کے کوئی لڑکی ہوئی ہو جو حضرت بہاء الدین ولد کی زوجہ محترمہ اور مولانا (جلال الدین رومی) کی والدہ مکرمہ بنی ہون[2]۔

افلاکی نے اوایل کتاب مین جو کچھ لکھا ہے اس سے جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہی ہے۔ جو مذکور ہوا مگر کتاب کے اختتام پر بذیل سلسلۂ خرقہ خود افلاکی ہی نے ایک ایسی روایت دی ہے جس سے یہ کل توجیہات باطل ہوے جاتے ہین یعنی حضرت بہاء الدین ولد شمس الائمہ کے مرید تھے۔ فصل دوم مین مولانا کے سلسلۂ باطنی کی بحث مین تفصیلاً معلوم ہوگا کہ یہ سلسلہ کس طرح چلا ہے، یہان صرف مجمل اشارہ کر دینا کافی ہے وہ یہ کہ مولانا کے دادا (حسین خطیبی) کا انتقال اس وقت ہوا ہے جب مولانا کے والد (بہاء الدین ولد) صرف دو برس کے تھے،

---

[1] جلد چہارم صفحہ ۱۵۹، [2] اس عمر مین کسی عورت کے اولاد کا ہونا کچھ عجائبات سے نہین ہے حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کی نسبت منقول ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ کی عمر اکسٹھ برس کی تھی (خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۹۲)

Marfat.com

مولاناؒ کے دادا (حسینؒ) اپنے والد (احمدؒ خطیبی) کے مرید تھے مگر مولاناؒ کے والد کو یہ موقع نہین حاصل ہوا کہ وہ اپنے والد (حسینؒ خطیبی) سے بیعت کرتے، افلاکیؒ نے اس خلل کو اس طرح پورا کیا ہے کہ احمدؒ خطیبی کے مرید "شمس الایمہ سرخسی" تھے اور "شمس الایمہ سرخسی" کے مرید حضرت بہاءالدینؒ ولد، پس اگر حضرت بہاءالدینؒ ولد کی عمر بروایت افلاکیؒ پچاسی برس کی تسلیم کرلی جائے تو بھی بدرجۂ اقل اول الذکر کی ولادت اور آخرالذکر کی وفات مین پچاس برس سے کم کا فصل نہین پڑتا۔

لہذا اب اس تمام روایت پر بالکل ہی دوسرے پہلو سے نظر کرنا چاہئے، اول تو یہ خیال کرنا چاہئے کہ "شمس الایمہ" کا خطاب اس زمانہ مین مسلسل چلا آرہا تھا، اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ شمس الایمہ حلوائی کے ایک شاگرد "شمس الایمہ زرنجری" بھی تھے، ان زرنجری کے فرزند عماد الدین بھی "شمس الایمہ" کے خطاب سے مخاطب تھے[1]۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ "سرخسی" کے سلسلہ مین بھی بعد کو کوئی بزرگ اس خطاب سے مخاطب ہوے ہون اور یہ اشارہ نہین کی طرف ہو[2]۔ شمس الایمہ کے متعلق افلاکیؒ کی دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے جن شمس الایمہ سرخسی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے اور جن شمسؒ الایمہ سرخسی کا حال تذکرون مین موجود ہے وہ بھی بہت بڑے صاحب تصانیف تھے، آپ کے تصانیف مین سب سے مشہور کتاب "مبسوط"[3] ہے

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۱۴۲، [2] اس موقع پر اتنا لکھ دینا بیمحل نہ ہوگا کہ بعض زمانون مین بعض خطابات اس طرح رائج ہوجاتے ہین کہ وہ ایک عہدے کی سی حیثیت پیدا کرلیتے ہین، چنانچہ تقریباً اسی زمانہ مین "صدرالشریعت" کے خطاب کا بھی یہی حال تھا، اگر "شمس الایمہ" کا خطاب بھی اسی طرح چلتا رہا ہو تو کچھ بعید نہین، حلوائی، زرنجری، عماد الدین تین مدارج تو یہین موجود ہین۔ [3] یہ کتاب پندرہ جلدون مین ہے اور جس طرح

Marfat.com

اس کے علاوہ اور بھی متعدد ضخیم کتابین لکھی ہین، جنمین شرح "السیر الکبیر" زیادہ مشہور ہے مگر افلاکی رح نے جس انداز مین اس روایت کو لکھا ہے وہ ان کتابون پر صادق نہین آتی، لکھتے ہین کہ انھون نے (شمس الایمہ) نے بکثرت کتابین تصنیف کین اور یہ کتابین ایسی تھین کہ کسی عالم نے خواب مین بھی نہین دیکھی تھین۔ اس زمانہ کے بزرگون نے مصلحت اسی مین سمجھی کہ ان کتابون کو ظاہر نہ کرین تاکہ "قتلہ انبیا وجدلہ اولیا کے ہاتھ نہ لگین اور فساد واقع نہ ہو۔ یہ کتابین بغداد سے مین ہنوز سربمہر محفوظ ہین"[1] لیکن محولۂ بالا شمس الایمہ سرخسی نے جو کتابین لکھین وہ تو اول دن متداول اور معروف و مشہور رہین اور اس وقت تک مستند و مسلم سمجھی جاتی ہین اور مبنیون کو قتل کرنے والون اور دلیون سے مخالفت کرنے والون کو" ان پر کبھی اعتراض نہین ہوا، علاوہ ازین، آپ نے زیادہ تر شرق خراسان، ازجند وغیرہ مین رہکر کتابین لکھین، بغداد سے انھین کیا سروکار، اور سب سے بڑھکر یہ کہ آپ آخر تک علمائے ظاہر کے لباس مین رہے، بیعت و ارادت کے سلسلہ مین کہین آپ کا ادنی مذکور بھی نہین ملتا۔

پس یہ تمام قیاسات اس جانب راجع ہین کہ جن شمس الائمہ کا اشارہ مناقب العارفین مین ہے یہ کوئی دوسرے شمس الایمہ ہونگے جو سلسلۂ فقر و تصوف سے تعلق رکھتے تھے اور جن کے تصانیف اس نوعیت کے تھے کہ علمائے ظاہر ان پر معترض ہوتے۔

(اس تمام بحث کے بعد اب رڈ ہاوس کی طرف توجہ کیجے تو ایک بالکل ہی نئی بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱ کا) تصنیف ہوئی وہ ایسا محیر العقول واقعہ ہے کہ تصنیف و تالیف کی تمام تاریخ مین اس کی کوئی نظیر نہین مل سکتی۔ حضرت حصیف قید مین تھے ایک کتاب بھی پاس نہ تھی، زبانی املا کراتے تھے، اور شاگرد باہر بیٹھ کر لکھتے تھے، اور خوبی در خوبی یہ کہ ساری کتاب مرصع عبارت مین ہے،

[1] مناقب ص ۱۶۸

Marfat.com

معلوم ہوتی ہے، انھون نے مولاناؒ کے سلسلۂ باطنی مین اکثر بزرگون کا سال وفات بھی دیا ہے، انہین مین "امام سرخسی" کا سال وفات ۵۱۱ھ / ۱۱۷۵ء دیا ہے[1]۔ (البتہ شمس الایمہ سرخسی نہین لکھا ہے بلکہ "امام سرخسی" لکھا ہے) مجھے ندامت کے ساتھ اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے کہ مین کہین سے کسی "امام سرخسی" کا سال وفات ۵۱۱ھ محقق نہ کر سکا، لیکن اگر اس کا پتہ چل جائے تو تمام دشواریان حل ہوئی جاتی ہین۔

غرض اس تمام کدوکاوش سے جو نتیجے اخذ ہو سکتے ہین وہ حسب ذیل ہین :۔

(۱) مولاناؒ کی نانی شمس الایمہ سرخسی (؟) کی دختر تھین۔

(۲) شمس الایمہ حسینی تھے، اور مان کی جانب سے بھی ان کا نسب حضرت علیؓ سے ملتا تھا،

(۳) اگر یہ شمس الایمہ وہ تھے جن کا انتقال پانچوین صدی کے اواخر مین ہوا ہے تو حضرت بہاءالدین ولدؒ کے شیخ کوئی دوسرے شمس الایمہ تھے۔

(۴) اگر یہ وہی شمس الایمہ تھے جو حضرت بہاءالدین ولدؒ کے شیخ تھے تو لامحالہ ان کا زمانہ چھٹی صدی کے اواسط بلکہ ربع ثالث مین قرار پائے گا (جیساکہ رڈہاوس نے لکھا ہے) اور جملہ حالات پر نظر کرتے ہوئے یہی قیاس زیادہ قرین بہ صواب ہے،

حاصل کلام یہ کہ مولاناؒ کا نسب جس طرح باپ کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ سے ملتا تھا اسی طرح مان کی جانب سے حضرت علیؓ سے ملتا تھا۔

(۴)

(مولاناؒ کے نانا)

مولاناؒ کی والدہ کا نسب سلطان ابراہیم[2] دہمؒ سے ملتا تھا، یعنی مولاناؒ کے نانا

---

[1] صفحہ ۱۳۵ [2] سلطان ابراہیم ادہم کی نسبت یہ روایت نہایت تواتر کے ساتھ مشہور ہے کہ

Marfat.com

سلطان ابراہیمؒ ادہم کی اولاد مین تھے ۔

یہ روایت "فیہ مافیہ" کی ہے جسے مولاناؒ کے حالات مین سب سے زیادہ مستند سمجھنا چاہئے۔ اس کے متعلق اگرچہ کوئی مزید تصریح کہین مذکور نہین ہے مگر اس کے رد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہین ہوسکتی ، لہذا اسے مسلّم سمجھنا چاہئے کہ مولاناؒ کے نانا سلطان ابراہیم کی اولاد سے تھے ۔ ان تعلقات عالیہ پر نظر کرنے سے مولاناؒ کی خاندانی عظمت و وقعت کا جیسا کچھ باوقعت و حرمت اثر دل مین پیدا ہوجاتا ہے وہ ظاہر ہے ، مگر مولاناؒ کے آبا و اجداد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ کا) بلخ کے بادشاہ تھے اور بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی ، خود مولاناؒ نے دفتر دوم مین ایک حکایت حضرت ابراہیمؒ ادہم کے متعلق لکھی ہے' اس مین بھی یہ اشارہ ملتا ہے ؎

کو رہا کرد آنچنان ملک شگرف — برگزید از فقر بس باریک حرف

ترک کرد او ملک ہفت اقلیم را — میزند بر دلقِ سوزن چو گدا

ملک ہفت اقلیم ضایع میکند — چون گدا بر دلق سوزن میزند

حضرت ابراہیمؒ ادہم کے سال انتقال کی روایتون مین اختلاف ہے ، ۱۶۰ھ سے ۱۶۶ھ تک مختلف سنین مذکور ہین ، یہ زمانہ خاندان عباسیہ کے تیسرے خلیفہ مہدی (۱۵۹ھ - ۱۶۹ھ / ۷۷۵ء - ۷۸۵ء) کا تھا خاندان بنو امیہ کا انقراض ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء مین ہوا ، بنو امیہ کے آخر دم تک شرق سے غرب تک تمام ممالک اسلامیہ متحد و متفق رہے ، بنو عباس کا دور شروع ہونے پر مغرب مین اختلال واقع ہوا ، ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء مین اسپین ، ۱۷۲ھ / ۷۸۸ء مین مراقش ، ۱۸۴ھ / ۸۰۰ء مین بربر یکے بعد دیگرے آزاد ہوگیے مگر مشرقی ممالک پر ان کا تسلط بدستور قائم رہا تا آنکہ مامون (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ / ۸۱۳ء - ۸۳۳ء) نے ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء مین طاہر ذوالیمینین کو خراسان کا والی مقرر کیا اور پھر یہ ولایت اسی خاندان مین موروثی ہوگئی اور عملاً خراسان خود مختار ہوگیا ۔ پس ابراہیم ادہم کے زمانہ مین بلخ مین کسی بادشاہ کا ہونا صریحاً خلاف واقعہ ہے ، نفحات الانس مین تو صرف اس قدر لکھا ہے کہ "از ابنائے

Marfat.com

محض نسبی عزوشرف پر فخر کرنے والون مین نہین تھے بلکہ ان بزرگون کے ذاتی اکتسابات وکمالات بھی بجائے خود نہایت عالی ورفیع تھے، تمام تذکرہ نویس متفق اللسان ہن کہ کیا بلحاظ علم وفضل اور کیا بلحاظ زہد وورع مولاناؒ کے بزرگون کا پایہ نہایت بلند تھا خود سلطان ولدؒ فرماتے ہین کہ ؎

جملہ اجداد او شیوخ کبار ہمہ در علم ودر عمل مختار

ان کے عزوقار کا اندازہ صرف اس ایک امر سے ہوسکتا ہے کہ دنیاوی حشمت وثروت سے بے تعلق ہونے کے باوجود بلخ وخوارزم کے بادشاہون نے اپنی شہزادیون کا عقد اس خاندان مین کیا۔

اب اس بالواسطہ انتساب فضیلت کی بحث کو ترک کرکے ہم بلاواسطہ بیان فضائل کی طرف متوجہ ہوتے ہین جن سے مولاناؒ کے والد اور فی الحقیقت خود مولاناؒ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ کا) ملوک است"، مگر تذکرۃ الاولیا مین پوری تفصیل کے ساتھ ان کے بادشاہ بلخ ہونے اور بادشاہی کو ترک کرنے کے حالات مشہورہ درج ہین، اصلیت صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ آپ امرائے بلخ مین سے رہے ہونگے اور چونکہ فقر اختیار کرنے کے بعد آپ خراسان سے ہجرت کرکے شام کو چلے گئے تھے اور وہان بہت ہی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے بہ مرور ایام آپ کی نسبت یہ مشہور ہوگیا ہوگا کہ آپ بادشاہ بلخ تھے اور بادشاہی ترک کرکے زمرۂ اہل تصوف مین داخل ہوگئے تھے، سمعانی نے اپنی کتاب الانساب مین بعینہٖ یہی خیال ظاہر کیا ہے: "اصلہ من البلخ ثم انتقل بعد ان تاب وترک الامارۃ الی الشام طلبا للحلال ..... (ورق ۵۹ ب) سمعانی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؒ ادہم نے ابو اسحقؒ سے روایت کی ہے اور ترمذی اور نسائی نے ابراہیم ادہم سے روایت کی ہے بہرحال آپ کا اہل تصوف کے طبقۂ اولین مین ہونا متفق علیہ ہے اور آپ کے پایہ بلند سے کسی کو انکار نہین ہے اور اس موجودہ بحث مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ مولانا کا سلسلۂ نسب اس سلطان اقلیم فقر وتصوف سے بھی ملتا تھا

Marfat.com

کی شان رفیع آشکارا ہو سکے۔

اسے مسلّم قرار دیکر کہ مولاناؒ کے دادا (حسین خطیبیؒ) کا عقد خاندان خوارزمشاہی کی کسی شہزادی سے ہوا تھا، سلسلۂ روایت وحکایت اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ اسی شہزادی (ملکہ جہان) کے بطن سے تاریخ عقد سے ایک سال کے اندر ہی مولاناؒ کے والد متولد ہوے۔ آپ کا نام "محمد" رکھا گیا اور لقب "بہاءالدین" قرار پایا ؎

لقبش بد "بہاء دین ولد"
عاشقانش گزشتہ از حد وعد

(رباب نامہ)

سن رشد کو پہنچنے پر عالم رویا مین سرکار دوجہان سے خطاب "سلطان العلما" عطا ہوا۔

اگر حضرت بہاءالدینؒ کی عمر کی روایت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے صحیح ہے تو آپ کی ولادت ۵۴۳ھ مین ہوئی ہوگی۔[1] آپ کی ولادت کے دو برس بعد حضرت حسینؒ خطیبی نے

---

[1] حضرت بہاءالدینؒ ولد کے سال ولادت کا پتہ کسی کتاب سے نہین چلا، صرف ایک کتاب "آئینہ تصوف" (مصنفہ شاہ محمد حسن صابری، مطبوعہ مطبع حسینی رامپور) مین آپ کا سال ولادت "وقت عشا روز دوشنبہ ۱۴ ماہ صفر ۵۴۰ھ" دیا ہے (صفحہ ۲۲) لیکن یہ اپنی نوعیت مین ایک عجیب وغریب کتاب ہے، اس کا انحصار "طرت نامہ" اور "مکتوبات لطائف" پر ہے اور یہ دونون تحریرین اسرار اولیا اللہ سے ہین جو قطب وقت کے دفتر مین محفوظ رہتی ہین، اہل ظاہر ان تحریرون کو دیکھ نہین سکتے اور اہل باطن مین بھی شاذ ونادر ہی کوئی خوش نصیب ایسا ہوگا جو ان تحریرون کی زیارت کر سکے۔ کتاب مین کئی سو اولیا اللہ کے حالات درج ہین اور جس کی ولادت ووفات بقید وقت، روز، ماہ وسنہ دی ہے، پھر کسی کی وفات "مرتبہ جبروت" مین ہے، کسی کی وفات "مرتبہ لاہوت" مین کسی کی وفات "مرتبہ ملکوت" مین۔ عمرین بھی خلاف قیاس ظاہر دی ہین، ذیرہ سو

Marfat.com

رحلت فرمائی، عقد کے وقت حسینؒ خطیبی کی عمر تیس برس کی تھی، پس انھون نے تقریباً تینتیس سال کی عمر مین وفات پائی۔

حضرت بہاء الدینؒ ولد کے کسی بھائی یا بہن کا کوئی ذکر کہین نہین آیا ہے مگر ترک بلخ کے موقع پر افلاکیؒ نے یہ لکھا ہے کہ "حضرت بہاء الدینؒ ولد را دایہ بود نصیب خاتون نام . . . . . بعضے گویند خواہرش بود مذکورہ را با شوہرش آن جایگاہ رہا کردند"[1] افلاکیؒ نے اسے شک کے ساتھ لکھا ہے اور کوئی دوسری سند بھی نہین ہے کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد کے علاوہ حسینؒ خطیبی کے کوئی اور اولاد بھی ہوئی تھی[2]، اس لئے ظنّ غالب یہی ہے کہ نصیب خاتون اگر حضرت بہاء الدینؒ ولد خواہر تھین تو حقیقی بہن نہ ہونگی، کسی اور رشتہ سی بہن رہی ہونگی۔

حضرت بہاء الدینؒ ولد کا خطاب "سلطان العلما" سے ملقب ہونا۔

حضرت بہاء الدینؒ ولد نوعمری ہی مین تمام علوم مین کامل و ماہر ہو گئے تھے، ایک روز آپ اپنے والدؒ کے کتبخانہ کا ملاحظہ فرما رہے تھے کہ آپ کے ذہن مین یہ خیال گزرا کہ انہین علوم کی وجہ سے میری والدہ ملکہ جہان میرے والدؒ کے عقد مین آئین۔ اسی وقت سے آپ ہمہ تن علوم دینی کے حصول مین مستغرق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ کا) اور دو سو برس تو بہت عام ہین، پانچسو اور چھ سو برس تک کی عمرین درج ہین، چنانچہ حضرت بہاء الدینؒ کے نام سے اوپر شیخ صدر الدینؒ قونوی کا نام ہے ان کی ولادت ۴۹۵ھ مین اور وفات ۶۲۷ھ مین قرار دی ہے یعنی انھون نے دو سو بتیس برس کی عمر پائی، حالانکہ کتب اہل ظاہر سے شیخؒ کی ولادت کا اوایل ساتوین صدی مین ہونا مستنبط ہوتا ہے اور وفات ۶۷۲ھ مین محقق ہے، اور بھی اکثر نام اسی طرح کے ہین، اس لئے باسباب ظاہر اس کتاب کو سند قرار دینا دشوار ہے۔

[1] مناقب ص ۱۱-۱۲ [2] قیاس بھی اس کا موید ہے کیونکہ بہاء الدینؒ کی ولادت کے دو ہی برس بعد حسینؒ خطیبی کا انتقال ہو گیا تھا۔

Marfat.com

ہوگئے اور علایق دنیاوی سے بالکلیہ قطع تعلق کرلیا، آخر یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ ایک ہی شب مین بلخ کے تین سو مفتیون نے یہ خواب دیکھا کہ ایک میدان مین ایک بہت بڑا خیمہ نصب ہے اور آنحضرتؐ رونق افروز ہین، بہاءالدینؒ ولد کی نشست آپ کے پہلو مین ہے اور دوسرے علما و فضلا فاصلہ سے بیٹھے ہوے ہین آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آج سے بہاءالدینؒ ولد کو "سلطان العلما" کہین۔ صبح کو یہ اصحاب اس غرض سے چلے کہ حضرت بہاءالدینؒ ولد کو واقعہ خواب سے آگاہ کرین، راستہ مین جو ملتا وہ اپنا خواب بیان کرتا اور جماعت کا تحیر بڑھتا جاتا جب قریب پہنچے تو حضرت بہاءالدینؒ ولد نے اول ہی فرمادیا کہ "تا حضرت پیغامبر علیہ السلام از حال درویشان اعلام نفرمود شمار الیقین نگشت" پھر تو سب بیکبار مرید ہوگئے اور اس کے بعد سے حضرت بہاءالدینؒ اپنے نام کے بجائے "کتبہ سلطان العلما" لکھنے لگے[1]

اس واقعہ کو سلطان ولدؒ نے اپنی مثنوی مین، سپہ سالارؒ نے اپنے رسالہ مین، افلاکیؒ نے مناقب العارفین مین شرح وبسط سے لکھا ہے، "فیہ مافیہ" مین بھی موجود ہے اور بعد کے تمام تذکرہ نویسون نے متفق اللفظ ہوکر اسے نقل کیا ہے،

آپ کے علم وفضل کی کیفیت یہ تھی کہ تمام اقصاے خراسان سے مشکل فتاوے آپ ہی کے پاس آتے تھے سلطان ولدؒ فرماتے ہین ؎

مثل او کس نبود در فتوے　　از فرشتہ گذشتہ در تقوی

سپہ سالارؒ نے لکھا ہے کہ

"از اقصاے خراسان فتاواے مشکل بحضرت او آوردندے[2]

مناقب العارفین مین بروایت سلطان ولدؒ منقول ہے کہ حضرت سلطان العلماؒ

---

[1] فیہ مافیہ صـ۲ رباب نامہ، رسالہ سپہ سالارؒ ص، مناقب العارفین ص، ۔ ۸ [2] سپہ سالارؒ ص ۶،

Marfat.com

نہایت قوی ہیکل اور تنومند شخص تھے[1] مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے موقع پر یہ بھی درج ہے کہ آپ کے ریاضات ومجاہدات اس حد تک بڑھے ہوے تھے کہ منہ مین صرف چند دانت رہگئے تھے[2]

لباس آپ علماے ظاہر کے لباس مین رہتے تھے[3]

معیشت بیت المال سے کچھ رقم آپ کے لئے معین تھی، اسی پر گذر فرماتے، وقف سے اصلاً کوئی شے نہین لیتے تھے[4]

طریق مجلس مجلس کا طریق بادشاہون کا سا تھا[5]

ترتیب اوقات آپ کا معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک درس عام ہوتا، ظہر کے بعد اپنے خاص اصحاب کے حلقہ مین حقایق ومعارف بیان فرماتے، دوشنبہ اور جمعہ کو عام وعظ کہتے[6] گفتگو کا یہ انداز تھا کہ "چون بہ تکلم آمدے بغریدے چون شیر ونعرہا زدے" آغاز کلام ایسے الفاظ سے فرماتے تھے کہ جبتک اس سے تین چار درجہ پست نہین ہوتے تھے مفہوم کسی کی سمجھ مین نہین آتا تھا[7]

عظمت وہیبت تجلیات جلالی کی کثرت سے مزاج مبارک مین تندی پیدا ہوگئی تھی، ہیبت نمایان رہتی اور ہمیشہ متفکر معلوم ہوتے تھے۔

مریدون اور شاگردون کی یہ مجال نہ تھی کہ بے اجازت حرکت کرسکین[8]

مولانا کی ولادت غرض اس علم ورتبہ کے شخص کے خلف صدق وفرزند ارجمند مولانا جلال الدین محمد تھے جو اسلاف کے لئے باعث فخر ومباہات اور اخلاف کے لئے موجب

---

[1] مناقب صفحہ ۲۲ - [2] ایضاً [3] سپہ سالار صفحہ ۶ [4] " " صفحہ ۷۰
[5] سپہ سالار ص، [6] " ص، [7] " " [8] " "

Marfat.com

اعزاز و برکات ثابت ہوئے، آپ ۶۰۴ھ مین بلخ مین متولد ہوئے، سپہ سالار نے تاریخ ولادت نہین دی ہے، صرف "در شہور سنہ اربع وستمایۃ لکھدیا ہے"[1] مگر افلاکی نے تاریخ ولادت ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ درج کی ہے[2]۔ اور اسی پر اتفاق عام ہے۔

مولانا کے برادر و خواہر | مولانا کے ایک بھائی علاء الدین کا صرف ضمناً پتہ چلتا ہے، زرنگی بلخ کے موقع پر افلاکی نے یہ لکھا ہے کہ "گویند مولانا جلال الدین دران زمان پنج سالہ بود و برادرش علاء الدین محمد ہفت سالہ"[3]، اس سے زیادہ علاء الدین محمد کا کچھ حال کہین مذکور نہین ہوا ہے۔ شجرۂ نسب سے مولانا کی ایک ہمشیرہ فاطمہ خاتون کا نام بھی معلوم ہوتا ہے اور اسی شجرے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلطان العلما کے بلخ کو ترک کرنے سے قبل ہی فاطمہ خاتون کا عقد ہو چکا تھا، اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ بلخ ہی مین رہ گئی تھین[4]۔

پس حضرت سلطان العلما کی اولاد مین سب سے بڑی ان کی صاحبزادی فاطمہ خاتون تھین، ان کے بعد علاء الدین تھے اور سب سے چھوٹے مولانا جلال الدین تھے، جن کی ذات سے بڑون کا نام بھی صفحہ قرطاس پر باقی رہ گیا۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم و تربیت | حضرت سلطان العلما کے مریدان با اختصاص مین ایک

---

[1] سپہ سالار ص ۱۳ (یورپی تذکرہ نویسون نے بھی یہی سنہ دیا ہے، البتہ اسپرنگر نے ۶۰۳ھ یا ۵۹۲ھ لکھا ہے اور سرگور اوسلی نے اس دوسری روایت (یعنی ۵۹۲ھ) سے اتفاق کیا ہے، ظاہر ہے کہ اسپرنگر اور اوسلی کو اس باب مین صریح مغالطہ ہوا ہے) [2] مناقب العارفین ص ۵، انگریزی تاریخ کی تطبیق مین قدرے اختلاف ہے، براون نے مجملاً موسم خزان ۱۲۰۷ء لکھدیا ہے۔ رڈہاوس نے ۲۹ ستمبر ۱۲۰۷ء لکھا ہے انسائیکلوپیڈیا "برٹیکا" مین ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء مندرج ہے اور یہی تاریخ ڈاکٹر نکلسن نے قرار دی ہے، (دیوان شمس تبریز ص ۱۲ دیباچہ) [3] مناقب ص ۱۳ [4] مناقب ص ۳۰۰ (نسخہ قلمی)

Marfat.com

بڑے پایہ کے بزرگ سید برہان الدینؒ محقق ترمذی تھے (جن کے کچھ حالات فصل دوم مین ملین گے) حضرت سلطان العلماؒ نے آپ ہی کو مولاناؒ کا اتالیق مقرر فرمایا اور ترک بلخ سے کچھ قبل تک یعنی چار پانچ سال کی عمر تک مولاناؒ آپ ہی کے زیر تربیت رہے اور پھر اپنے والدؒ بزرگوار کے انتقال کے بعد منازلِ سلوک بھی آپ ہی کے زیر ہدایت طے فرمائے (جس کا ذکر فصل دوم مین آئے گا)

مولاناؒ کے ایام طفولیت کے بعض واردات و واقعات

موقع کے اعتبار سے مناسب ہوگا کہ مولاناؒ کے ایام طفولیت کے چند فوق العادت واقعات بھی یہان بیان کر دیئے جائین۔

مولاناؒ کی عمر ابھی پانچ سال کی تھی کہ آپ اکثر اوقات اچھل پڑتے اور مضطرب ہو جاتے تھے، اضطراب اس قدر بڑھتا کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد کے مرید آپ کو پکڑ لیتے تھے۔ یہ اثر صور غیبی اور اشکال روحانی کے متمثل ہو کر نظر آنے کا تھا۔[1]

شیخ بدر الدین نقاش الموصلی[2] نے (مولاناؒ کے فرزند) حضرت سلطان ولدؒ سے روایت کی ہے کہ (مولاناؒ کے والد) حضرت بہاء الدینؒ ولد کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک کاغذ ایک صحیفہ میں ملا جس میں درج تھا کہ

مولاناؒ کی عمر ہنوز چھ برس کی تھی کہ ایک جمعہ کو بلخ مین اکابر شہر کے لڑکون کے ساتھ

---

[1] مناقب صفحہ ۴۹ [2] سرگور اوسلی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر اس کا ناقل شیر خان لودی کو بتایا (ص ۱۱۵) مولاناؒ کے سوانح مین تقریباً تمام ہی تذکرون مین یہ روایت منقول ہے، از انجملہ مرآۃ الخیال (ورق ۳۳ ب) مین بھی ہے اور مرآۃ الخیال کے مصنف شیر خان لودی ہین، غالباً اوسلی کا ماخذ یہی ہے، کیونکہ مولاناؒ کے تاریخ انتقال کے نسبت بھی انھون نے وہی غلطی کی ہے جو مرآۃ الخیال مین ہے۔

Marfat.com

کوٹھے پر سیر کر رہے تھے کہ ایک لڑکے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے دوسرے چھت پر کودیں، مولاناؒ نے ہنسکر جواب دیا کہ یہ تو کتے بلی، اور دوسرے جانور بھی کر سکتے ہین. اگر قوت روحانی ہے تو آسمان پر چلو اور منازل ملکوت کی سیر کرو، یہ کہتے ہی نظرون سے غائب ہو گئے لڑکے چلانے لگے. آپ پھر ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ جس وقت مین تم سے باتین کر رہا تھا. سترقبا والون کی ایک جماعت مجھے تمھارے درمیان سے اٹھالے گئی، بروج آسمان اور عجائب عالم روحانی کی سیر کرائی، جب تمھارے چلانے کی آواز پہنچی تو مجھے پھر یہان پہنچا دیا۔[1]

یہ بھی مروی ہے کہ اس سن مین مولاناؒ تیسرے چوتھے روز کھانا کھاتے تھے۔[2]

مولاناؒ کے اتالیق سید برہان الدینؒ محقق ترمذی کا قول ہے کہ مولاناؒ کے بچپن مین مینے بارہا انھین اپنے کندھے پر بٹھا کر عالم ملکوت کی سیر کرائی ہے۔[3]

مولانا کے والدؒ جب بلخ کو ترک کر کے بغداد مین وارد ہوئے اور مدرسہ مستنصریہ مین قیام فرما تھے تو آپ نصف شب مین پانی طلب کیا کرتے تھے، مولاناؒ اٹھکر جاتے دروازہ از خود کھل جاتا اور دجلہ سے پانی لے آتے، واپس آتے تو دروازہ پھر بند ہو جاتا. دربان نے جب بار بار یہ حالت دیکھی، لوگون سے ذکر کیا اور جب اس کا چرچا ہوا تو حضرت بہاالدینؒ ولد کو اس سے انفعال ہوا اور دربان کو نصیحت کی، وہ تائب ہو کر مرید ہو گیا۔[4]

ترک وطن | مولاناؒ کے والد ماجد کا اثر جب زیادہ بڑھا اور آپ کی دعوت و نصیحت کو حد سے

---

[1] مناقب صفحہ ۵۰-۵۱ رڈ ہاوس اور بعض دیگر علماے یورپ نے اس روایت کو خوش اعتقادی اور قبول محال کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے، اس کا تعلق ملکۂ باطنی اور قدرت ولایت کے مبحث عام سے ہے اور اس پر گفتگو کرنا میرے موضوع بلکہ حیطۂ قدرت سے باہر ہے [2] مناقب ص ۵۱ [3] مناقب صفحہ ۵۴ [4] مناقب ص ۱۶-۱۷۔

Marfat.com

زیادہ قبول عام حاصل ہوا اور مریدون کی تعداد بیشمار ہوگئی تو بعض علماے عصر کو رشک ہوتے لگا۔ ان مین امام فخرالدین رازی، قاضی زین قزازی، جمال الدین حصیری وغیرہم کے ایسے علماے جلیل القدر بھی شامل تھے۔ حضرت سلطان العلما اپنے وعظ مین مذہب حکماے یونان کی مذمت فرمایا کرتے کہ "کچھ لوگون نے کتب آسمانی کو پس پشت ڈال رکھا ہی اور فلسفیون کے ازکار رفتہ اقوال کو اپنا مسلک بنا لیا ہے۔ یہ لوگ کیونکر نجات کی امید کر سکتے ہین"[1] اسی طرح ایک روز وعظ مین جب زیادہ جوش مین آئے تو فرمایا کہ

. . . . . اے فخر رازی، اے محمد خوارزم شاہ اور اے مبتدعان دیگر آگاہ ہو جاؤ اور جان لو کہ تم نے لاکھون بار احت دلون کو اور دولتون کو چھوڑ رکھا ہے اور اس قدر روشنی کو دنیا کی ان دو چار تاریکیون نے تمھارے لئے تاریک بنا دیا ہے اور یہ سب کچھ غلبۂ نفس و شہوت کی وجہ سے ہے کہ اس نے تمھین بیکار کر رکھا ہے اور جب بیکار ہوگے ساری برائیان پیدا ہونگی"[2]

غرض، اس طرح کی برملا مذمت سے علمائے ظاہر کے دلون مین آپ کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی مگر چونکہ خود خوارزمشاہ آپ کا نہایت معتقد تھا، ان لوگون کو موقع شکایت کا نہین ملتا تھا، ان کدورتون کا آغاز ۶۰۵ھ[3] سے ہوا اور کئی برس تک صورت حالات اسی طرح جاری رہی۔ اتفاق سے ایک روز سلطان آپ کی زیارت کو آیا تو دیکھا کہ مجمع نہایت کثیر ہے۔ امام رازی سے مخاطب ہوکر کہا کہ کتنا کثیر مجمع ہے، امام صاحب کو موقع ملا آپ نے کہا کہ اگر اس کی تدبیر نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ انتظام سلطنت مین

---

[1] سپہ سالار ص، [2] مناقب ص ۸ و [3] ایضاً (واضح رہے کہ اس سے قریب ہی زمانہ یعنی ۶۰۳ھ مین محمد خوارزمشاہ نے بلخ کو فتح کیا تھا۔)

Marfat.com

خلل واقع ہو جائے اور تدارک مشکل ہو جائے" چونکہ اطراف وجوانب کے ملوک واکابر ومشاہیر زیارت کو آتے ہین اور پایہ تخت مین[1] اجتماع رہا کرتا ہے، ممکن ہے کہ کسی وقت غفلت مین یہ لوگ شورش کر بیٹھین، یہ بات خوارزمشاہ کے دل مین بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تدبیر کرنا چاہئے، امام رازیؒ نے یہ صلاح دی کہ خزانہ اور قلعون کی کنجیان مولاناؒ کے پاس بھیجکر یہ کہلانا چاہئے کہ جمعیت وکثرت تو سب کچھ جناب کو حاصل ہی ہے، میرے پاس امور سلطنت مین سے صرف یہ کنجیان رہگئی ہین، وہ بھی حاضر ہین"

---

[1] یہان ایک اشتباہ کا رفع کر دینا بھی ضروری ہے کہ سپہ سالارؒ[1] اور افلاکی[2] دونون بزرگون نے بلخ کو پایہ تخت لکھا ہے، اور مولانا شبلی[3] مرحوم نے اس موقع پر کچھ ایسی عبارت لکھی ہے جس سے صریحاً نہین مگر ضمناً ایسا ہی مترشح ہوتا ہے کہ بلخ پایہ تخت تھا، سرگور اوسلی نے بھی لکھا ہے کہ "خوارزمشاہ کا دربار اسی شہر بلخ مین تھا"[4] رڈہاوس نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے لیکن فی الاصل بلخ خوارزمشاہیون کا پایہ تخت نہین تھا۔ خوارزم کا پایہ تخت جرجانیہ تھا جو اکثر تاریخون مین جرجانہ، خوارزم اور جرجانیہ خوارزم کے نامون سے ملتا ہے[5]، یہ تقریباً اسی موقع پر واقع ہے جہان اب ارگنج ( ) لکھا ہوتا ہے، اسی سے تھوڑا ہٹکر خیوا تھا اور قدرے تغیر وتبدل کے ساتھ خوارزمیون کا پایہ تخت آخر تک انھین اطراف مین رہا وسیع معنی مین خیوا کو خوارزمشاہیون کا پایہ تخت سمجھنا چاہئے اور خیوا ہی کو خوارزم بھی کہتے تھے۔ انگریزی نقشون مین اس وقت تک تحت اللفظ "خوارزم" لکھا ہوتا ہے[6]۔ اُس زمانہ مین "خوارزم" کا لفظ ملک اور

[1] از اطراف جمع از ملوک واکابر ومشاہیر بزیارت او (سلطان العلماؒ) مجتمع میشوند ودر پایہ تخت اجتماع عظیم میکردند ..... ص ۸ [2] بہاء الدینؒ تمام خلق بلخ را بخود راست کردہ است ..... درین چند روز قصد تخت سلطان خواہد کرد ..... ص ۹ [3] خوارزمشاہ نے ..... خزانہ شاہی اور قلعہ کی کنجیان بہاء الدین کے پاس بھیجدین ..... ص ۳ [4] ص ۱۲ [5] اسم الناحیۃ کبیرۃ عظیمۃ قصبتا الجرجانیہ

(بقیہ حاشیہ بر ص ۴۵)

Marfat.com

یہ روایت سپہ سالار کی ہے[1]، افلاکیؒ نے یہ لکھا ہے کہ خوارزمشاہ نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ "اگر مملکت بلخ کو قبول فرمائین تو آج سے کل ملک وسلطنت وفوج آپ کے اختیار مین ہی، مجھے اجازت دین کہ کسی دوسری جگہ چلا جاؤن کیونکہ ایک ملک مین دو بادشاہ ہونا چاہئے، الحمدُللہ کہ حضرت کو دو دو سلطنتین حاصل ہین، ایک اس جہان کی سلطنت دوسری آخرت کی سلطنت۔ اگر اس جہان کی سلطنت میرے لئے ایثار فرمائین تو اس سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴ کا) پایہ تخت دونون کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ بلخ کو علاء الدین محمد خوارزمشاہ نے ۶۱۰ھ مین فتح کیا تھا، ممکن ہے فتح کے بعد کچھ دنون موکب شاہی وہین فروکش رہا ہو یا گاہ بگاہ بلخ مین قیام رہتا ہو اور اس بنا پر اسے "پایہ تخت" کہدیا ہو، اس کی نظیر خود مولاناؒ کے کلام سے ملتی ہے، چنانچہ اسی خوارزمشاہ نے ۶۰۶ھ مین گورخان قراختائی کو شکست دیکر سمرقند پر قبضہ کر لیا تھا، مولاناؒ نے مثنوی شریف کے دفتر تین بذیل حکایت "شاہ سمرقند و لقلق" سمرقند کو خوارزمشاہ کا پایہ تخت ظاہر کیا ہے، فرماتے ہین ؎ کودل شہ باغم وپرہیز بود ∴ زانکہ خرم شاہ بس خونریز بود، جاے تخت اورسمرقند گزین ∴ بدوزیرے راہی اورا ہمنشین۔ پس اس قسم کے الفاظ پر قطعی تاریخی صحت کے لحاظ سے نظر نہ ڈالنا چاہئے۔ [1] سپہ سالار ص ۷-۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) (یاقوت) [2] خواندامیر نے حملہ چنگیز خان کے موقع پر لکھا ہے کہ "وان زمان جرجانیہ کہ بہترین ولایت آن دیار است وترکان اورا اورگنج گویند دارالملک سلاطین خوارزمشاہی بود . . . . (حبیب السیر جلد ۳ ص ۲۱) لیکن یہ بھی صحیح نہین ہے کہ اورگنج ہی جرجانیہ ہے۔ جرجانیہ کو ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء مین چنگیزخان نے تباہ کر دیا تھا۔ مگر اس کے بعد اسکی رونق پھر قائم ہو گئی تھی ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء مین تیمور نے اسے اس طرح خاک مین ملایا کہ شہر کو نیست ونابود کرکے اس پر کاشت کرا دی۔ بعد مین اسی مقام سے کچھ ہٹکر اورگنج آباد ہوا جو ابتک آباد ہے۔

Marfat.com

دست بردار ہو جائین کہ بہت بڑا احسان ہوگا۔"[1]

(اگرچہ سلسلۂ کلام منقطع ہوتا ہے مگر یہان ایک اہم غلطی کا رفع کر دینا بسا ضروری ہے، مذکورۂ بالا روایت مین امام رازیؒ کا نام جس حیثیت سے آیا ہے وہ محل نظر ہے، سلطان ولدؒ نے اس موقع پر امام رازیؒ یا کسی اور عالم کا نام نہین لیا ہے، افلاکیؒ نے اس واقعہ کو ایسے الفاظ مین بیان کیا ہے جن سے صاف طور پر تو یہ نہین پایا جاتا کہ خاص امام رازیؒ نے خوارزم شاہ کو یہ صلاح دی تھی لیکن عبارت کچھ ایسی ہے کہ امام رازیؒ کو قطعاً خارج از بحث بھی نہین سمجھ سکتے[2]، مگر سپہ سالارؒ نے نہایت قطعی صراحت کے ساتھ امام رازیؒ کا نام لیا ہے، اور مذکورۂ بالا عبارت سپہ سالارؒ ہی کی ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی بغیر کسی تصریح کے بہ تیقن تمام خوارزم شاہ اور امام رازیؒ کا وہی مکالمہ درج کیا ہے[3]۔ جو اوپر مذکور ہوا، لیکن اس موقع پر امام رازیؒ کی موجودگی بلاشبہ غلط ہے۔ امام رازی (ابو عبداللہ بن عمر بن الحسین) سنہ ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء مین متولد ہوے، مجدالدین جیلی سے تحصیل علوم کیا، خوارزم و ماوراء النہر مین برابر سفر کیا اور ان اسفار مین فارسی اور عربی دونون زبانون مین وعظ کہا کرتے تھے، خوارزم اور ماوراء النہر کے علماء سے آپ کے بکثرت اختلافات بھی ہوئے، یہ بھی صحیح ہے کہ "اتصل بخوارزم شاہ و نال عندہٗ اسنی مراتب[4] (یعنی خوارزم شاہ سے ملے اور بلند ترین مرتبہ پر پہنچ گئے) یہ بھی ضرور ہے کہ امام رازیؒ چونکہ علمائے ظاہر مین سے تھے اور

---

[1] مناقب ص ۹ و ۱۰ [2] "ہمانا کہ از سر نفاق اتفاق کردہ بخدمت خوارزم شاہ بتصدیع و تشنیع غلو کردند" (ص ۹) یہان بلحاظ سیاق و سباق عبارت اس صیغہ جمع سے امام رازیؒ خارج نہین ہو سکتے۔

[3] سوانح مولانا روم ص ۳۰۲ [4] حاشیہ الفوائد البہیہ ص ۱۹۲-۱۹۳

Marfat.com

فلسفی بھی تھے، علمائے باطن آپ کے خلاف رہے ہون اور حضرت بہاء الدینؒ ولد نے ان مواقع پر جب امام رازی ماوراء النہر مین رہے ہون آپ پر تعریضات کئے ہون، مولاناؒ کا یہ شعر تو ضرب المثل کی حد کو پہنچ گیا ہے ؎

گر باستد لال کارِ دین بُدے　　فخرِ رازی رازدارِ دین بدے

مگر ان تمام امور کے باوجود حضرت بہاء الدینؒ ولد کے ترک بلخ کے وقت خوارزمشاہ کو آپ کے خلاف اکسانے والے امام رازیؒ نہین ہو سکتے۔ امام رازی اپنے انتقال کے کئی برس قبل ہرات مین سکونت پذیر ہو گئے تھے اور دہین یکم شوال ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء[1] کو انتقال فرمایا، کسی نے تاریخ کہی ہے ؎

امام و عالم و عادل محمد الرازی　　کہ کس ندید و نہ بنید در انظیر و ہمال

بسال شش صد و شش در گزشت شد بہرا　　نماز دیگر اثنین غرۂ شوال

حضرت بہاء الدینؒ ولد نے بلخ کو ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ مین ترک کیا ہے (جیسا آگے چلکر معلوم ہوگا) پس امام رازیؒ کا اس موقع پر موجود ہونا غلط اور قطعاً غلط ہی۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سپہ سالارؒ سے اس موقع پر قدرے تسامح ہو گیا ہے۔

انتباہ طبقات ناصری[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارزمشاہ کے مقربون مین ایک بزرگ سید بہاء الدین رازی تھے اور ۶۱۶ھ تک ان کا موجود ناہی اسی تاریخ سے ثابت ہے، اس سے ایک بہت ہی بعیدی امکان اس کا ہو سکتا ہے کہ شاید خوارزمشاہ کو

---

[1] الفوائد البہیہ کے حاشیہ مین امام رازیؒ کے انتقال کی تاریخ ۶۰۰ھ بھی لکھ گئی ہے۔ مگر یہ محض لغزش قلم ہے۔

[2] صفحہ ۳۳۵ (مطبوعہ کالج پریس کلکتہ، ۱۸۶۴ء)

Marfat.com

ور غلانے والے "سید رازی" رہے ہوں اور زمانہ مابعد مین یہ بدنامی بطفیل ہموطنی "شیخ رازی" کے سر آئی ہو۔

غرض خوارزمشاہ کے پیغام کو سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "سلطان اسلام سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اس ملک فنا کا یہ تمام خزینہ و دفینہ ملک و لشکر بادشاہون کے لائق ہے ہم درویشون کو اس سے کیا سروکار، مین نہایت خوشی سے سفر کرتا ہون کہ بادشاہ اپنے اتباع و احباب کے ساتھ بالاستقلال سلطنت کرے[1]، جمعہ کو وعظ کہکر چلا جاؤن گا"

دوسرے روز مجلس مین فرمایا کہ کل ارادہ روانگی کا ہے جس کو ہم سے ارادت ہو سفر کے لئے طیار ہو جائے۔ کہتے ہین کہ تین سو اونٹ کتابون اور ہمراہیون کے ساز و سامان کے لئے مہیا کئے گئے[2]، اور سپہ سالار نے لکھا ہے کہ آپ کے مریدین و معتقدین مین سے تین سو اصحاب آمادہ سفر ہوئے[3]۔ اہالی بلخ کو جب یہ حال معلوم ہوا، شہر مین ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا۔ خوارزمشاہ سخت متوہم ہوا، پھر قاصد بھیجے اور رات کو خود مع وزیر کے آیا کہ ارادۂ سفر سے باز رکھے مگر آپ نے قبول نہ کیا، آخر یہ استدعا کی کہ آپ اس طرح سے روانہ ہون کہ لوگون کو خبر نہ ہو ورنہ سخت فتنہ برپا ہو جائے گا، سلطان العلما نے اسے منظور کیا، جمعہ کو وعظ کہا اور شنبہ کو بلخ سے بغداد کی طرف روانہ ہو گئے اس وعظ مین خوارزمشاہ کو متنبہ کر دیا کہ میرے بعد لشکر تاتار آ رہا ہے، وہ تمام ملک خراسان پر قابض ہو جائے گا، اہل بلخ کو قتل کریگا، بادشاہ بھاگ کر روم کی طرف جائے گا۔ اور وہان ہلاک ہو جائے گا[4]۔

---

[1] سپہ سالار صفحہ ۹۔ [2] مناقب صفحہ ۱۰۔ [3] سپہ سالار صفحہ ۸۔
[4] سپہ سالار صفحہ ۸۔ [5] مناقب صفحہ ۱۱۔

Marfat.com

سپہ سالار اور افلاکی نے ترک بلخ کی فوری وجہ یہی قرار دی ہے، مگر افلاکی ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس کی رنجشوں کا سلسلہ ۶۰۴ھ سے شروع ہو گیا تھا، اور اس سے قریب ہی زمانہ یعنی ۶۰۳ھ میں خوارزمشاہ نے بلخ کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کیا تھا، (بروایتے) ملک جہاں کا آپکے ساتھ چلا جانا اور فتح بلخ کے بعد ہی، آپسے اختلاف کا ہو جانا، یہ سب امور موید اس کے ہیں کہ خوارزمشاہ تعلقات خاندانی کی بنا پر ضرور آپ کی طرف سے متوہم تھا،

سلطان ولدؒ نے اس باب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے، کہ یہ محض اتفاق و ناگہانی امر نہیں تھا، بلکہ اس میں اشارہ غیبی بھی شامل تھا، اور غالباً یہی وجہ تھی کہ بعد میں خوارزمشاہ کے پشیمان ہونے اور عذر کرنے پر بھی آپنے قیام نہ کیا،

چونکہ از بلخیان بہاء ولدؒ — گشت دل خستہ آں شہِ سرمد
ناگہش از خدا رسید خطاب — کاے یگانہ شہنشہِ اقطاب
چوں ترا ایں گروہ آزردند — دلِ پاکِ ترا ز جا بردند
بدر آ از میانِ ایں اعدا — تا فرستمشان عذاب و بلا
چونکہ از حق چنیں خطاب رسید — رشتۂ خشم را ورا ز تنید
کرد از بلخ عزمِ سوے حجاز — زانکہ شد کار گر در و آں راز

اس موقع پر ایک دوسرے مماثل واقعہ کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا، ممکن ہے کہ اس واقعہ کو بھی اس سے کوئی قریبی یا بعیدی تعلق ہو،، اور ممکن ہے کہ نہ بھی ہو، آگے چل کر یہ معلوم ہوگا کہ بعض روایات کے بموجب حضرت بہاء الدینؒ ولد شیخ نجم الدین کبریٰ

Marfat.com

کے مرید تھے، اور حضرت شیخؒ کے خلیفۂ اکبر حضرت مجدالدینؒ بغدادی تھے، حضرت مجدالدینؒ کو اسی محمد خوارزمشاہ نے محض تہمت کی بنا پر دریا میں غرق کرا دیا تھا، یہ واقعہ بقول اکثر ۶۱۷ھ کا ہے[1]، شیخ کو جب اس کی خبر ہوئی تو سجدے میں گر پڑے، دیر کے بعد سجدے سے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجدالدینؒ کے خون بہا میں سلطان کا ملک اس سے نکال لے، یہ دعا قبول ہوگئی، سلطان بعد کو بہت پشیمان ہوا اور حضرت کی خدمت میں دیت اور شمشیر و کفن لیکر حاضر ہوا، آپنے فرمایا کہ مجدالدینؒ کی دیت تیرا سارا ملک اور تیرا سر ہے، میرا بھی سر جائیگا، اور بھی ہزارہا آدمی قتل ہونگے، اس کے بعد آپنے اپنے مریدوں کو خوارزم سے نکل جانے کے لئے فرمایا، مگر خود وہیں مقیم رہے، تا آنکہ فتنۂ تتار میں شہید ہوئے، چونکہ حضرت بہاء الدینؒ ولد بھی اسی سلسلہ میں داخل تھے، اس لئے ممکن ہے کہ شیخ نجم الدین کا ارشاد بھی آپکے اس عزم کا باعث ہوا ہو،

یہاں اس قدر لکھدینا بے محل نہ ہوگا کہ ملحد کو ترک کر دینے کے بعد بھی حضرت بہاء الدینؒ کا اثر زائل نہیں ہوا تھا، چنانچہ آپنے ایک مرتبہ ملک مغان تکن جد خوارزمشاہ کو قاضی روم کی شفاعت میں (جسے مغان تکن نے قید کر دیا تھا) خط لکھا، اور اس خط کے پہونچنے پر قاضی موصوف کو فوراً رہا کر دیا گیا،

دوسری مرتبہ خود خوارزمشاہ کو ایک مظلوم کی سفارش میں خط لکھا، اور اس کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا[2]،

---

[1] بعضوں نے ۶۱۶ھ اور ۶۱۸ھ تاریخ قرار دی ہے، مگر اتفاقِ عام ۶۱۷ھ ہی پر ہے،

[2] یہ دونوں خط آخری فصل میں نقل کر دیئے گئے ہیں، وہاں دیکھنا چاہیئے،

Marfat.com

مولانا نے بھی مثنوی شریف مین دو تین جگہہ خوارزمشاہ کا ذکر کیا ہے تو اچھے الفاظ مین کیا ہے۔ خوارزمشاہ کی ایک حکایت (دفتر پنجم مین) وہ ہے جب اس نے شہر سبزوار کو فتح کیا اور وہان کے لوگون سے ابوبکر نامی شخص کا مطالبہ کیا، یہان بہ تعین اسم خوارزمشاہ کا ذکر کیا ہے اور "الپ الغ" کے شاندار الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔

شد محمد الپ الغ خوارزمشاہ — در قتال سبزوار پر تباہ

دوسری جگہہ ایک گھوڑے کی خوبی اور خوارزمشاہ کی فریفتگی کا ذکر ہے۔ یہان "شاہ فرد" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

بد امیرے را یکے اسپ گزین — در گلہ سلطان نبود ش ہمقرین

او سوارہ گشت در موکب یگاہ — ناگہان دید اسپ را خوارزمشاہ

چون دمے حیران شد از وے شاہ فرد — روے با سوے عماد الملک[1] کرد

اسی دفتر ششم مین ایک اور حکایت ملک ترمذ کی ہے، وہان ضمناً خوارزمشاہ کا ذکر آگیا ہے اور موقع کے اعتبار سے سخت لفظ استعمال فرمایا ہے مگر اس سے فی الجملہ مذمت مترشح نہین ہوتی۔

کہ دلِ شاہ با غم و پرہیز بود — زانکہ خرم شاہ بس خونریز بود

جاے تختِ او سمرقندِ گزین — بد وزیرے داہی[2] او را ہمنشین

---

[1] عماد الملک کا خطاب مختلف زمانون مین متعدد افراد کو حاصل رہا ہے اور طبقات ناصری (ص ۳۲۵) مین بذیل حالات فتنہ تتار منقول ہے کہ "عماد الملک تاج الدین امیر کے از ارکان خوارزمشاہی بود" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد خوارزمشاہ کے مقربین مین بھی ایک عماد الملک داخل تھے۔ [2] داہی کا لفظ اگرچہ لغۃً زیرک و کاروان کے معنی مین ہے مگر استعمالاً کچھ خراب مفہوم کو لئے ہوے ہے اور اس مین شک نہین کہ

Marfat.com

بس شہانِ آنطرف را کشتہ بود یا بجیلت یا بسطوت "آن عنود"

بلخ سے روانگی کی قطعی تاریخ کسی مشرقی تذکرہ نویس نے نہین دی ہے، افلاکی کا یہ بیان اوپر نقل ہو چکا ہے کہ بلخ سے روانگی کے وقت مولانا کی عمر پانچ سال کی تھی، مگر خود افلاکی ہی نے آگے چلکر یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ بدرالدین نقاش (المولوی) کی روایت ہے کہ مین نے حضرت سلطان ولد سے سنا ہے کہ حضرت بہاءالدین (مولوی بزرگ) کے خط مبارک مین ایک تحریر ایک صحیفہ مین ملی جس مین مرقوم تھا کہ "جلال الدین محمد من در بلخ شش سالہ بود ....." اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۶۱۱ھ مین مولانا بلخ ہی مین تھے غالباً یہ سفر آغاز ۶۱۱ھ یا زیادہ سے زیادہ اواخر ۶۱۰ھ مین شروع ہوا ہوگا، لیکن اکثر علماے مغرب نے بلخ سے روانگی کی تاریخ ۶۰۹ھ مین متعین کی ہے[۵۲]، اور افلاکی کی روایت اول کے مطابق اسے تسلیم کرنے مین کوئی دقت نہین ہے۔

تعظیم و تکریم | بہرحال حضرت سلطان العلما بلخ سے اس شان کے ساتھ روانہ ہوے کہ جس شہر کے قریب پہنچتے تھے وہان کے عاظم و اکابر شہر سے باہر نکلکر استقبال کرتے اور

(بقیہ حاشیہ ص ۵۱) محمد خوارزمشاہ کا وزیر عمیدالدین اچھا شخص نہین تھا، اور آخر مین اس نے اپنے آقا سے بھی در پردہ غداری کی۔ [۵۱] مناقب ص ۵۰ [۵۲] سرگور اوسلی و ہنفیلڈ، تقریباً ۱۲۱۱ء "انسائیکلو پیڈیا برٹینکا" ۱۲۱۲ء "فہرست کتبخانہ بانکی پور" ۱۲۱۲ء، مگر ان سب سے جداگانہ خیال انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" مین ظاہر کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت بہاءالدین ولد نے ۱۲۱۰ء مین بلخ کو ترک کر دیا تھا۔ اور یہی سنہ ڈاکٹر نکلسن نے (دیوان شمس تبریز ض، ۱ دیباچہ) دیا ہے مگر یہ کسی طرح قابل قبول نہین ہے۔ رڈہاوس نے ۱۲۰۸ء اور ۱۲۱۱ء کے درمیان قرار دیا ہے (دیباچہ ص ۸) ان مین سے پہلا سنہ تو بالکل غلط ہے اور دوسرا بہت کچھ محلِ تامل مین ہے۔

Marfat.com

نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر مین لاتے تھے، افلاکیؒ کا قول ہے کہ جن جن مقامات سے آپ کا گزر ہوتا تھا وہان کے لوگ پہلے سے حضرت رسول اللہ صلعم کو خواب مین دیکھتے تھے کہ آپ فرماتے ہین کہ سلطان العلما بہاء الدینؒ ولد بلخ سے آرہے ہین برغبت تمام اور اعتقاد تمام ان کا استقبال کرو[1]۔ اس مین شک نہین کہ حضرت سلطانؒ العلما کی شہرت ایسی تھی کہ آپ کے پہنچنے سے قبل ہی لوگون کو خبر ہو جاتی ہوگی اور آپکے ورود مسعود کو لوگ غنیمت سمجھتے ہونگے، اکثر مقامات پر لوگون کے التماس سے حضرت بہاء الدینؒ اپنے اصحاب مین سے کسی نہ کسی شخص کو اپنے قایم مقام کے طور پر چھوڑ جاتے تھے[2]۔

ورود نیشاپور و ملاقات شیخ فرید الدین عطار

جب آپ شہر بہ شہر قیام کرتے ہوے نیشاپور مین پہنچے تو وہان فرید الدینؒ عطار سے ملاقی ہوے[3]۔ شیخؒ نے مولانا (جلال الدین) کو دیکھکر آپ کے آیندہ عظمت و جلال کی پیشین گوئی کر دی اور اپنی کتاب "اسرار نامہ"[4] آپ کو عنایت فرمائی۔ مولانا آخر تک اس کتاب کو بہت عزیز رکھتے تھے[5]۔

---

[1] مناقب ص ۱۲ [2] سپہ سالار ص ۸ [3] شیخ کے حالات حصہ دوم مین زیر عنوان "مولانا کی غزل کا مقابلہ دوسرے شعرا کی غزلون سے" دیکھنا چاہیے۔ [4] بعض انگریزی کتابون مین "الٰہی نامہ" لکھا ہے ..... مگر تمام مشرقی تذکرون مین "اسرار نامہ" ہی ہے۔ [5] حضرت سلطان ولد، سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے اس ملاقات کا حال درج نہین کیا ہے مگر بعد کے تمام تذکرہ نویسون نے بلا استثنا اسے لکھا ہے۔ اس وقت قطعی طور پر یہ پتہ نہ چل سکا کہ اسکی ابتدا کس کتاب سے ہوئی مگر جو کتابین ہمارے دست بیش نظر ہین ان مین قدیم ترین کتاب نفحات الانس (تصنیف ۸۸۱ھ) ہے اس مین "گویند" کی قید کے ساتھ یہ روایت درج ہے، علماے مغرب نے بھی بالاتفاق اسکا ذکر کیا ہے مگر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام نے اسے کچھ دوسرے ہی طریق پر لکھا ہے کہ مولانا جلال الدینؒ جب تین برس کے تھے (یعنی ۲۰۷ھ مین) تو آپ کے والد آپ کو نیشاپور لیگئے

Marfat.com

ورود بغداد نیشاپور سے چلکر بغداد پہنچے، جب حوالی شہر مین پہنچے تو می فیطن شہر نے آگے بڑھکر دریافت کیا کہ کون لوگ ہین اور کہان سے آرہے ہین، حضرت سلطان العلما نے جواب دیا کہ "من اللہ والی اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ" از لامکان می آیم وبلا مکان می رویم[1]، خلیفہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ قول حضرت بہاء الدین ولد کے سوا اور کسی کا نہین ہوسکتا، شیخ نے خود بڑھکر استقبال کیا اور چاہا کہ آپ کی خانقاہ مین ٹھہرین مگر مولانا بہاء الدین نے فرمایا کہ ایسے طلبہ کے لئے مدرسہ ہی مناسب ہے، اور مدرسہ مستنصریہ مین قیام فرمایا، خلیفہ نے تین ہزار دینار ہدیۃً بھیجے مگر آپ نے قبول نہ کئے، نہ خلیفہ سے ملاقات کی، البتہ شیخ کے کہنے سے جمعہ کے روز وعظ فرمایا، خلیفہ بھی مجلس مین موجود تھا، آپ نے خلیفہ کے خلاف شرع افعال کی بہت کچھ مذمت فرمائی اور اسی وعظ مین مغلون کے ہاتھون سے بغداد کے غارت ہونے اور خلیفہ کے شہید ہونے کی پیشگوئی کردی[2]۔

(حضرت سلطان العلما اغلباً ۶۱۱ھ مین بغداد مین تشریف لائے ہونگے، یہ زمانہ خلیفہ ..

الناصر لدین اللہ کا تھا جو ۵۷۵ھ/۱۱۸۰ء سے ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء تک حکمران رہا، اس کا زمانہ بہت ہی امن کا زمانہ

تھا اور وہ خود نہایت شجاع و باہمت، رعایا پرور اور مدبر فرمانروا تھا، افلاکی نے حضرت بہاء الدین

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳) اور شیخ فرید الدین عطار سے ملا یا ترک بلخ کا ذکر اس کے بعد کیا ہے کہ اس زمانہ مین ....!!

سرگورا وسلی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھدیا ہے کہ "شیخ فرید الدین عطار نے آگے بڑھکر آپ کا استقبا کیا اور نہایت تکریم و تعظیم سے اپنے مکان مین ٹھہرایا (ص ۱۱) تقریباً یہی مفہوم ڈاکٹر نکلسن کا بھی ہے، (دیوان شمس تبریز ص ۱، دیباچہ) براؤن نے ورود نیشاپور کی تاریخ ۱۲۱۲ء دی ہے مگر یہ انکا قیاس ہے، کوئی سند نہین ہے۔

[1] مناقب العارفین ص ۱۴-۱۵ [2] سپہ سالار ص ۸ [3] مناقب العارفین ص ۱۴-۱۵

Marfat.com

کی زبان سے اس کے خلاف شرع اور ظالم ہونے کی جو کیفیت نقل کی ہے وہ تاریخون کے بیان سے خلاف واقع معلوم ہوتی ہے نیز یہ کہ بقول افلاکیؒ حضرت سلطان العلماؒ نے تاتاریون کے ہاتھ سے اس خلیفہ کے ہلاک ہونے کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ بھی صحیح نہین۔ ناصر کا انتقال ۶۲۲ھ مین ہوا، اس کے بعد ظاہر، مستنصر اور مستعصم خلیفہ رہے اور مستعصم ۶۵۶ھ مین ۱۲۵۸ء تاتاریون کے ہاتھون سے شہید ہوا، البتہ تاتاریون کے خروج کی پیشین گوئی صحیح تھی، کیونکہ ۶۱۶ھ مین یہ فتنہ شروع ہوگیا اور ناصر ہی کے عہد مین انتہا کو پہنچ چکا تھا، بغداد اگرچہ بچا رہا مگر دیگر ممالک اسلام کی تباہی و بربادی ناصر ہی کے زمانہ مین ہوئی۔)

قیام بغداد | صحیح طور پر نہین معلوم ہوتا کہ بغداد مین قیام کتنے دنون رہا، مگر سپہ سالارؒ نے یہ لکھا ہے کہ ایک مہینے تک بسم اللہ کی تفسیر بیان فرماتے رہے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان قیام کچھ زیادہ دنون تک رہا، افلاکیؒ نے مذکورۂ بالا مجلس کے حالات درج کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "منقول انیست کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد روز سوم از راہ کوفہ بسوے کعبہ عزیمت نمود" غالباً اس سے مقصود یہی ہے کہ وعظ کے تیسرے روز وہان سے روانہ ہوے۔ افلاکیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہنوز آپ بغداد ہی مین تھے کہ بلخ کی تباہی کی خبر خلیفہ کے پاس پہنچ گئی تھی[2]۔ اور

---

[1] سپہ سالار ص ۸۔ [2] مناقب ص ۱۰۔ روڈ ہاؤس نے جہان اس روایت کا ترجمہ دیا ہے وہان (ص ۵) اپنی طرف سے توسین بن ۶۰۸ھ مطابق ۱۲۱۱ء) بڑھا دیا ہے اور ڈاکٹر نکلسن نے بھی اسی کی توثیق کی ہے (دیوان شمس تبریز ص ۱، دیباچہ) وہنفیلڈ نے بلاتعین تاریخ یہ لکھا ہے کہ "جب یہ لوگ بغداد پہنچے تو چنگیز خان کے ہاتھون بلخ کے تباہ ہونیکی خبر سنی" (ص ۳۹۰-۴۰ دیباچہ) روڈ ہاؤس نے اپنے دیباچہ مین لکھا ہے کہ چنگیز خان نے ۱۲۱۱ء مین خوارزمشاہیون کا تختہ الٹ دیا اور ان کے پایہ تخت بلخ کو تباہ کر دیا" (ص ۸ دیباچہ) مگر یہ بھی غلط ہے، اول تو چنگیز خان کا حملہ ۶۱۲ھ کے قبل شروع نہین ہوا، دوسرے بلخ خوارزمشاہیون کا پایہ تخت نہین تھا۔

Marfat.com

"فیہ مافیہ" مین بھی ہے کہ" درِ راہ خبر باو رسید کہ لشکر تتار قصد بلخ کردند وقتل وخرابی بسیار واقع شد وابالی آن متفرق شدند"[۵۱] مگر بروایت متفقہ بلخ کو چنگیز خان نے ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء مین تباہ کیا ہے، اور افلاکی ہی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مولانا لارندہ مین تھے۔[۵۲]

اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہاء الدین ہنوز اثنائے سفر مین تھے کہ خراسان پر مغلون کی فوجکشی شروع ہوگئی تھی۔ اس فوجکشی کا آغاز ۶۱۶ھ مین ہوا ہے۔ پس سلطان ولد کی مراد سفر سے یہی ہوگی کہ اس وقت تک قونیہ مین مستقل قیام نہیں ہوا تھا۔

حج وزیارت | غرض، بغداد سے براہ کوفہ مکہ معظمہ کو روانہ ہوے یا نہین، مگر "فیہ مافیہ" مین صاف لکھا ہے کہ "القصہ مولانا بہاؤ الدین بعد از گزاردن حج متوجہ روم شدند"[۵۳] جس سے معلوم ہوا کہ مولانا کو بچپن ہی مین دولت حج کی سعادت نصیب ہوگئی تھی، بعد فراغ حج حجاز سے گزرتا ہوا یہ قافلہ دمشق پہنچا، راستہ مین مدینہ منورہ کے قیام کو ایک نتیجۂ لازمی سمجھ لینا چاہئے۔ دمشق مین اس وقت الملک العادل سیف الدین ابوبکر ایوبی (۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء - ۶۱۵ھ / ۱۲۱۸ء) برادر سلطان صلاح الدین حکمران تھا۔ اہل شام نے بہت چاہا کہ مولانا بہاء الدین وہان قیام فرمائین مگر آپ رضامند نہ ہوئے اور شہر بشہر سفر کرتے ہوے ملاطیہ پہنچے اور غالباً ۶۱۴ھ مین ملاطیہ مین تھے۔

ورود وانتشہر | یہ قافلہ جب ملاطیہ سے روانہ ہوکر آذربیجان سے گزر رہا تھا تو اکثر ہمراہیون نے چاہا کہ آذربیجان مین قیام کرین مگر مولانائے بزرگ نے شہر مین جانا پسند نہ کیا۔[۵۴] جب

---

[۵۱] صفحہ ۳ [۵۲] مناقب ص ۱۸ [۵۳] ص ۳ [۵۴] غالباً اس کا سبب وہ فتنہ تھا جو خوارزمشاہ کی وجہ سے اس نواح مین برپا ہوگیا تھا، خوارزمشاہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھاگتا پھرتا تھا اور معول اس کے تعاقب مین تھے، اس وقت چنگیز خان وفات پاچکا تھا اور اس کا فرزند اوقتائی خان اس کی جگہ خان ہوا تھا، خوارزمشاہ نے اس سے بھاگ کر آذربیجان کا رخ کیا اور یہ ملک بھی فتنہ وفساد سے بھر گیا۔

Marfat.com

عصمت خاتون (ملکہ ملک فخرالدین دالی آذربیجان) کو یہ خبر ہوئی کہ مولانا بہاء الدین حوالی شہر سے گزر رہے ہین تو وہ خود آپ کے عقب مین روانہ ہوئی اور آقشہر کے قریب آپ سے ملاقی ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ملک فخرالدین بھی پہنچ گیا، ان دونون نے بہت چاہا کہ آپ شہر مین چلین مگر آپ راضی نہ ہوے۔ آخر آپ نے یہ خواہش کی کہ اسی قصبہ مین ایک مدرسہ آپ کیلیے بنادیا جائے۔ چنانچہ آقشہر واقع آذربیجان مین آپ کے لئے ایک مدرسہ بنادیا گیا، آپ نے چار برس[1] وہان قیام فرمایا اور درس و تدریس مین مشغول رہے، چار برس کی مدت افلاکی نے لکھی ہے مگر سپہ سالار نے[2] آقشہر کے قیام کی مدت کم و بیش ایک برس قرار دی ہے مگر آگے کی تاریخون کے ملانے سے افلاکی کی روایت اصح معلوم ہوتی ہے۔

ورود لارندہ | جب ملک فخرالدین اور عصمت خاتون کا انتقال ہوگیا تو حضرت سلطان العلماء آقشہر سے شہر لارندہ مین تشریف لائے۔ لارندہ توابع تونیہ سے تھا۔ یہان امیر موسی نائب سلطان علاءالدین نے آپ کا خیر مقدم کیا، امیر نے اپنے مکان مین ٹھہرانا چاہا مگر آپنے منظور نہ فرمایا اور یہان بھی آپ کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کیا گیا۔ کم و بیش سات برس یہان قیام رہا۔

حضرت سلطان العلما کے لارندہ پہنچنے سے کچھ قبل یا بعد سمرقند کے ایک نہایت معزز و موقر شخص خواجہ شرف الدین سمرقندی بھی (غالباً فتنہ مغول کی وجہ سے) ترک وطن کر کے لارندہ مین آگیے تھے۔ خواجہ سمرقند کے بہت بڑے مالدار اشخاص مین تھے حشمت وجاہ مین بھی پایہ بلند رکھتے تھے۔ ان کی زوجہ گرامی خاتون بزرگ بھی بڑی دیندار بیوی تھین[3]

---

[1] مناقب العارفین ص ۱۷ و ۱۸، [2] سپہ سالار ص ۹ و [3] مناقب العارفین ص ۴۰۴ (نسخہ قلمی) (مناقب یہان مین

Marfat.com

افلاکیؒ نے خواجہ کے نسب لکھا ہے کہ "مردے بود معتبر کریم الاصل و شریف"[1] حضرت سلطان العلماؒ اور خواجہ شرف الدینؒ دونون کو اس غریب الوطنی مین ہموطنی کا لطف حاصل ہوا ہوگا اس مودت باہمی نے ترقی کرکے مواصلت کی صورت پیدا کردی. خواجہ کے ایک لڑکی گوہر خاتون نامی تھین، وہ ابھی خوردسال ہی تھین کہ حضرت سلطان العلماؒ کی خواہش پر خواجہ نے ان کی نسبت مولانا جلال الدین سے کردی[2] اور کچھ زمانہ بعد لارندہ ہی مین گوہر خاتون سے مولاناؒ کا عقد ہوگیا[3]۔ اس وقت مولانا کی عمر سترہ[4] یا اٹھارہ[5] برس کی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ص، ۵ کا) ایک روایت اور ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کرائے خاتون بزرگ، خواجہ شرف الدین کے انتقال کے بعد تنہا روم کو گئین اور وہان سلطان العلماؒ کی مرید ہوگئی تھین. مگر اول تو خود مناقب مین یہ روایت سب کے ساتھ درج ہے، دوسرے عبارت مذکورۂ بالا سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ قرینہ قوی یہ ہے کہ لارندہ مین جب خواجہ اشرف الدین کا انتقال ہوگیا ہے اسوقت کرائے خاتون قونیہ چلی گئین اور یہ صورت غالباً حضرت سلطان العلماؒ کی رحلت کے بعد پیش آئی کیونکہ حضرت سلطان العلماؒ کے انتقال کے بعد مولاناؒ خود لارندہ مین جاکر کچھ دنون مقیم رہے تھے اور آپ کا ایسا کرنا اسی وجہ سے ہوا ہوگا کہ آپ کے سسرالی رشتہ دار لارندہ مین موجود تھے۔ کرائے خاتون بزرگ کا قونیہ مین مولانا کے دبان فرد کش ہونا متعدد روایتون سے ثابت ہے اور سلطان ولدؒ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ (سلطان ولدؒ) دمشق مین تحصیل علوم مین مشغول تھے اسوقت قونیہ مین کرائے خاتون بزرگ کا انتقال ہوا ہے

واضح رہے کہ ان کو کرائے خاتون بزرگ اس وجہ سے کہتے تھے کہ مولاناؒ کی دوسری زوجہ محترمہ کا نام بھی کرائے خاتون تھا۔) [1] مناقب ص ۱۸ [2] ایضاً [3] یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ مناقب العارفین ص ۱۸ پر ہے مگر اہل یورپ کی تشکیک پسند طبیعت کے لیے کہین نہ کہین سے کوئی مواد ہاتھ آجاتا ہے، ص ۹، ۱ پر سلطان ولدؒ کی زبانی ایک مختصر روایت اسی باب مین اور ہے جس کا

Marfat.com

یعنی یہ عقد ۶۲۱ھ یا زیادہ سے زیادہ ۶۲۲ھ مین ہوا۔

ان ہی گوہر خاتون کے بطن سے ۶۲۳ھ[1] مین مولاناؒ کے خلف صدق سلطان ولدؒ متولد ہوے اور اس کے بعد دوسرے فرزند علاء الدین بھی لارندہ ہی مین پیدا ہوے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۸) ترجمہ رڈ ہاؤس نے یون کیا ہے کہ "سلطان نے میرے دادا کو قونیہ میں بلایا، پھر . . امیر موسی نے انھین لارندہ مین بلایا اور میرے والد کو اپنا داماد بنایا" یہان منجملہ دیگر شبہات کے ایک شبہ یہ وارد کیا ہے کہ اس سے قبل مولاناؒ کی زوجہ گوہر خاتون کو خواجہ شرف الدین سمرقندی کی بیٹی بتایا گیا ہے۔ کیا شرف الدین موسی کا لقب تھا؟ یا مولاناؒ نے لارندہ مین دو شادیان کی تھین؟ مگر یہ سارے شبہات صرف اس عبارت کے غلط ترجمے سے پیدا ہوے کہ "حضرت پدرم را داماد کردند" جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ "وہان میرے والدؒ کی شادی ہوئی" [4] مناقب ص ۳۳ [5] ایضاً ص ۱۸

[1] ۶۲۳ھ سے یورپی علما کو سخت مغالطہ ہوا ہے، ان لوگون نے اسے مولاناؒ کے عقد کا سنہ قرار دیدیا ہے حالانکہ صاحب مناقب العارفین کا منشا اس سے سلطان ولدؒ کے تولد کا سنہ ہے۔

("حضرت سلطان ولدؒ از آن خاتون در وجود آمد در سنہ ثلاث وعشرین وستہ مایۃ" نفحات الانس مین اسے پوری طرح صاف کر دیا ہے" در لارندہ خدمت مولانا جلال الدینؒ، اور سن ہزدہ سالگی کدخدا ساختند و در سنہ ثلث عشرین وستمایۃ سلطان ولدؒ متولد شد۔ ص ۲۹۸) پس جب ۶۲۳ھ مین سلطان ولد متولد ہوے (اور سلطان ولدؒ کی ولادت کا یہ سنہ متفق علیہ ہے) تو ظاہر ہے کہ عقد اس سے بھی . . . دو برس قبل ہوا ہوگا۔

اس غلطی کی بنیاد رڈ ہاؤس نے رکھی اور وہ بھی بناء الباطل علی الباطل۔ لکھتے ہین کہ "بلخ چھوڑنے کے وقت اگر مولاناؒ کی عمر پانچ برس کی تھی تو ضرور ہے کہ آپ ۱۲۰۴ء یا ۱۲۰۵ھ مین پیدا ہوے ہون اور اس لئے ۱۲۲۶ھ مین آپ کی عمر اکیس یا بائیس برس کی رہی ہوگی (یہ تفریض اس ضرورت سے ہے کہ رڈ ہاؤس نے قرار دے لیا ہے کہ مولاناؒ نے ۱۲۰۸ھ یا اس کے بعد ہی بلخ کو ترک کیا ہے، مگر اسکی کوئی

Marfat.com

ورود قونیہ جس زمانہ مین حضرت سلطان العلماؒ بغداد مین قیام فرما تھے علاء الدین کیقباد (سلطان روم[1]) کی طرف سے کچھ لوگ وہان آئے ہوے تھے، وہ آپ کی عظمت

(بقیہ حاشیہ ص ۵۹ کا) دلیل نہین ہے)۔ ڈاکٹر براؤن نے اس بارے مین جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ عجیب مجمع الافاضلا بن گیا ہے، ان کا بیان ہے کہ "مولانا جلال الدینؒ نے تقریباً اکیس برس کی عمر مین بمقام لارندہ لالا شرف الدین سمرقندی کی دختر گوہر خاتون سے عقد کیا، گوہر خاتون کے بطن سے دو لڑکے علاء الدین اور بہاء الدین۔ (سلطان ولدؒ) ہوے ..... سلطان ولدؒ ۱۲۲۶ء مین پیدا ہوے، (ص ۵۱۵-۱۶) ہ دو لڑکون کی پیدائش کے لئے بدرجہ اقل تین برس کا زمانہ تو رکھنا چاہئے بس اس اعتبار سے مولاناؒ کا عقد ۱۲۲۳ء مین ہوا ہوگا، اور اگر عقد کے وقت آپ کی عمر اکیس برس کی تھی تو آپ کی ولادت ۱۲۰۳ء کی ہونا چاہئے مگر ڈاکٹر صاحب خود اس سے قبل ہی لکھ چکے ہین کہ مولاناؒ کی ولادت موسم خزان ۱۲۰۷ء مین ہوئی تھی، اس شمار سے مولاناؒ کی عمر اواخر ۱۲۲۹ء مین اکیس برس کی ہوگی نہ کہ ۱۲۲۶ء۔

[1] سلاجقہ روم مین سے جس بادشاہ کا ذکر مولاناؒ کے سوانح کے تعلق مین سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہ بھی علاء الدین کیقباد ہے جو اس سلسلہ کا دسواں اور سب سے زیادہ جلیل القدر فرمانروا تھا اسی کے دور حکومت مین مولاناؒ قونیہ مین وارد ہوے، غیاث الدین اور رکن الدین کا ذکر بھی آیا ہے، مگر بہت زیادہ کثرت کے ساتھ رکن الدین کے وزیر معین الدین سلیمان پروانہ کا ذکر ہوا ہے۔ چونکہ مختلف مواقع اور مختلف اعتبارات سے اس سلطنت اور اس کے فرمانرواؤن کا تذکرہ ہوا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ (شاہان خوارزم کی طرح) نہایت اختصار کے ساتھ اول سے آخر تک سلاجقۂ روم کی کیفیت بھی یکجا درج کر دیجائے۔ چنانچہ لاحقہ (۲) مین ان کے کوائف مختصراً درج کر دئے گئے ہین، حسب ضرورت اس لاحقہ کو دیکھنا چاہئے۔

Marfat.com

وشان کو دیکھکر مرید ہوگئے تھے، واپس جاکر سلطان سے حالات بیان کئے، سلطان غائبانہ آپ کا معتقد ہوگیا اور اس آرزو مین رہتا تھا کہ ملاقات صوری بھی نصیب ہو پس جب سلطان کو معلوم ہوا کہ امیر موسیٰ نے سلطان العلما کو لارندہ مین روک رکھا ہے اور سلطان سے اطلاع تک نہین کی ہے تو وہ سخت رنجیدہ ہوا اور امیر موسیٰ کے نام تہدیدی فرمان بھیجا، امیر موسیٰ فرمان کو دیکھکر بہت پریشان ہوا اور سلطان العلما کی خدمت مین حاضر ہو کل حالات عرض کئے کیونکہ خود آپ ہی امیر موسی کو اس اطلاع سے روکتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ سلطان شراب پیتا اور چنگ سنتا تھا۔ اور اس وجہ سے حضرت سلطان العلما اس سے ملنا نہین چاہتے تھے، جب امیر موسیٰ کے نام سلطان کا فرمان آیا اس وقت حضرت سلطان العلما نے فرمایا کہ فوراً ہی بے تحاشا روانہ ہوجاؤ اور سلطان سے کل حالات بیان کردو، سلطان نے حالات سنکر عہد کیا کہ اگر حضرت بہاء الدین ولد قونیہ مین تشریف لائین اور یہین مستقلاً قیام کرین تو مین آئندہ شراب پیون گا نہ چنگ سنون گا۔

سلطان کے اس خیال کے معلوم ہونیکے بعد سلطان العلما قونیہ کی طرف روانہ ہوئے[1] سلطان نے خود استقبال کیا۔ محل کے قریب پہنچکر گھوڑے سے اتر پڑا، سلطان العلما جس قدر منع فرماتے، سلطان اور زیادہ فروتنی کرتا، سلطان کی اس ارادت کا اثر آپ کے دل پر بھی ہوا اور خود آپ بھی گاہ بگاہ سلطان کے پاس جایا کرتے تھے، سلطان نے چاہا کہ محل شاہی مین قیام فرمائین مگر آپ نے اسے منظور نہ کیا اور مدرسہ التونیان مین قیام فرمایا، سلطان نے نذور و تحایف بہت کچھ پیش کئے مگر حضرت سلطان العلما نے کچھ بھی قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میرے پاس بقدر کفایت مال موجود ہے۔ مجھے حاجت نہین، اس اثنا مین دو جوان آپکے

---

[1] از ہمہ ملک روم قونیہ را برگزید و مقیم شد آنجا (ر باب نامہ)

Marfat.com

مرید ہوے، ایک جنازہ تھا دوسرا قصاب، آپنے دونون کو ہزار ہزار دینار دیئے کہ درویشون کے لئے ہمیشہ سامان خورد و نوش مہیا رکھین۔

سلطان اس وقت تک کسی کا مرید نہین ہوا تھا، وہ خود مع اکثر امرا کے آپ کا مرید ہوگیا۔

مگر سلطان ولدؒ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قونیہ مین ورود کے کچھ زمانہ بعد جب اکثر اہل قونیہ سلطان العلماؒ کے معتقد و مرید ہوچکے تھے، اس وقت سلطان آپ کا مرید ہوا۔ ؎

همه بردند از و ولایتها — همه کردند از و روایتها
چند روزے برین نسق چون گزشت — که دمه مرد و زن مریدش گشت
بعد ازان علاے دین سلطان — ز اعتقادِ تمام بامیران
آمدند و زیارتش کردند — قندِ پندِ در از جان خوردند
گشت سلطان علاء دین چون مرید — روے او را بعشق و صدق مزید
چونکه وعظش شنید گشت حیران — کرد او را مقام در دل و جان
دید بسیار از کرامتها — یافت یا خویش از وعلامتها[1]

سنہ ورود قونیہ | حضرت بہاء الدینؒ ولد نے قونیہ مین دو برس قیام کے بعد انتقال

---

[1] "فیہ ما فیہ" (صفحہ ۲) سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے، اور اس سے افلاکیؒ کی روایت کی تنقیص نہین ہوتی۔ سلطان کا حضرت بہاء الدینؒ ولد کا استقبال کرنا اور خدمتگذاری مین مشغول ہونا مستلزم اس کا نہین تھا، کہ وہ فوراً مرید بھی ہوگیا ہو۔

Marfat.com

فرمایا ہے اور آپ کا انتقال ۶۲۸ھ مین ہوا ہے اس لئے قونیہ مین ورود ۶۲۶ھ مین ہوا ہوگا۔[1]

اس طرح بلخ کو ترک کرنے اور جدید وطن اختیار کرنے کے درمیان کم وبیش پندرہ برس کا زمانہ گزرا، اس تمام مدت مین مولاناؒ ہمیشہ اپنے والدؒ کے ہمراہ رہے اور علوم ظاہری

---

[1] مولاناؒ کی عمر اس وقت بائیس برس کی ہو چکی تھی مگر مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ "۱۰- یا ۱۹ برس کی عمر مین جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اپنے والد کے ساتھ قونیہ مین آئے" (سوانح مولانا روم ص ۶) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بہاء الدین ۶۲۲ھ یا ۶۲۳ھ مین قونیہ مین وارد ہوئے لیکن خود مصنف موصوف کی عبارت ہی سے اس کا بطلان ہوتا ہے. صفحہ (۵) پر تحریر ہے کہ "آذربیجان سے لارندہ کا رخ کیا یہان سات برس تک قیام رہا، اس وقت مولانا روم کی عمر ۱۸ برس کی تھی. بہاء الدینؒ ولد نے اسی سن مین شادی کر دی، مولاناؒ کے فرزند رشید ۶۲۳ھ مین یہین پیدا ہوئے" پس ۶۲۲ھ مین قونیہ مین آکر سکونت پذیر ہونا کیونکر ہو سکا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین بھی یہ لکھا گیا ہے کہ "۱۲۲۶ء یا ۱۲۲۷ء (یعنی ۶۲۳ھ یا ۶۲۴ھ) مین باستقلال قونیہ قیام کیا" مگر یہ بھی صحیح نہین ہے۔

مناقب العارفین مین ایک روایت سلطان ولدؒ کی زبانی یہ بھی ہے کہ جب سلطان نے میرے دادا کو قونیہ مین بلایا اس کے ایک سال بعد امیر موسی نے انھین لارندہ مین بلایا. وہین میرے والدؒ نے شادی کی اور مین وہین پیدا ہوا (ص ۱۷۹)" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے حضرت بہاء الدینؒ کو قونیہ آنے کی دعوت بہت قبل دی تھی مگر واقعتاً آپ ۶۲۶ھ مین قونیہ مین آکر سکونت پذیر رہے۔ اور اس کی توثیق اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ سلطان کو جب یہ معلوم ہوا کہ امیر موسی نے حضرت بہاء الدینؒ کو لارندہ مین روک رکھا ہے تو وہ امیر موسی سے ناخوش ہوا۔

Marfat.com

و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے۔ اس دوران مین آپ نے عقد بھی کیا۔ آپ کے اولاد بھی ہوئی اور بائیس برس کے سن مین آپ اس شہر مین وارد ہوے جو آئندہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

سلطان کا اتالیق امیر بدرالدین گھرتاش المعروف بہ "وژدار"[1] نہایت متمول اور صاحب خیر امیر تھا، ایک روز سلطان العلما مسجد سلطانی مین وعظ فرما رہے تھے، امیر بدرالدین کے دل مین یہ خیال گزرا کہ سلطان العلما نے کس قدر کتابین دیکھی ہین، اور کیسا ذہن پایا ہے کہ اس قدر مسائل محفوظ رکھتے ہین۔ سلطان العلما نے منبر ہی پر سے امیر کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کوئی آیت پڑھیے۔ انھون نے سورہ قد افلح المومنون پڑھنا شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب بے استحضار و مطالعہ سنیے اور کئی جمعہ تک انھین آیتون کی تفسیر بیان فرماتے رہے۔ امیر گھرتاش نے اپنے خطرہ دلی کو سلطان العلما سے بیان کیا اور منبر کے پایہ کو بوسہ دیا۔ حضرت سلطان العلما نے فرمایا کہ اس حالت کے شکرانہ کے طور پر میرے لڑکون کے لئے ایک مدرسہ بنائیے۔ چنانچہ مدرسہ "خداوندگار" طیار ہوا اور اس کے لئے بہت بڑا وقف مقرر کیا گیا۔[2]

مدرسہ کی توسیع | مولانا کے لیے مدرسہ تو حضرت سلطان العلما کی زندگی ہی مین طیار ہو گیا تھا۔ مگر مدرسہ کے ساتھ خدام وغیرہ کے لیے عام خانہ مولانا کے زمانہ مین امیر تاج الدین نے

---

[1] مناقب العارفین کے مطبوعہ نسخہ مین "المعروف بہ پدردار" ہے۔ قلمی نسخہ مین "المعروف بدردار" تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل مین "المعروف بدژدار" تھا۔ مطبوعہ نسخہ مین ایک "ہ" کا اضافہ کرکے "پدژدار" بنا دیا گیا (ژدار بمعنی "قلعہ دار") ۵۳ مناقب ص۔ ۲، امیر بدرالدین کی قبر اسی مدرسہ مین ہے۔ (مناقب) خزینۃ الاصفیا ج دوم ص ۲۷۰۔

Marfat.com

نہایت اصرار کرکے اور سلطان ولدؒ سے سفارش کرا کے تین ہزار دینار کے صرف سے طیار کیا۔[51]

مناقب العارفین کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کیخسرو کے وزیر "قاضی شہید مرحوم مولانا غیاث الدین قونیہ" نے خاص قونیہ مین مولاناؒ کے لئے ایک مسجد جامع بھی بنائی تھی۔[52]

قونیہ کے عوام وخواص سے قطع نظر کرکے خود سلطان علاء الدین کیقباد کی نظر مین حضرت سلطان العلماؒ کی جو عظمت و وقعت تھی اس کا اندازہ ان روایتون سے ہوسکتا ہے، جو سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے نقل کی ہین، یہان صرف تین چار روایتین اس قسم کی درج کی جاتی ہین۔

(۱)

ایک مرتبہ سلطان العلماؒ راستہ سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک سپاہی کسی مظلوم کو مار پیٹ رہا ہے، آپ نے اسے ایک عصا مارا اور ایک ہی ضرب مین وہ شخص مرگیا، سلطان کو تردد ہوا کہ بے وجہ ایک شخص کو مار ڈالا، سلطان العلماؒ نے فرمایا کہ تردد کی کوئی بات نہین، بے حکم خدا کچھ نہین ہوتا۔ مین نے درحقیقت ایک کتے کو مارا ہے اور ایک انسان کو اس کے ظلم سے بچایا ہے، سلطان نے اسکی قبر کے کھولنے کا حکم دیا تو دیکھا گیا کہ درحقیقی ایک سیاہ کتا پڑا ہوا ہے۔ ؎

سیرتے کان در وجودت غالب است　　ہم بر ان تصویر حشرت واجب است[53]

(۲)

سلطان علاء الدین نے جب قونیہ کا قلعہ تیار کیا تو ایک روز حضرت سلطان العلماؒ سے

---

[51] مناقب ص ۱۴۳ [52] مناقب ص ، [53] مناقب ص

Marfat.com

اس کے سیر کی التجا کی، آپ نے فرمایا کہ" دفع سیل اور منع خیل کے لیے اچھا ہے مگر مظلومون کی تیر دعا کا کیا علاج آپ نے سونچا ہے جو ہزارون لاکھون برجون سے گزر جاتی اور عالم کو خراب کر ڈالتی ہے، عدل وانصاف کا قلعہ بنائیے کہ اسی مین دنیا کا امن اور عاقبت کی خیر ہے" سلطان پر اس نصیحت نے اپنا پورا اثر دکھایا[1]۔

(۳)

ایک روز سلطان زیارت کو آیا حضرت سلطان العلمؒ نے ہاتھ کے بجائے عصا آگے بڑھا دیا، سلطان نے اسی کو بوسہ دیا مگر دل مین یہ خیال گزرا کہ سلطانؒ العلما، کو اپنے علم وفضل پر کس درجہ غرور ہے، آپنے فوراً ہی یہ فرمایا کہ" یہ تملق وتواضع علمائے گدا چشم کا کام ہے جن سلطان دین نے اصل کو پا لیا ہے وہ اس کی پروا نہین کرتے اور یہ غرور نہین ہے"[2]

(۴)

ایک مرتبہ آپ نے سلطان علاء الدین سے فرمایا کہ" مین بھی سلطان ہون اور آپ بھی سلطان ہین، آپ کی سلطنت اُس وقت تک ہے کہ آپ کی آنکھ کھلی ہوئی ہے، میری سلطنت اُس وقت سے شروع ہوگی جب میری آنکھ بند ہوگی"۔

جس زمانہ مین حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی سلطان علاء الدین کے پاس قیام فرما تھے، سلطان نے خواب دیکھا کہ اس کا سر سونے کا، سینہ چاندی کا، ناف سے نیچے لوہے کا، رانین سرب کی اور دونون پاؤن ارزہر کے ہوگئے ہین۔ لوگ اس خواب کی تعبیر سے عاجز رہے، شیخؒ نے اس کی تعبیر حضرت سلطانؒ العلما، کے حوالہ کی، آپنے فرمایا کہ" اے سلطان! جب تک تو دنیا مین رہے گا آسودگی رہے گی، تیرے بعد

---

[1] مناقب ص ۳۲ تا ۵۲ مناقب ص ۳۰

Marfat.com

تیرے فرزند کا زمانہ (سونے کے مقابلہ مین) چاندی کے مثل ہوگا، اس کے بعد تیرے پوتے کا زمانہ لوہے کا ایسا ہوگا، جب سلطنت تیسرے بطن مین پہنچے گی دنیا درہم و برہم ہو جائیگی اور چوتھے بطن تک پہنچکر ملک روم بالکل خراب ہو جائے گا اور آل سلجوق کا زوال ہو جائے گا۔[1]

سپہ سالار اور افلاکی دونون نے روم پر خوارزمشاہ کے حملہ، اس کی ہزیمت اور اس معاملہ مین سلطان العلماء کے تصرف باطنی کا حال بالتفصیل درج کیا ہے مگر اس روایت مین چند تعقیدات واقع ہوگئے ہین جن سے اس روایت کو تاریخ سے تطبیق دینے مین سخت پیچیدگی پڑگئی ہے، پہلے اصل روایت درج کیجاتی ہے پھر اس پر تنقید ہوگی۔

روایت یہ ہے کہ

جب خوارزمشاہ نے روم کا رخ کیا اور سلطان علاء الدین اس کے مقابلہ کے لئے حدود مملکت کی طرف بڑھا اور ارزنجان مین دونون ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو سلطان کو خوارزمشاہ کی فوج کی کثرت و عظمت کا حال معلوم ہوا اور اس سے رومی لشکر مین خوف و ہراس پیدا ہوگیا، سلطان نے ارادہ کیا کہ خود جاسوس کے بھیس مین جاکر اس کی تحقیق کرے، چنانچہ ترکمانون کی وضع بناکر کچھ گھوڑے ہمراہ لئے اور شاہ کے لشکر مین پہنچکر یہ ظاہر کیا کہ وہ ترک ہے اور اس کے آباو اجداد نواح آمویہ سے یہان آکر آباد ہوئے تھے۔ کچھ دنون سے سلطان علاء الدین اس سے متغیر ہوگیا ہے اور وہ لوگ شاہ کی آمد کے لئے دست بہ عا تھے۔ شاہ نے اس پر نوازش کی اور ایک خیمہ مین ٹھہرایا، رات کو شاہ کے دل مین یہ خیال گزرا کہ اس تمام اطراف

---

[1] مناقب ص ۳۱ (تاریخ سے بھی اسکی پوری تطبیق ہوتی ہے۔ علاء الدین کے زمانہ مین فتنہ مغول

Marfat.com

واکناف مین جہان تک تجسس کیا گیا سب لوگ سلطان سے راضی وخوش معلوم ہوئے، ممکن ہے ان لوگون کی شکایت مضنوعی ہو اور یہ جاسوس ہون، اسی وقت ملک مغیث الدین (والی ارزن الروم) کو بلاکر مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ صبح ان لوگون کے حالات کا تفحص کیا جائے گا ادہر سلطان علاءالدین نے خواب دیکھا کہ حضرت سلطان العلماؒ تشریف لائے اور فرماتے ہین کہ "این چہ وقت خواب است، زود برخیز وسوار شو" سلطان جاگا اور پھر یہ سوچکر سو رہا کہ کل بھی لشکر کے حالات دیکھکر چلا جاؤنگا پھر خواب دیکھا کہ حضرت سلطان العلماؒ عصا لیکر اس کے تخت پر چڑہ آئے ہین اور سینہ پر گھونسہ مار کر فرماتے ہین کہ "چہ خفتہ" سلطان اس ہیبت سے بیدار ہوگیا اور ہمراہیون کو جگایا، خود اپنے گھوڑے پر زین کسا اور روانہ ہوگیا، شاہ نے کچھ رات رہے سے ان کے خیمون پر پہرہ لگوادیا، صبح کو جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سب غایب ہین، تعاقب کیا مگر گرفتار نہ کرسکا، علاءالدین بخیریت اپنے لشکر مین پہنچ گیا اور اس واقعہ سے لوگون کے دلون مین ڈھارس بندھ گئی، چونکہ سلطان موقع کو دیکھ آیا تھا، اپنے لشکر کو بہت موقع سے اتارا، اول تین دن تک خوارزمیون کا پلہ بھاری رہا، چوتھے روز رومیون کو غلبہ ہوا اور پانچوین روز رومیون کے لشکر کی طرف سے آندھی چلی جس سے خوارزمیون کے آنکھین گرد وخاک سے بند ہوگئین ان کو ہزیمت ہوئی اور فتح ونصرت سلطان کے حصہ مین آئی۔[1]

اس موقع پر سپہ سالارؒ نے لکھا ہے کہ "روز عزم سلطان علاءالدین کیقباد بحضرت سلطانؒ العلماء قدس اللہ سرہٗ آمدند واستمداد ہمت از درون مبارکش فرمودند۔ ہمت تیمن کوس رحیل آنجا زدند"[2]

(بقیہ حاشیہ ص ۶۰ کا) سرحد روم تک پہنچ گیا تھا مگر علاءالدین کے عاقلانہ تدابیر اور اس کی شجاعت وسیاست کے

Marfat.com

افلاکیؒ کے الفاظ یہ ہین کہ "بعد از وفات حضرت بہاء الدینؒ ولد اندک زمانے گزشت کہ جلال الدین خوارزمشاہ بخدمت سلطان علاء الدین رسید، ہمانا کہ زیارت تربت شیخ را دریافتہ بوسہا داد وزاریہا نمود و استعانت وہمت درخواست کردہ استعداد واستیصال اورا مہیا ساخت . . . . . "[1]

سپہ سالارؒ نے اس واقعہ کی تاریخ بھی "سنہ سبع عشرہ وستمایۃ" (۶۱۷ھ) دیدی ہے مگر افلاکیؒ نے اس موقع پر کوئی تاریخ نہین دی ہے، البتہ ایک دوسرے موقع پر یہ لکھا ہے کہ "در شہر سیواس در سنہ ست عشرہ وستمایۃ (۶۱۶ھ) خبر دادند کہ جلال الدین خوارزمشاہ از دست مغل گریزان گشتہ شہر اخلاط را محاصرہ گرفتہ است و برائے خود تختگاہ میطلبد البتہ روم را بخشم گرفتہ است و شغف عظیم می نماید"[2] ہمان کہ سلطان علاء الدین کیقباد بالملک اشرف شام بالائے آذربیجان در مابین حوض لشکر خوارزمیان را شکستند و خوارزمشاہ بجانب جزیرہ گریزان گشت در دست کردان گرفتار گشتہ کشتہ شد . . . . . "

اوپر کے واقعات سے یہ بھی واضح ہوچکا ہے کہ سلطان اگرچہ اسی وقت سے مولاناؒ کا معتقد ہوچکا تھا جب سے اس نے اپنے سفرائے بغداد کی زبانی آپ کا حال سنا تھا مگر ملاقات

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸ کا) باعث روم اس اثر سے بالکل محفوظ رہا، علاء الدین کے بعد اس کے بیٹے غیاث الدین کے زمانہ مین مغلون نے روم کے شرقی حصص مین تاخت وتاراج کی مگر ملک بدستور سلاجقہ کے پاس رہگیا، غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین مغلون کے ہاتھ سے مارا گیا. کچھ دنون پروانہ نے سلطنت کو سنبھالے رکھا مگر اس کے بعد طوایف الملوکی پھیل گئی اور ساتوین صدی کے ختم ہوتے ہوتے سلاجقۂ روم کا خاتمہ ہوگیا)

[1] سپہ سالار ص ۱۰۰-۱۰۱ [2] سپہ سالار ص ۱۰۰ -

---

[1] مناقب صفحہ ۳۳ . [2] ایضاً ص ۳۳ -

Marfat.com

صوری اس وقت ہوئی جب مولاناؒ قونیہ مین تشریف فرما ہوئے اور یہ ۶۲۶ھ مین ہوا۔
پس اگر سپہ سالارؒ کی روایت صحیح سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ حضرت بہاء الدین ولد سے سلطان کی ملاقات ۶۱۷ھ کے قبل ہی ہو چکی تھی اور اگر افلاکی کی روایت صحیح مانی جائے کہ سلطان نے حضرت بہاء الدینؒ کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کی تھی تو ضروری ہوتا ہے کہ یہ جنگ خوارزمشاہ کے ساتھ نہین بلکہ کسی اور کے ساتھ . . . . . ہوئی ہو کیونکہ حضرت بہاء الدین ولد کے انتقال کے وقت تک سلسلہ خوارزمشاہیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا لیکن اس صورت مین تمام تفصیلات غلط ہوئے جاتے ہین۔

پس اب تاریخی حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ خوارزمشاہ کا روم پر کب حملہ کیا اور اسکا انجام کیا ہوا۔

فتنۂ مغول کے بعد خوارزمشاہیون کی تاریخ اگرچہ کسی قدر ناصاف ہو گئی ہے مگر تمام حالات و واقعات کو یکجا کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ روم کی طرف خوارزمشاہیون نے دو مرتبہ رخ کیا۔

اول جب علاء الدین محمد چنگیز خان کے ہاتھون بھاگتا ہوا مازندران کی طرف گیا اور قلعہ بحر مین پناہ گزین ہوا ہے اور پھر وہان سے نکلنے کے بعد نہایت پریشانی اور مصیبت کے عالم مین دنیا سے گزر گیا، یہ واقعہ ۶۱۷ھ کا ہے جو سپہ سالارؒ کی روایت کی تاریخ ہے، ابن اثیر نے اس کی پوری تفصیل دی ہے[1] حمد اللہ المستوفی نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے[2] مگر اسوقت علاء الدین کے ساتھ کوئی جنگ نہین واقع ہوئی۔

دوسرا واقعہ ۶۲۶ھ کا ہے، جب علاء الدین محمد کے بیٹے جلال الدین نے کرمان سے

---

[1] تاریخ کامل جزو ۱۲ ص ۱۷۰ [2] تاریخ گزیدہ ص ۴۹۰۔

Marfat.com

روم وشام کا رخ کیا، اخلاط کا محاصرہ کر لیا جو ملک اشرف ایوبی کی مملکت مین تھا اور چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد آخر الامر اس پر قابض ہو گیا، اس دوران مین اس نے کیقباد سلجوقی سے مراسلت کی مگر یہ مراسلت بے نتیجہ رہی، اور کیقباد ملک اشرف کا شریک ہو گیا، اور دونون نے آذربیجان کے قریب ۶۲۷ھ ۱۲۳۰ء مین جلال الدین کو شکست دی حمد اللہ المستوفی نے اس انہزام کی وجہ جلال الدین کی علالت کو قرار دیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ابن اثیر نے (جلد دوازدہم صفحہ ۲۳۶-۲۲۹ مین) دی ہے۔ اس کے بعد ہی جلال الدین ۸۲۸ھ مین ایک کرد کے ہاتھ سے مارا گیا۔

پس وہ تمام تفصیلات جن کا ذکر سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے کیا ہے وہ اسی جنگ سے مطابق ہین، اس مین درحقیقت

(۱) سپہ سالار کو تعین سنہ جنگ مین مغالطہ ہو گیا ہے، اغلب یہ ہے کہ جو سنہ "سبع عشرہ وستمایۃ" لکھا ہے وہ "سبع عشرین وستمایۃ" ہوگا اور یہی مغالطہ افلاکیؒ کے یہان ہو گیا ہے[1]

(۲) چونکہ یہ واقعہ ۶۲۷ھ کا ہے اور اس کے بعد ہی ۶۲۸ھ مین حضرت سلطان العلماؒ کا انتقال ہوا ہے اور افلاکیؒ کی تصنیف آپ کے انتقال کے تقریباً نوے برس بعد شروع ہوئی ہے اس لئے ممکن بلکہ اغلب ہے کہ افلاکیؒ تک اس روایت کے پہنچنے مین اتنا سہو ہو گیا ہو کہ انھون نے اسے سلطان العلماءؒ کے انتقال کے بعد قرار دیدیا

---

[1] افلاکی کے مطبوعہ نسخہ مین سنہ ستہ عشرہ وستمایۃ ہے اور ایک قلمی نسخہ مین سنہ [illegible] صد و شانزدہ ہے، پس اس طرح کہین عربی اور کہین فارسی ہو کر غلطی کا ہو جانا [illegible] ہے۔

Marfat.com

جب یہ واقعہ ۶۲۷ھ کا ہے تو سلطان العلماءؒ سے استمداد کا مسئلہ بالکل صاف ہے کیونکہ آپ ۶۲۶ھ مین قونیہ مین تشریف فرما ہو چکے تھے اور یہ شکست خواجہ جلال الدین کی علالت کی وجہ سے ہوئی ہو یا جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے رومیون اور شامیون کی تجربہ کار افواج اور ان کے ساز و سامان سے جلال الدین کے مرعوب ہو جانے کی وجہ سے ہوئی ہو. ہر دو صورت مین ایک معتقد کو اپنے مرشد کا تصرف باطنی ہی نظر آئے گا۔

(جلال الدین کے انتقال کے بعد بھی امرائے خوارزمشاہی اپنی اپنی طور پر قیام سلطنت کے لیے کوشان رہے اور شام اور روم سے ان کی لڑائیان بھی ہوئین مگر ان واقعات کی تطبیق ان مین سے کسی جنگ سے نہین ہو سکتی، اس لئے وہ خارج از بحث ہین۔)

قونیہ مین دو برس[1] کے قیام کے بعد حضرت بہاء الدینؒ ولد بیمار ہوئے، سلطان عیادت کو آیا، بہت رویا اور کہا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ سلطان العلماءؒ کو تخت پر بٹھاؤن اور خود سر لشکر بنون اور فتوح حاصل کرون، سلطان العلماءؒ نے یہ سنکر فرمایا کہ اگر یہ نیت صحیح ہے تو بس معلوم ہو گیا کہ مین عالم شہادت سے جہانِ سعادت کی طرف سفر کیا چاہتا ہون ؎

زانکہ گر من شوم بظاہر تیز　　بادشاہ، این جہان شود ناچیز

. . . . . .

---

[1] بعد دو سال از قضائے خدا . . . سر ببالین نہاد روز عناء (در باب نامہ)

چون دو سال بدین حال گزشت مولانا بہاء الدینؒ برحمت حق پیوست (فیہ ما فیہ ص ۴)

Marfat.com

پس یقین شد کہ رفت خواہم من تا نگردد خراب عالم تنگ (ربابنامہ)

چنانچہ اس کے تیسرے دن جمعہ کے روز دوپہر کے وقت ۲۸ ربیع الآخر ۶۲۸ھ کو انتقال فرمایا۔[1]

سلطان کو سخت رنج ہوا، سات دن تک محل سے باہر نہ نکلا اور چالیس روز تک سوار نہ ہوا، رسم عزا بتمام و کمال انجام دی، مرقد مبارک تعمیر کیا، اس کے گرداگرد حصار کھچوایا اور سنگ مرمر پر تاریخ وفات کندہ کرکے لگائی، آپ کا مرقد پہلے مختصر تھا بعد کو وسیع کیا گیا مگر شاید مولانا کے زمانہ مین ایسا نہین ہوا کیونکہ افلاکی کی روایت ہے کہ ایک روز معین الدین پروانہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ سلطان العلماء کے مزار پر ایک عمدہ گنبد بنائے، فرمایا کہ آسمان کے گنبد سے بہتر نہین ہو سکتا، جو ہے وہی کافی ہے[2]

سلطان ولد کی ایک روایت کے موجب انتقال کے وقت حضرت سلطان العلماء کی عمر پچاسی برس کی تھی[3] (مگر اس روایت کی صحت مین کسی قدر شک کی گنجایش ہے)

حضرت سلطان العلما کو مولانا سے ابتدا ہی سے نہایت درجہ کی محبت تھی، اور مولانا کے مرتبہ سے آپ دوسروں کو بھی آگاہ فرماتے تھے "خداوندگار" کا خطاب آپ ہی کا عطا کیا ہوا تھا، اور بہت ہی کم سنی سے آپ کو اس لفظ سے مخاطب فرمایا تھا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ "بعضے در ۶۲۷ھ نیز گفتہ اند" اسپہ نگر اور سرگورا ولی نے ۶۲۳ھ کو سال وفات قرار دیا ہے، مگر یہ دونون قول غلط ہین۔ [2] مناقب العارفین ص ۳۴۳ [3] در سن ہشتاد و پنج سالگی انتقال فرمود (مناقب ص ۲۸)

Marfat.com

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب تک مین زندہ ہون کوئی میرا مثل پیدا نہین ہوتا، ذرا انتظار کرو کہ مین گزر جاؤن، پھر دیکھنا کہ میرا فرزند جلال الدین محمد کیا ہوتا ہے، وہ میری جگہہ پر ہوگا۔ بلکہ مجھ سے بھی بالاتر ہو جائے گا۔[1]

دوسری طرف مولاناؒ کے دل مین حضرت سلطانؒ العلما کی جو عظمت و وقعت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطان ولدؒ نے فرمایا ہے کہ میرے والدؒ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ "سلطان ولد آگاہ ہو کہ قیامت کے دن مین اور میرے تمام مرید مولانائے بزرگ کے زیر سایہ ہونگے، اور آپ ہی کے وسیلہ سے ہم سب پر رحمت ہوگی"۔[2]

ایک دوسرے موقع پر مجمع اصحاب مین یہ فرمایا کہ "اگر مولانائے بزرگ چند سال اور زندہ رہتے تو مین شمس الدینؒ تبریزی کا محتاج نہ ہوتا"[3]

حضرت سلطانؒ العلما رات کے رات اور دن کے مجاہدات سے ایک لحظ بھی غافل نہین ہوتے تھے، لوگون نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ سب کچھ اپنے فرزندون اور دوستون کے لئے کرتا ہون۔[4]

اگر راستہ مین بھی کسی مرید کی نظر کسی خوشرو پر پڑ جاتی تو جب وہ خدمت شریف مین حاضر ہوتا تو اس پر بھی اس کو متنبہ فرما دیتے تھے۔

آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ گورستان مین پھرا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ خدایا

---

[1] مناقب ص ۳۲-۳۳ [2] مناقب ص ۳۳، مناقب کی اصل عبارت یہ ہے کہ اگر حضرت مولانائے بزرگ سالے چندمی ماند من محتاج شمس الدین تبریزی نمی شدم" رڈ ہاؤس نے اس کا ترجمہ یہ کر دیا ہے کہ "مولانائے بزرگ چند سال اور زندہ رہین گے مجھے شمس الدین کی حاجت ہوگی" ص، [3] مناقب ص ۴۸

Marfat.com

مجھے تو خوشخو اور متحمل بنا، مریدون سے فرمایا کرتے تھے کہ دن کو گورستان مین پھرو، رات کو ستارون کو دیکھو کہ عجائب عالم کا مشاہدہ ہو۔[۱]

آپ اپنے ہمعصر علما وصلحا کا پاس ولحاظ ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے، خلیفہ بغداد نے جب شیخ شہابؒ الدین سہروردی کو سلطان علاءالدین کیقباد کے پاس بطریق رسالت بھیجا، اس وقت سلطان قلعہ کوالا مین تھا اور حضرت سلطانؒ العلما، کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا تھا، شیخؒ کو بھی وہین قلعہ مین بلایا، مولاناؒ نے شیخؒ کی بیحد تعظیم وتکریم کی، اور فرمایا کہ "سہروردیان نند وخویشان نزدیک اند"[۲]

حضرت سلطان ولدؒ کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان العلماؒ جہاد مین بھی شریک ہوا کرتے تھے سلطان ولدؒ کے الفاظ یہ ہین کہ "وقتے کہ بغزا سوار شدے درصف حیدر کرار بودے"[۳]

آخر مین سلطانؒ العلما، کے تین چار اقوال حکم آمیز نقل کرکے اس فصل کو ختم کیا جاتا ہے۔

سلطان علاءالدین جب آپ کا مرید ہوا ہے تو ایک بہت بڑا اجتماع کیا تھا، جس مین تمام علما، ومشیوخ جمع تھے، اس وقت اس کے دل مین یہ خیال گزرا کہ اگر سلطان العلما، کچھ فرماتے تو لوگ مستفید ہوتے، آپ نے اس خطرۂ دلی کو محسوس کرکے فرمایا کہ "اے بادشاہ آپ کو خبر ملی تھی کہ سلطان العلما، آرہے ہین، یہ خبر نہین ملی تھی کہ کوئی خصال ( ) آرہا ہے کہ بادشاہ کے لیے طیار کرے اگر اخلاص وحضور دل کے ساتھ ایک دم مراقبہ کرو اور ادب باطن کو نگاہ رکھو

---

[۱] مناقب ص ۲۸ [۲] ایضاً [۳] مناقب ۳۲

Marfat.com

تو جو کچھ مطلوب و مقصود دل ہے بے گفت زبان میسر ہو۔"[1]

ایک مرتبہ درس عام مین جلال الدین حصیری بحث کرنے لگے آپنے ناخوش ہو کر فرمایا کہ "آپ جن صحف پر اس قدر ناز کرتے ہین اگر یہ باقی نہ رہین اور دنیا مین کوئی مدرسہ و مسند قایم نہ رہے تو کیا کیجئے گا، کوشش کیجئے کہ صحیفۂ دل کے لطایف ازبر ہو جائین کہ ہمیشہ باقی رہین اور وہ علم علم عشق ہے کہ مرنے کے بعد کام آئے۔"[2]

اسی طرح ایک مرتبہ آپ بلخ مین وعظ کہہ رہے تھے اثنائے وعظ مین فرمایا کہ "قیامت مین خدا تعالیٰ جزائے اعمال صالحہ کے عوض مین حور و قصور عطا فرمائے گا" ایک پیر مرد نے مسجد کے گوشہ سے اٹھکر کہا کہ "اس عالم مین ہم اپنے احوال کی درستی مین مشغول رہین، قیامت مین حور و قصور کی سیر پر اکتفا کرین، آخر دیدار کب نصیب ہوگا۔" فرمایا کہ "یہ حور و قصور کے رموز فہم عوام کے قصور کی وجہ سے ہین ورنہ اصل دیدار ہی ہے۔"[3]

ترک وطن کے سلسلہ مین یہ مذکور ہو چکا ہے کہ بلخ سے چلے جانے کے بعد بھی حضرت سلطان العلماء کا اثر زائل نہین ہوا تھا، اور اس سلسلہ مین آپ کے دو خطون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، افلاکی نے ان خطون کی نقل دی ہے اور چونکہ سلطان العلماء کی کوئی اور تحریر کہین محفوظ نہین ہے اس لئے تبرکاً و تیمناً ان دونون خطون کو یہان نقل کر دیا جاتا ہے،

---

[1] مناقب ص ۲۱ [2] مناقب ص ۲۲، ۲۳، ۲۴، [3] مناقب ص ۲۴،

Marfat.com

بعد از سلام دو عا بر حضرت ملکے کہ ملک وارثش را سعد و نحس انجم بکار نیاید، ہیچ کارے
کمال نگیرد مگر نکو کاری، میل بقوت و غلبہ نیاید کرد، غلبہ در حقیقت دین و تقویٰ راست کہ
لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ قاضی امام رومی یعرف بہ بدیانت و صلاحیت آراستہ
و سعادت بمعاونت بر و تقوی باز بستہ است۔ تعاونوا علی البر والتقوی والسلام علی من اتبع الہدیٰ

بعد از حمد و شکر جائے کہ مرجع مظلومان است و دفع ظلم متغلبان است لاسیما از اصحاب
تصوف و ارباب خیر، خاندانے کہ تربیت سلاطین حالیہ تعمدہم اللہ بغفرانہ یافتہ است و ذکر
جمیل ایشان بدانجا سایر، حمداً للہ تعالیٰ کہ سدہ منیع و جناب رفیع زاد اللہ تعالیٰ و قعتہ،
بدان حلیہ متجلی است کہ مثال کریم صادر شدہ است کہ متغلب در امتثال ملکے می نماند،
آنرا بامضا رسانند تا بیفائدہ نگردد والسلام۔

Marfat.com

(ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء - ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے ایک مملوک بلکا تگین کا ایک غلام نوشتگین تھا۔ ملک شاہ نے بلکا تگین کے بعد (۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء مین) اس کی جگہہ پر اسی نوشتگین کو مقرر کر دیا اور نوشتگین کی آخر عمر تک خوارزم کی شحنگی اسی سے متعلق رہی۔

نوشتگین نے ۴۹۱ھ/۱۰۹۷ء مین بعہد برکیارق (۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء - ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء) انتقال کیا اور سنجر (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء - ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کے اشارے سے نوشتگین کا بیٹا محمد اس کی جگہہ مقرر کر دیا گیا۔ اور اسے "قطب الدین" کا خطاب ملا۔ یہ شخص آخر تک سلجوقیون کا وفادار رہا اور اول خوارزم شاہی تھا۔ ۵۵۱ھ مین انتقال کیا۔

اس کے بعد سنجر نے اس کے بیٹے اتسز کو اس کی جگہہ عطا کی۔ اتسز اول سنجر ہی کی خدمت مین رہتا تھا اور سنجر کی جو نظر عنایت اس پر تھی وہ کسی امیر پر نہ تھی، اس سے دوسرے امرا کو رشک ہوا اور انھون نے دونون کو ایک دوسرے سے بدظن کر دیا، اتسز اجازت لے کر خوارزم کو چلا گیا، خوارزم پہونچکر اس نے بار بار بغاوت کی اور سنجر نے ہر بار اسے شکست دی مگر ہر مرتبہ معاف بھی کر دیا، خوارزم کا اول باستقلال بادشاہ اسی کو سمجھنا چاہئے، اس نے ۵۵۱ھ مین انتقال کیا، انتیس برس فرمانروائی کی جن مین سے سولہ برس مستقل فرمانروا رہا۔

Marfat.com

اتسز کے بعد اس کا بیٹا الپ ارسلان[1] تخت نشین ہوا، الپ ارسلان اور اس کے بھائی سلیمان مین بہت دنون تک خانہ جنگی رہی، مگر شاہی الپ ارسلان ہی پر قرار پائی، چونکہ سنجر کا انتقال ہوچکا تھا اور خراسان مین بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، الپ ارسلان کو موقع اور اس نے کچھ حصص خراسان و ماوراء النہر پر بھی قبضہ کر لیا، ۵۵۸ھ مین انتقال کیا،

الپ ارسلان کی وصیت کے موجب اس کا چھوٹا بیٹا سلطان شاہ بادشاہ ہوا، چونکہ یہ خورد سال تھا، زمام سلطنت اس کی ماں بکلہ ترکان کے ہاتھ مین رہی، بڑے بھائی تکش نے خوارزم پر قبضہ کر لیا مگر بقیہ حصص مملکت پر سلطان شاہ حکمران رہا اور ۵۸۹ھ مین انتقال کیا، تکش کا دور حکمرانی ۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء سے ۵۹۶ھ/۱۱۹۹ء تک رہا۔

قطب الدین محمد (علاء الدین محمد) بن تکش خان (۵۹۶ھ) مین اپنے باپ کے انتقال کے بعد خوارزم کا بادشاہ ہوا، اس سلسلہ کا سب سے بڑا بادشاہ یہی ہوا ہے۔ اور اگرچہ اس کے بعد گیارہ برس تک شاہی اس خاندان مین رہی مگر درحقیقت شاہی کا خاتمہ اسی پر سمجھنا چاہیے۔

سلجوقیون کا تقریباً تمام ملک اور اس سے کچھ زاید اس کے قبضہ مین تھا، ستائیس بادشاہ باری باری سے ایک ایک روز اس کی نوبت بجاتے تھے۔ علاوہ اس عظمت و شان کے صاحب علم بھی تھا۔ ابو الفدا نے لکھا ہے کہ "کان فاضلاً عالماً بالفقہ والاصول وغیرہما" مولاناؒ کے والد حضرت بہاء الدینؒ کو جس بادشاہ سے سابقہ پڑا وہ یہی بادشاہ تھا

---

[1] بعض تاریخون مین اس کا نام الپ ارسلان اور بعض مین ایل ارسلان لکھا ہے۔ (ابن اثیر نے ایل ارسلان لکھا ہے) [2] کتاب المختصر فی اخبار البشر جلد ثالث صفحہ ۱۲۷۔

Marfat.com

۶۰۹ھ مین اس نے غوریون کو شکست دی، "ظل اللہ فی الارض" کا خطاب پایا، اور غزنین اور غور پر مستقل قبضہ کرنے کے بعد "سکندر ثانی" کے خطاب سے ملقب ہوا، چنگیز خان سے جنگ کا آغاز ہوا اور اگرچہ چنگیز خان کو اولاً ہزیمت ہوگئی مگر سلطان پر بھی خوف طاری ہوگیا، اور وزیر بدرالدین عمید کی غداری سے سلطان کا سارا کام بگڑ گیا، اور جب چنگیز خان نے بالاستقلال حملہ کیا تو سلطان کو سوائے فرار کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، سلطان ایک صوبے سے دوسرے صوبے کی طرف بھاگتا پھرتا تھا اور مغول اس کے عقب مین تمام ممالک اسلام کو خراب کرتے ہوے بڑھتے جاتے تھے، آخر سلطان بحیرہ خزر مین جزیرہ آبسکون مین جاکر پناہ گزین ہوا، وہان سے ایک بار نکلا مگر پھر وہین واپس آیا اور ۶۱۷ھ مین وہین نہایت مصیبت و پریشانی کے عالم مین انتقال کر گیا. کفن تک نصیب نہ ہوا، جب جلال الدین مشہد سے ایران مین آیا تو اس کی لاش کو وہان سے لیجاکر قلعہ ارنیش مین دفن کیا مگر جب مغلون نے اس قلعہ پر قبضہ کیا تو اس کی لاش کو نکال کر جلا ڈالا، اِنّا لِلّٰہ و اِنا الیہ راجعون،

مولانا بہاء الدین ولد کے بلخ کو ترک کرنے کا باعث ہونے کے سوا، مجدالدین بغدادی خلیفہ شیخ نجم الدین کبریٰ کی ہلاکت بھی اسی بادشاہ کے اشارے سے وقوع مین آئی اور تاریخون مین مذکور ہے کہ شیخ نے اس حادثہ کی خبر سنکر بد دعا کی۔

اس کے سات بیٹون مین سے چار مغلون کے فتنہ مین قتل ہوگئے۔

رکن الدین عراق و کرمان وغیرہ کے حصص پر برائے نام حکمران رہا اور دو برس بعد ۶۲۱ھ مین مغلون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگیا، اور مغلون کے سردار کے سامنے زانو تہ نکرنے کے باعث مغلون نے اسے مع ہمراہیون کے شہید کر ڈالا،

Marfat.com

دوسرا بیٹا غیاث الدین رے اور خوزستان میں رہا آخر میں کرمان آیا، براق حاجب نے اس کی بہت عزت و توقیر کی مگر ایک سازش کی وجہ سے براق نے اسے ۶۲۷ھ میں خفیہ ہلاک کر ڈالا۔

جلال الدین اس سلسلہ کا نواں اور آخری فرمانروا تھا، علاء الدین نے اپنی زندگی میں اسے غور و غزنین کا حکمراں بنا دیا تھا، باپ کے انتقال کے بعد خوارزم آیا مگر امراء کی عدم موافقت کی وجہ سے پھر غزنین کو مراجعت کر گیا، مغلوں سے سات مرتبہ جنگ کی اور فتحیاب رہا، آخر چنگیز خاں خود اس کے مقابلہ کو بڑھا اور ۶۱۸ھ میں اسے شکست دی۔ جلال الدین نے چنگیز خاں کی آنکھ کے سامنے مع اپنے سات سو ہمراہیوں کے دریائے سندھ میں گھوڑے ڈال دیئے اور دریا کو عبور کر گیا۔ مگر سات سو ہمراہیوں میں سے صرف سات آدمی دوسرے کنارے پر پہنچے، جلال الدین نے ایک نئی فوج جمع کر کے ہندوستان کا کچھ حصہ فتح کیا اور پھر وہاں سے چل کر ۶۲۱ھ میں ایران پہنچا، کرمان، اصفہان، رے، بغداد، آذربیجان پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لیا، ملکہ خاتون سے عقد کیا اور پھر طفلس سے عاجلانہ کوچ کرتا ہوا سترہ دن میں کرمان پہنچ گیا، جلال الدین کی اس غیبت میں ملک اشرف (والی شام) قلعہ خوی (خرمی) سے ملکہ خاتون کو نکال لے گیا، اور اہل گرجستان نے بھی سرکشی اختیار کی، سلطان یہ سن کر اخلاط کی طرف بڑھا، گرجستان کو پوری طرح زیر کیا، اخلاط کو جو ملک اشرف کی مملکت میں تھا، چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا، اور ملک اشرف کی ملکہ کو قید کر لیا، اس کے بعد شام اور روم کی طرف بڑھا اور آذربیجان میں ۶۲۷ھ میں وہ جنگ واقع ہوئی جس کا ذکر مولانا بہاؤالدین

Marfat.com

کے تصرفات باطنی کے سلسلہ میں آچکا ہے، اس جنگ میں اگرچہ سلطان کو ہزیمت ہوئی مگر بعد کو اس نے شام و روم کا بہت حصہ تاراج کر ڈالا، ادھر سے پلٹ کر اصفہان کے سامنے مغلوں سے جنگ کی۔ دونوں فوجوں کے میسرے کو شکست ہوئی، سلطان خود کردستان کو چلا گیا اور اس کی فوج اصفہان میں داخل ہوئی۔ پھر سلطان اصفہان ہوتا ہوا کردستان کو چلا گیا اور وقفِ بیہوشی ہو گیا، مغل اس کے تعاقب میں تھے، ایک روز سلطان شراب سے مست تھا، مغلوں نے شبخون مارا اور قریب تھا کہ اسے گرفتار کر لیں مگر وہ بچ نکلا، ایک کردنے کپڑے کی طمع سے اسے گرفتار کر لیا، مگر جب معلوم ہوا کہ سلطان ہے تو اسے اپنے مکان میں ٹھہرایا، مگر ایک دوسرے کردنے جس کا بھائی جنگ اخلاط میں سلطان کی فوج کے ہاتھوں مارا گیا تھا موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ اور اس طرح شوال ۶۲۸ھ میں جلال الدین کی ذات کے ساتھ خوارزم شاہیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

(علاؤ الدین محمد اور جلال الدین کے حالات میں جلال لدین المنوی "تمتی" کی تصنیف سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے کیونکہ وہ آخر تک جلال الدین کے ساتھ رہا، ابوالفدا نے اسی سے حالات اخذ کئے ہیں۔ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

Marfat.com

ترکوں کے وہ قبائل جو ممالک اسلامی کی سرحد پر پھیلے ہوئے تھے اُن میں سے ایک اہم قبیلہ کا سردار بلکہ چند قبیلوں کا سردار سردار ان سلجوق نامی تھا' اس کے چار بیٹے اسرائیل' میکائیل' موسیٰ اور یونس تھے یہ لوگ تنگی چراگاہ کی وجہ سے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں بخارا، سغد اور سمرقند وغیرہ کے قرب میں آکر آباد ہو گئے۔ سلطان محمود (۳۹۸ھ/۱۰۰۷ء - ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) ان کے تعلقات اولاً اچھے رہے مگر ان کی کثرت تعداد سے سلطان متوہم ہو گیا اور اسرائیل کو الجز میں قید کر دیا' وہ قید ہی میں مر گیا' بعد میں سلطان نے اسرائیل کے بھائیوں کو جیحون سے پار ہو کر آباد ہونے کی اجازت دیدی' ان آبادکاروں کے پیشرو میکائیل کے بیٹے چغر بیگ اور طغرل بیگ تھے' ۴۲۹ھ/۱۰۴۷ء میں نیشاپور میں طغرل بیگ کی تاجپوشی عمل میں آئی، سلطان مسعود (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء - ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) کو ان لوگوں نے دو بار شکست دی' اپنی دوسری فتح کے بعد ان لوگوں نے اپنے مقبوضات آپس میں تقسیم کر لئے چغر بیگ نے خراسان

Marfat.com

لیا اور مرو کو اپنا پایۂ تخت بنایا، عراق طغرل بیگ کے حصہ میں آیا اور اس نے رے کو دار الملک قرار دیا، غزنین و ہرات مع ہندوستان کو ملے اور چغر بیگ کے بیٹے داؤد کو طبس و کرمان دیا گیا۔

۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء میں چغر بیگ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا الپ ارسلان اس کا جانشین ہوا، پھر ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں طغرل بیگ کے انتقال کے بعد الپ ارسلان کا بھائی سلیمان اس کا جانشین قرار پایا، مگر سلیمان کے برادر عم زاد قتلمش بن اسرائیل نے اسے شکست دے کر ملک پر قبضہ کر لیا، الپ ارسلان بھائی کی مدد کو آیا، جنگ میں قتلمش گھوڑے سے گر کر مر گیا، اور الپ ارسلان کل ملک پر قابض ہو گیا، الپ ارسلان چاہتا تھا کہ قتلمش کے کل خاندان کو مٹا دے مگر نظام الملک مانع ہوا اور شہزادگی کا نام خارج کر کے ان لوگوں کو سپہ دار بنا کر ملک شام کی طرف بھجوا دیا۔

(۱) انھیں سپہ داروں میں سلیمان بن قتلمش (۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء - ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء) سے سلاجقہ روم کا سلسلہ شروع ہوا، اس نے انطاکیہ فتح کیا اور حلب پر بھی قبضہ کر لیا، اسی اثنا میں تتش ابن ارسلان نے اس پر حملہ کر دیا، سلیمان کے امراء برگشتہ ہو گئے اور اس نے خود اپنے کو ہلاک کر ڈالا، یہ زمانہ ملک شاہ سلجوقی کا تھا۔ وہ بھائی کی اس حرکت سے سخت ناخوش ہوا اور

(۲) سلیمان کے بیٹے داؤد کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیا، داؤد ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں قونیہ کو اپنے قبضہ میں لایا اور اسے پایۂ تخت قرار دیا، اور بیس برس کی حکمرانی کے بعد ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں انتقال کیا، اس کے بعد

(۳) قلج ارسلان بن سلیمان (۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء - ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء) اور

(۴) مسعود بن قلج ارسلان (۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء - ۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء) فرمانروا ہوئے۔

Marfat.com

(۵) مسعود کے بعد اس کا بیٹا عز الدین قلج ارسلان (۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء - ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء) میں حکمراں ہوا، اس نے سیواس و قیصریہ پر قبضہ کر لیا اور آقشہر کی تعمیر کی۔

(۶) عز الدین نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے غیاث الدین کیخسرو کو اپنا جانشین قرار دیا مگر

(۷) غیاث الدین کے بڑے بھائی رکن الدین نے قونیہ پر قابض ہو کر غیاث الدین کو خارج کر دیا۔ ارزن الروم کو اسی نے فتح کیا۔ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں انتقال کیا۔

(۸) اس کے بعد اس کا لڑکا عز الدین قلج ارسلان جانشیں ہوا مگر غیاث الدین نے واپس آکر قونیہ پر قبضہ کر لیا اور عز الدین کو معزول کر دیا اور وہ قید ہی میں مر گیا، ۶۰۹ھ/۱۲۱۲ء میں غیاث الدین بھی انتقال کر گیا۔

(۹) غیاث الدین کے بعد عز الدین کیکاؤس اس کا جانشیں ہوا مگر ایک برس بعد ہی بعارضۂ سل داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۱۰) عز الدین کے بعد اس کا بھائی علاء الدین کیقباد (۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء - ۶۳۶ھ[1]/۱۲۳۸ء) فرمانروا ہوا، اس سلسلہ میں یہ سب سے زیادہ صاحب جاہ و جلال فرمانروا ہوا ہے، اس کے حدود مملکت اتنے وسیع تھے کہ شہنشاہی کا اطلاق ہوتا تھا۔ ۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء میں بمقام ارزن الروم خوارزم شاہ کو اسی نے شکست دی جس کے بعد ہی خوارزم شاہیوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح اگرچہ ملک روم کا راستہ مغلوں کے لئے کھل گیا، مگر اس بادشاہ کے آخر عہد تک یہ ملک مغلوں کی تاخت و تاراج سے بچا رہا، اخلاط وغیرہ پر قابض ہو جانے سے ملک اشرف کو علاؤ الدین سے حسد ہوا اور سولہ[16] ایوبی حکمرانوں نے ملک کامل کے تحت میں اس کے مقابلہ کی طیاری کی مگر آپس کی بداعتمادی کی وجہ سے کچھ کر نہ سکے، اس نے قونیہ سیواس وغیرہ

---

[1] باختلاف روایت ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء۔

Marfat.com

میں بہت سی عمارتیں بنوائیں جو یادگار زمانہ ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ادھر ۶۱۰ھ میں علاء الدین قونیہ میں تخت نشیں ہوا، ادراد ھر سے قریب ہی زمانہ میں مولاناؒ بلخ سے عازم حجاز و روم ہوئے اور اسی کے عہد میں قونیہ میں مستقلاً قیام اختیار کیا، حضرت بہاؤالدینؒ ولد سے علاء الدین کو کمال عقیدت تھی اور خود مولانا کا بھی بنایت معتقد تھا۔

(۱۱) علاء الدین کو اس کے بیٹے غیاث الدین کیخسرو (۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء - ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء) نے زہر دیدیا اور خود اس کا جانشین ہوگیا، اس کے زمانہ میں مغلوں نے ملک روم کو بہت خراب کیا مگر قونیہ پر قابض نہیں ہوئے۔

(۱۲) غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین سلیمان شاہ (۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء - ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء) تخت نشیں ہوا مگر درحقیقت اب آزادی باقی نہیں رہی تھی، ملک پر مغلوں کی سیادت قائم ہوگئی تھی۔ رکن الدین کے دو بھائی اور تھے، علاء الدین اور عزالدین ان دونوں نے اس کے خلاف جدوجہد کی، علاء الدین تو بالکل بے نیل مرام زہر سے ہلاک ہوا، البتہ عزالدین کو کچھ جزوی کامیابی حاصل ہوئی مگر سلسلہ شاہان میں رکن الدین ہی کا نام سمجھنا چاہیئے۔ اسی رکن الدین کا وزیر معین الدین پروانہ تھا، رکن الدین اوائل عہد سلطنت میں مولاناؒ کا بہت معتقد تھا، اور مولاناؒ کو اپنا باپ بنایا تھا مگر بعد میں مولاناؒ کو اس سے کچھ رنج ہوگیا تھا، جس کی نسبت مولاناؒ کے دیوان کے تبصرہ میں اشارہ کیا گیا ہے[1]۔ رکن الدین اباقا خان کے حکم سے مارا گیا۔ اور بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

---

[1] بذیل تشریح غزل

نگفتمت مرد آنجا کہ مبتلات کنند — کہ سخت دست دراز ندبستہ مات کنند

Marfat.com

میں پروانہ کی بھی سازش تھی۔

(۱۳) رکن الدین کے بعد اس کا خرد سال لڑکا کیخسرو (۶۶۴ھ۔۶۹۳ھ) اس کا جانشین قرار پایا، مگر مغلوں کی طرف سے پروانہ کو اختیارات کامل عطا کیے گئے، اس نے کیخسرو کی والدہ سے عقد ہی کر لیا۔ اور اپنے انتقال کے وقت تک اصل حکمراں وہی رہا۔

پروانہ کا نام سلیمان اور لقب معین الدین تھا۔ کاشان کا رہنے والا تھا، رکن الدین کے زمانہ میں اسے عروج حاصل ہوا، مولاناؒ کی اس پر خاص نظر عنایت تھی، اور مولاناؒ کے ساتھ اس کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، مولاناؒ کی تصنیف "فیہ ما فیہ" میں بیشتر مواعظ وہی ہیں جو پروانہ کی مجلس میں آپ نے بیان فرمائے تھے، مناقب العارفین میں پروانہ سے متعلق واقعات بکثرت دیئے گئے ہیں، مولاناؒ کی متعدد غزلوں میں اس کی جانب اشارات بھی ملتے ہیں۔ اور مثنوی شریف میں بھی دو ایک جگہ کنایۃً اس کا تذکرہ آیا ہے اور پروانہ کا دور عروج ہی مثنوی شریف کی تصنیف کا زمانہ ہے، مولاناؒ کے بعد پروانہ ۶۷۶ھ (۱۲۷۷ء) میں اباقا خان کے حکم سے قتل ہوا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطان بیبرس (ملک مصر) نے جب مغلوں کو شکست دی اور پھر اپنے ملک کو واپس چلا گیا تو اباقا خان نے معین الدین کو اس کا شریک سمجھ کر اس سے انتقام لیا، بعد میں رکن الدین بھی احمد خان کے حکم سے قتل ہوا۔

کیخسرو کے بعد مسعود اور کیقباد برائے نام سلطان ہوئے، ہر طرف ملوک الطوائف کا دور دورہ ہو گیا اور انھیں ملوک الطوائف میں عثمان بھی تھا جو سلطنت عثمانیہ کا بانی ہوا، غرض سلاجقہ روم کی سلطنت کا ۱۳۰۰ء میں اور بقول بعض ۱۳۰۴ء میں خاتمہ۔

Marfat.com

ہو گیا۔

اصل یہ ہے کہ سلطنت کا خاتمہ تو رکن الدین کے زمانہ میں ہو گیا تھا، آخر کے تین چار فرمانروا مغلوں کی جانب سے محض والی کی حیثیت رکھتے تھے۔

Marfat.com

فصل دوم

اتمام الکمال

Marfat.com

خام بدم، نان شدم، بارِ دگر جاں شدم
سنہ ۶۲۸

جان چوں بجاناں رسید مقصدِ جاناں شدم
سنہ ۶۴۲

حضرت سلطانؒ العلماء کی وفات کے بعد سلطانِ وقت اور تمام اکابر و اعاظم کے اتفاق رائے سے مولاناؒ آپ کے جانشین ہوئے اور آپ کے سلسلۂ درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کو بدستور جاری رکھا، سلطان ولدؒ اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

تعزیہ چوں تمام شد پس ازاں — خلق جمع آمدند پیر و جواں
ہمہ کردند رو بہ فرزندش — کہ توئی در جمال مانندش
بعد ازیں دست ما و دامنِ تو — ہمہ بنہادہ ایم سوئے تو رو
شاہِ ما بعد ازیں تو خواہی بود — از تو خواہیم جملہ مایۂ سود

Marfat.com

نشست بر جاش شہ جلال الدینؒ　　رو مدو کرد خلق روے زمیں

مناسب ہے کہ اس موقعہ پر مولاناؒ کے سلسلہ باطنی کی قدرے تفصیلی توضیح کر دی جائے، فصل اول میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد نے اپنے ایک مرید خاص سید برہان الدینؒ محقق ترمذی کو مولاناؒ کا اتالیق مقرر کیا تھا مگر جب حضرت بہاء الدین بلخ سے روانہ ہوے ہیں اس وقت سیدؒ وہاں موجود نہ تھے بلکہ اس سے کچھ قبل اپنے وطن ترمذ کو چلے گئے تھے اور پھر شیخ سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی بلکہ شیخؒ کے انتقال کے بعد سیدؒ قونیہ میں تشریف لاے اور مولاناؒ سے ملے، مولاناؒ آپ کے مرید ہو گئے اور اپنے والد ماجدؒ کے بعد مراتب سلوک آپ ہی سے طے کئے پس مولاناؒ کے شیخ سید برہان الدینؒ، اور بواسطہ سید برہان الدینؒ (اور بلا واسطہ بھی) حضرت بہاء الدین تھے۔

حضرت بہاء الدینؒ کے اسناد خرقہ کے ذیل میں سپہ سالارؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ "اما تلقین ذکر و خرقہ او متصل است، بپدرش احمد الخطیبیؒ وازو بامام احمد غزالی۔"[1] لیکن احمد الخطیبیؒ حضرت بہاء الدین ولد کے باپ نہیں بلکہ دادا تھے اور حضرت بہاء الدینؒ ابھی دو ہی برس کے تھے کہ آپ کے والد حسینؒ بن احمد الخطیبیؒ کا انتقال ہو گیا تھا، پس ظاہر ہے کہ یہاں ایک نام درمیان سے رہ گیا ہے اور افلاکیؒ نے اس کمی کو اس طرح پورا کیا ہے کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد اور احمد الخطیبیؒ کے مابین شمس الائمہ سرخسیؒ[2] کا نام دیا ہے اور اس طرح سلسلہ کو مربوط کر دیا ہے، احمد الخطیبیؒ حضرت احمد غزالیؒ کے مرید تھے اور آگے کو سلسلہ

---

[1] صفحہ ۶　　[2] صفحات ماسبق میں یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ شمس الائمہؒ سے مولانا بہاء الدینؒ کی قرابت خاندانی بھی تھی یعنی شمس الائمہ کی نواسی حضرت بہاء الدین کی زوجہ محترمہ تھیں۔

Marfat.com

احمد غزالیؒ سے چلا ہے۔

مکمل شجرہ حسب ذیل ہے۔

آنحضرت صلعم	سنہ ۱۱ ھ	۶۳۲ء
حضرت علیؓ	سنہ ۴۰ ھ	۶۶۰ء
(حسن بصریؒ)	سنہ ۱۱۱ ھ	۷۲۹ء (باختلاف روایت سنہ ۱۱۲ھ، سنہ ۱۱۴ھ)
(حبیب عجمیؒ)	سنہ ۱۵۶ ھ	۷۷۲ء
داؤد طائیؒ	سنہ ۱۶۵ ھ	۷۸۱ء
معروف کرخیؒ	سنہ ۲۰۰ ھ	۸۱۵ء (باختلاف روایت سنہ ۲۰۶ھ)
سری سقطیؒ	سنہ ۲۵۳ ھ	۸۶۷ء (باختلاف روایت سنہ ۲۵۰ھ)
جنید بغدادیؒ	سنہ ۲۹۷ ھ	۹۰۹ء (باختلاف روایت سنہ ۲۹۸ھ، سنہ ۳۰۲ھ، سنہ ۹۱۰ء، سنہ ۹۱۴ء)
شبلیؒ	سنہ ۳۳۴ ھ	۹۴۵ء (باختلاف روایت سنہ ۳۴۲ھ، سنہ ۹۵۳ء)
ابوبکر محمدؒ زجاج نیشاپوری	سنہ ۳۴۸ ھ	۹۵۹ء
ابوبکر نساج طوسی[1]	سنہ ۴۸۷ ھ	۱۰۹۴ء
احمد غزالیؒ	سنہ ۵۲۰ ھ	۱۱۲۶ء (باختلاف روایت سنہ ۵۱۷ھ، سنہ ۱۱۲۳ء)
احمد الخطیبی البلخی		
شمس الائمہ سرخسی	سنہ ۵۷۱ ھ	۱۱۷۵ء (بقول رڈہاؤس)

---

[1] تمام تذکروں میں ابوبکر نساجؒ کو ابوالقاسم گرگانی (سنہ ۴۵۰ھ، سنہ ۱۰۵۸ء) کا مرید لکھا ہے اور سنین وفات سے بھی یہ عیاں ہے کہ زجاجؒ اور نساجؒ کے درمیان ایک یا دو نام رہ گئے ہیں۔

Marfat.com

سلطان العلماء بہاء الدین ولد — ۶۲۸ھ / ۱۲۳۱ء

سید برہان الدین محقق ترمذی — ۶۳۷ھ / ۱۲۴۰ء

مولانا جلال الدین رومی — ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء

[جو نام قوسین میں ہیں وہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخہ قلمی میں نہیں ہیں مگر دیگر کتب سے ثابت ہیں، مناقب العارفین میں مولاناؒ کے بعد تین نام اور دیئے ہیں، مولانا شمس الدینؒ تبریزی (غیبت ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء)۔ مولانا بہاء الدینؒ ولد (۶۱۲ھ / ۱۲۱۲ء)۔ مولانا جمال الدین امیر عارف (۶۱۹ھ / ۱۲۱۹ء)]

اس شجرے میں اگرچہ احمد الخطیبیؒ اور سلطان العلماء کے درمیان ایک نام کے آجانے سے فصل زمانی کی دشواری رفع ہو جاتی ہے مگر اس میں جو دقت لاحق ہے اس کا تفصیلی ذکر فصل اول میں ہو چکا ہے، اسے ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ کے واسطے کے علاوہ حضرت بہاء الدینؒ ولد کی سند خرقہ ایک دوسری طرح پر بھی منقول ہے، ملا عبدالرحمٰن جامیؒ[1]، داراشکوہ[2] اور غلام سرور لاہوریؒ[3] ہر سہ تذکرہ نویسوں نے حضرت بہاء الدینؒ ولد کو شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مریدوں میں شامل کیا ہے۔

اس کے قبول کرنے میں کوئی دقت لاحق نہیں ہے کہ حضرت بہاء الدینؒ ولد شیخ نجم الدینؒ کبریٰ کے بھی مرید رہے ہوں۔ شیخؒ نے بدوران فتنہ مغول ۶۱۸ھ میں جام شہادت نوش

---

[1] یعنی گفتہ اند کہ وے بصحبت شیخ نجم الدین کبریٰ رسیدہ است و از خلفائے ویست (نفحات الانس صفحہ ۴۸۲) یعنی گفتہ اند کہ مولانا بہاء الدینؒ والد مولانا جلال الدین نیز از ایشاں (یعنی از مریدان شیخ نجم الدین کبریٰ) است سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۳۴

[2] مرید شیخ نجم الدین کبریٰ است و از اعاظم خلفائے وے، خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۶۲ جلد دوم

Marfat.com

فرمایا ہے۔ پس آپ کا زمانہ وہی ہے جو حضرت بہاءالدینؒ ولد کا زمانہ ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کو شیخ اسمٰعیل قصریؒ[1] اور شیخ عمارؒ یاسر دو بزرگوں سے خرقہ ملا تھا، اور شیخ عماد الدین المعروف بہ شیخ عمارؒ یاسر (۵۹۹ھ) کا سلسلہ شیخ ضیاءالدینؒ ابونجیب عبدالقاہر سہروردی (۵۶۳ھ) کے واسطہ سے حضرت احمد غزالی سے مل جاتا ہے[2] اور پھر آگے کو سلسلہ وہی ہے جو شجرے میں منقول ہوا۔ شیخ بہاءالدین کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ سہروردی قونیہ میں تشریف لائے ہیں تو حضرت بہاءالدینؒ نے فرمایا ہے کہ "سہرود دیاں عتیقاند وخویشان نزدیکند"[3]

یہ اشارہ خواہ اس معنی کر کے ہو کہ سلسلہ سہروردیہ کا تعلق بھی حضرت احمد غزالیؒ سے تھا یا اس معنی کر کے ہو کہ شیخ نجم الدینؒ کبریٰ کے وسیلہ سے خود حضرت بہاءالدینؒ کا سلسلہ عبدالقاہر سہروردی سے ملتا تھا، ملا عبدالرحمٰن جامیؒ نے بھی اسی قسم کا خیال

---

[1] یہ سلسلہ حسب ذیل ہے۔

آنحضرتؐ، حضرت علیؓ، کمیل بن زیادؒ۔ عبدالواحدؒ۔ ابویعقوب سوسی (ابویعقوب سہروری۔ ابوعبداللہ بن عثمانؒ) ابویعقوب طبریؒ۔ ابوالقاسم بن رمضانؒ۔ ابوالعباس ادریسؒ۔ محمد جامؒ بن داؤد۔ محمد امانؒ (عرف مدمانکیل) شیخ اسمٰعیلؒ قصری شیخ نجم الدینؒ۔ نفحات الانس صفحہ ۲۷۔ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۵۹۔ تواریخ آئینۂ تصوف صفحہ ۴۸، صفحہ ۱۱۲۔ (قوسین کے دو نام تواریخ آئینۂ تصوف میں نہیں ہیں) نفحات الانس میں ہے کہ "شیخ نجم الدین بصحبت دے (یعنی اسمٰعیل قصریؒ) رسیدہ است و خرقہ اصل از دست دے پوشیدہ۔

[2] نفحات الانس صفحہ ۲۶۹ [3] مناقب صفحہ ۲۱

Marfat.com

ظاہر کیا ہے۔ آپ نے حضرت نجم الدین کبریٰ کے واقعۂ شہادت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "جب کفار (مغول) شہر میں آئے تو آپ اپنے باقیماندہ اصحاب کو لیکر مقابلہ کو نکلے، دونوں جیب میں پتھر بھر لئے تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا، آپ نے پتھر پھینکنے شروع کئے تا آنکہ کل پتھر ختم ہو گئے۔ کافروں نے آپ پر تیر برسائے، ایک تیر سینہ میں لگا آپ اپنے ہاتھ سے کھینچکر پھینک دیا اور آگے بڑھے، شہادت کے وقت آپنے ایک کافر کا پرچم (موئے پیشانی) پکڑ لیا، بعد شہادت دس آدمیوں نے اسے چھڑانا چاہا نہ چھوٹ سکا، آخر قطع کر دیا" یہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ بعضوں نے کہا ہے کہ "حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس اللہ سرہٗ در غزلیات خود اشارت بایں قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است ؎

ما ازاں مختشائیم کہ ساغر گیرند — نہ ازاں مفلسگان کہ بزلا غر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند — بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند[1]

بہر نوع حضرت بہاء الدین ولد کو خواہ شیخ نجم الدین کبریٰ کا مرید مانا جائے یا بیک واسطہ حضرت احمد الخطیبی کا مرید سمجھا جائے دونوں سلسلے اوپر کو حضرت احمد الغزالی سے مل جاتے ہیں اور نیچے کی طرف مولانا بلاواسطہ اور بالواسطہ اپنے والد کے وارث ہیں، مولانا کے بعد یہ سلسلہ جس طرح آگے چلتا رہا وہ باب سوم کے تعلیقات سے پوری طرح واضح ہو جائے گا، یہاں مختصراً اسقدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ مولاناؒ کے اخلاف میں آپکے فرزند سلطانؒ ولد صاحب سجادہ ہوئے اور سلطان ولد کے جانشین ان کے فرزند امیر عارف ہوئے اور یہ سلسلہ الی یومنا ہذا اسی

[1] نفحات الانس ص ۴۷۲

Marfat.com

طرح اس خاندان میں چلا آرہا ہے، خاندان سے باہر مولاناؒ کے جانشین (سلطان ولدؒ سے قبل) حسام الدینؒ چلپی ہوئے اور کوئی دوسرا شخص خاندان سے باہر اس سلسلہ کا سجادہ نشین نہیں ہوا۔

اس امر کے متحقق ہو جانے کے بعد کہ مولاناؒ کا سلسلۂ فقر حضرت احمد غزالیؒ ملتا ہے اور مولاناؒ نے اپنے والد ماجدؒ کے انتقال کے بعد مراحل سلوک سید برہان الدینؒ محقق ترمذی کے زیر ہدایت طے کئے، اب سیدؒ کے ورودِ قونیہ اور مولانا کی ارادت کے متعلق کچھ حالات درج کئے جاتے ہیں، سیدؒ جس خیال کے ساتھ قونیہ میں وارد ہوئے اس کے نسبت سلطان ولدؒ سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ کے بیانات میں بہت فرق ہے۔ سلطان ولدؒ کا بیان یہ ہے کہ سید برہان الدینؒ کو جب اپنے شیخ سے ملے ہوئے بہت دن گذر گئے تو آپ کو زیارتِ شیخؒ کا اشتیاق ہوا، کسی نے آپ سے کہا کہ شیخؒ روم میں ہیں، آپ روم کو روانہ ہوئے اور جب قونیہ پہنچے اس وقت معلوم ہوا کہ شیخ کے انتقال کو ایک برس گزر چکا ہے، یہی حال ایک خاص اضافہ کے ساتھ "فیہ مافیہ" میں بھی ہے کہ (سید برہان الدینؒ) "در حالت ہجرت مولانا بہاء الدینؒ از بلخ غائب بود چوں بعد از مدتے باز متوجہ بلخ شد و احوال معلوم کرد، عازم قونیہ شد"[1] جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدؒ اپنے وطن ترمذ سے شیخؒ کی ملاقات ہی کے خیال سے روانہ ہوئے مگر اول بلخ گئے اور وہاں سے عازم قونیہ ہوئے۔ چونکہ حضرت بہاء الدینؒ نے بلخ سے روانہ ہونے اور قونیہ میں اقامت پذیر ہونے کے درمیانی زمانہ میں

---

[1] فیہ مافیہ صفحہ ۴

Marfat.com

مستقل وطن کے خیال سے کسی جگہ قیام نہیں کیا تھا اور وہ زمانہ سخت فتنہ وآشوب کا تھا، ترمذ اور روم کے مابین تمام ممالک تہ و بالا ہو رہے تھے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ سیدؒ کو شیخؒ کے جائے اقامت کی خبر نہ رہی ہو۔

سپہ سالارؒ کا بیان ہے کہ جب سلطان العلماؒ نے رحلت فرمائی ہے، سید برہان الدینؒ وہاں موجود نہ تھے، خبر وفات پاکر رنج والم میں شمع کی طرح گھلتے رہے، ایک برس اسی حال میں گذر گیا کہ ناگاہ ایک شب حضرت سلطان العلما کو خواب میں دیکھا کہ نہایت سختی سے فرما رہے ہیں کہ "برہان الدین" تم نے میرے محمد کو کیوں تنہا چھوڑ دیا ہے اور کیوں ان کی محافظت میں تقصیر کرتے ہو" جب بیدار ہوئے تو قونیہ کو روانہ ہوئے اور مولانا کے پاس آکر رہے۔ علہ

رباب نامہ اور فیہ مافیہ کی روایت کے خلاف اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روانگی ترمذ سے قبل ہی سید برہان الدینؒ کو حضرت سلطانؒ العلما کی خبر وفات مل چکی تھی، اور آپ مولانا کی رفاقت ہی کے خیال سے وارد قونیہ ہوئے تھے۔

افلاکیؒ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت بہاء الدین کے انتقال کے بعد ہی سیدؒ کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ شیخؒ نے رحلت فرمائی، آپ نے بہت فریاد کی، غائبانہ نماز جنازہ ادا کی، چالیس روز تک رنج وغم میں رہے، عرس چہلم کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کے فرزند جلال الدین تنہا ہیں اور میرے انتظار میں ہیں، مجھ پر فرض ہے کہ روم کی طرف روانہ ہو جاؤں اور جو امانت ان کے والد نے میرے

علہ سپہ سالار ص ۶۱

Marfat.com

سپرد کی ہے وہ ان کے حوالہ کردوں، بعد قطعِ منازل جب قونیہ پہنچے تو شیخ کے انتقال کو ایک برس گزر چکا تھا۔

ان تینوں روایتوں میں مابہ الاختلاف یہ ہے کہ سید برہان الدینؒ ترمذ سے اس علم کے ساتھ روانہ ہوئے یا نہیں کہ حضرت سلطان العلماءؒ کا انتقال ہوچکا ہے، اس سے اصل مقصود پر چنداں اثر نہیں پڑتا، مابہ الاشتراک ان تینوں روایتوں کا یہ ہے کہ سید برہان الدینؒ حضرت سلطان العلماءؒ کے انتقال کے ایک برس بعد یعنی ۶۲۹ھ کے اواخر میں قونیہ پہنچے اور مولانا آپ کی صحبت سے فیضاب ہوئے[1]،

---

[1] مناقب صفحہ ۳۸ [یہاں ایک مشہور عام غلطی کی طرف اشارہ کردینا نہایت ضروری ہے۔ ہندوستان میں مثنوی شریف کا نسخہ اولاً بمبئی میں طبع ہوا اس کے آخر میں وقار کی ایک مختصر نظم (جو ایران کے مطبوعہ نسخہ سے لی گئی ہے) مولاناؒ کے حالات میں درج ہوئی وہیں سے یہ نظم تمام نسخوں میں نقل ہوتی رہی اور اب تو مثنوی کے ہر نسخہ کا جزو ہوگئی ہے، اس میں سید برہان الدینؒ کے نسبت یہ تحریر ہے۔

سیّد ترمذ کہ برہان داشت نام — بود پیر عہد و دلشاں را امام
کرد شان پدرواند و نیمہ راہ — داد جاں بر شوق دیدار الٰہ
لیک چوں میکرد آہنگِ رحیل — شد بملکِ ردم ایشاں را دلیل
کاندر آں ملک از فرود آرید رخت — فتحہا یابید از اقبال و بخت
پس بہاء الدین زروے اعتمید — عزم قونیہ کرد و رخت آنجا کشید۔

اس میں سید برہانؒ کا سفر میں سلطان العلماءؒ کے ہمراہ ہونا، آپ کا "امام" یعنی پیر ہونا، راستہ میں رحلت کرنا، سب خلاف واقعہ ہے؟

Marfat.com

سیدؒ جب قونیہ میں وارد ہوئے ہیں اس وقت مولانا وہاں تشریف نہیں رکھتے تھے بلکہ شہر لارندہ کو چلے گئے تھے، سیدؒ چند ماہ مسجد ستیجاری میں معتکف رہے اور مولاناؒ کے پاس خط بھیجا کہ قونیہ میں آجائیے، لارندہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ خط پاکر مولانا رح بعجلت تمام قونیہ میں تشریف لائے، سیدؒ سے ملے اور آپ کو اپنے مدرسہ میں ٹھہرایا۔

مولانا کے آجانے کے بعد سیدؒ نے آپ سے کہا کہ آپ کے والدؒ صاحبِ قال ہونے کے ساتھ صاحب حال بھی تھے، قال میں تو آپ اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہیں، اب حال کی طرف بھی توجہ کیجئے کہ آپ اپنے والد کے پورے وارث و جانشیں ہو جائیں۔ ؎

قال او را گرفتہ بد دو دست — ہمچو من شو ز حال او سرمست،
تا تمامت تو وارثش باشی — نور اندر جہاں چو خور باشی،
وارثِ والدی تو اندر پوست — مغز من بردہ ام مگر در دوست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) تذکرہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ کل حالات "آتشکدہ" "اذر" سے ماخوذ ہیں، صرف نثر کو نظم کر لیا ہے، آتشکدہ کی عبارت یہ ہے "مرشد ایشاں سید برہان الدینؒ محقق ترمذی کہ دراں سفر ہمراہ بود در شام بدرود حیات کرد، و بایشاں گفتہ کہ در ولایت روم بہمت شما فتوحات خواہد شد، بنا علیہ مولانا بہاء الدینؒ با عیال روانہ روم شد و ولایت قونیہ را انتخاب کردہ آنجا بساط افادہ و ارشاد گسترانیدہ" صفحہ ۳۲۲ (مطبوعہ فتح الکریم بمبئی ۱۲۹۹ھ)

سرگورادسلی نے بھی بعینہ یہی لکھا ہے۔ غالباً ان کا ماخذ بھی یہی تذکرہ رہا ہوگا مگر قونیہ کے بجائے قسطنطنیہ اور روم کے بجائے یونان ( ) لکھا ہے (صفحہ ۱۱۳) پھر دوسرے صفحہ (صفحہ ۱۱۴) پر تحریر کیا ہے

Marfat.com

سیّدؒ نے جب اس طرح مولاناؒ کو فقر و سلوک کی جانب توجہ دلائی تو آپ سید کے مرید اور جان و دل سے آپ کی تعمیلِ احکام میں منہمک ہو گئے۔

مولاناؒ کس وقت سیدؒ کے مرید ہوئے اس میں قدرے اختلاف ہے اور افلاکیؒ نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ سیّدؒ کے ورود قونیہ کے بعد آپ ان کے مرید ہوئے اور بعضوں کا خیال ہے کہ بلخ ہی میں آپ کے والدؒ نے آپ کو سیّدؒ کا مرید کر دیا تھا۔

یہ مسلّم ہے کہ بلخ سے روانگی کے وقت مولانا کی عمر کم و بیش چھ برس کی تھی، اور سیّدؒ آپ کے ترک بلخ کے قبل ہی وہاں سے جا چکے تھے، پس ہو سکتا ہے کہ ایامِ طفلی میں مولاناؒ کے والد نے رسمی طور پر آپ کو سیّدؒ کا مرید کر دیا ہو اور سیّدؒ کے قونیہ تشریف لانے کے بعد آپ دوبارہ مرید ہوئے ہوں، بہرحال اصل ارادت یہی ہے کہ طریق سلوک میں سیّدؒ کے ارشاد پر عمل پیرا ہوئے۔

سیّدؒ کے ورود قونیہ کی غرض و غایت کے نسبت پسر سالارؒ اور افلاکیؒ نے صرف اسقدر لکھا ہے کہ قونیہ میں سیّدؒ کا ورود صرف اس غرض سے ہوا تھا کہ آپ کو اپنے مرشد و شیخؒ سے جو کچھ ملا تھا اسے مولاناؒ تک پہنچا دیں مگر سلطان ولدؒ نے کچھ اور ہی بات لکھی ہے، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سیّدؒ کو جب قونیہ پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ شیخ کا انتقال ہو چکا ہے تو فرمایا کہ "شیخ خود میرے اندر موجود ہیں، شیخ بمنزلہ جان کے ہے اور جان جسم سے جدا نہیں ہو سکتی، میں خود عین شیخؒ ہوں" اس کے بعد آپ نے

(بقیہ حاشیہ ص۹۹

کہ بہاء الدین قونیہ میں مقیم ہو گئے اور اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ چند برس یونان ( ) میں رہے۔ درحقیقت روم کے مفہوم میں سرگوراوسلی کو مغالطہ ہو گیا ہے۔]

Marfat.com

خود دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری کر دیا اور لوگ جوق در جوق آپ کے مرید ہونے لگے ؎

گفت سیّدؒ کہ شیخ اندر ماست　　شیخ جانست وجاں زِتن نہ جداست
عین شیخم زمن نماند اثر　　ہیچ دیدی شکر جدا از شکر

.....

کرد آغاز وگفت جلوہ کناں　　کہ منم شیخؒ بے گمان وخطا
خلق را پس بخویش دعوت کرد　　گشت از جاں غلام او زن ومرد
شہر جملہ مرید او گشتند!　　در دروں تخم مہر او کشتند
ہمہ گفتند توئی بہاء ولدؒ　　بلکہ ہم سرّ سر و نورِ احد
در گماں شاں نبود ہیچ خطا　　صد چناں بود آں شہ والا

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ مولاناؒ اپنے والدؒ کے بجائے سجادہ نشین ہو گئے تھے مگر اپنے قیام قونیہ کے زمانہ میں سید برہان الدینؒ بھی خلافت کی خدمت انجام دیتے رہے، چنانچہ مولاناؒ کے علاوہ شیخ صلاح الدین زرکوب اور بعض دوسرے عالی مرتبت اصحاب بھی اسی دوران میں سیّدؒ کے مرید ہوئے اور اس غیر متوقع صورت حال سے نفع اٹھا کر مولانا اپنا بیشتر وقت تکمیل علوم ظاہر و باطن میں صرف فرماتے رہے، اور اکثر اس دوران میں قونیہ سے باہر بھی رہے۔

خاص قونیہ میں سیّدؒ کا قیام کتنی مدت رہا اس کے متعلق کوئی صریح و قطعی روایت کہیں نہیں ملتی مگر اس قدر متفق علیہ ہے کہ نو برس مولاناؒ سے آپ کی صحبت رہی ؎

بود در خدمتش بہم نہ سال　　تا کہ شد او بقال و بحال (سلطان ولدؒ)

Marfat.com

مدت نہ سال تمام صحبت می فرمودند۔ (پہ سالارؒ صہ ۶۱)

نہ سال تمام خدمت سیدؒ را بندگیہا نمود (افلاکیؒ صہ ۳۹)

سیدؒ ۶۲۹ھ میں قونیہ میں وارد ہوئے ہیں اور ۶۳۷ھ میں انتقال فرمایا ہے، پس اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اس نو برس سے مراد سیدؒ کے انتقال تک کا زمانہ ہے، نہ یہ کہ سیدؒ نے نو برس قونیہ میں قیام کر کے مولاناؒ کو سلوک کی تعلیم دی، سلطان ولدؒ نے اس موقع پر اپنے بیان منظوم کے اوپر جو نثر عبارت تحریر فرمائی ہے اس میں لکھتے ہیں کہ

..... مدت نہ سال در صحبت او بودن

وبعد ازاں نقل کردن سید برہان الدینؒ .....

نظم میں اسے یوں ادا فرمایا ہے۔

بود در خدمتش بہم نہ سال — تا کہ شد مثل او بقال و بحال

ہم سر و سر شدند در معنی — زانکہ یک دل بدند در معنی

ناگہاں سیدؒ از جہانِ فنا — کرد رحلت سوے سرائے بقا

.....

"اور فیہ مافیہ" میں یہ شعر بالکل صاف ہو گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "مدت نہ سال در خدمت او بود تا سید برہان الدینؒ وفات یافت،" [1]

سیدؒ اپنے انتقال سے کچھ دنوں پہلے قیصریہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور

---

[1] فیہ مافیہ صہ ۵

ہیں انتقال فرمایا، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مسلسل قیام قونیہ میں نہیں تھا
خود مولاناؒ کے حالات سے بھی آگے چل کر واضح ہوگا کہ آپ بھی اس دوران میں قونیہ میں
بہت کم رہے، اس سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو جاتا ہے کہ مولاناؒ ایک ہی وقت میں کیونکر
یک طرف سید سے استفادہ باطنی کرتے رہے اور دوسری طرف حلب و دمشق وغیرہ میں تحصیل
کمالات ظاہری میں بھی مشغول رہے[1]

حضرت سلطان ولدؒ نے قونیہ سے سیدؒ کی روانگی کا کچھ حال درج نہیں فرمایا ہے
مگر سپہ سالارؒ اور ان سے زیادہ افلاکیؒ نے ان حالات کو لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ
"جب سیدؒ نے یہ دیکھا کہ مولاناؒ دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے ہیں اور تمام
لوگوں کو آپ سے غایت درجہ کا فیض پہنچ رہا ہے تو آپ نے مولاناؒ سے یہ اجازت چاہی
کہ آپ قیصریہ کو چلے جائیں، کیونکہ شہر قیصریہ آپ کو بغایت مرغوب تھا، مولاناؒ راضی نہ ہوئے،
آخر ایک دن بلا اطلاع بالا بالا روانہ ہو گئے، اتفاقاً سواری سے گر پڑے اور پاؤں میں

---

[1] ڈاکٹر نکلسن نے لکھا ہے کہ "افلاکی کا بیان ہے کہ مولانا اس سے قبل حلب و دمشق میں بغرض تحصیل علم گئے تھے اور قونیہ میں واپس
کر سید برہان الدین کے زیر اثر تصوف کے مطالعہ میں منہمک رہے" (دیوان شمس تبریز صفحہ حاشیہ ۲ دیباچہ) یہی مفہوم انسائیکلو
پیڈیا برٹانیکا کا بھی ہے۔ مگر افلاکیؒ کے کلام سے تو مستنبط نہیں ہوتا کہ مولاناؒ سیدؒ سے ملنے کے قبل ہی حلب و دمشق سے ہو آئے
تھے بلکہ صحیح یہ ہے کہ سیدؒ کے ورود قونیہ کے بعد مولاناؒ حلب و دمشق کو گئے۔

ڈاکٹر نکلسن کی رائے کے بالکل برعکس رڈہاؤس نے اس واقعہ کو ایسی عبارت میں لکھا ہے جس سے بادی النظر میں یہ
رشح ہوتا ہے کہ مولاناؒ نے اپنے والدؒ کے انتقال کے بعد نو برس سیدؒ سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حلب و دمشق کو گئے (دیباچہ صفحہ)

[2] قیصریہ اس زمانہ میں بہت ہی مرفہ الحال شہر تھا اور مملکت روم کے اندر پایہ تخت قونیہ کے بعد اسی کا درجہ تھا۔ باجو خاں نے ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء
میں اسے تباہ کر دیا۔

Marfat.com

چوٹ آگئی، مجبوراً واپس آئے۔ امام الدین سپہ سالارؒ کے باغ میں ٹھہرے، مولاناؒ اور اصحاب آپ کی یہ حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "زہے مرید کہ پائے شیخ را بشکند" آخر الامر مولاناؒ نے اجازت دیدی اور قیصریہ کو چلے گئے[1]۔"

قیصریہ کس سنہ میں گئے، اس کا صحیح تعین نہیں ہوتا مگر ۶۳۶ھ میں آپ کا قیصریہ میں ہونا معلوم ہوتا ہے[2]، اس کے سوا مناقب العارفین ہی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ جب اول بار بغرض تحصیل قونیہ سے حلب کو روانہ ہوئے ہیں تو سیدؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے (اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا یہ روانگی اغلباً ۶۳۰ھ میں ہوئی ہے) سیدؒ قیصریہ میں صاحب اصفہانی کے پاس ٹھہر گئے اور جب مولاناؒ واپس آئے ہیں تو آپ کے ساتھ پھر قونیہ آئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولاناؒ کی غیبت قونیہ کے زمانہ میں سیدؒ کی آمد و رفت قیصریہ و قونیہ میں رہا کرتی تھی اور آخری بار مولاناؒ سے اس وقت رخصت ہوئے ہیں جب مولاناؒ مستقلاً قونیہ میں اقامت پذیر ہو چکے تھے (اور یہ ۶۳۴ھ یا ۶۳۵ھ میں ہوا)

مولانا جب دمشق سے واپس آتے ہوئے قیصریہ میں ٹھہرے تو شمس الدینؒ اصفہانی نے چاہا کہ مولاناؒ ان کے وہاں قیام فرماویں مگر سیدؒ نے فرمایا کہ مولانا ئے بزرگ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہمیشہ مدرسہ میں قیام فرمایا کرتے تھے، غرض مولاناؒ مدرسہ ہی میں ٹھہرے

---

[1] سپہ سالار صفحہ ۶۲

[2] مناقب صفحہ ۴۲

[3] مناقب صفحہ ۵۶

Marfat.com

جب لوگوں کی کثرت آمد سے مولاناؒ پریشان ہوئے تو آپ نے تنہائی اختیار کی، اس وقت سیدؒ نے فرمایا کہ آپ ایک مرتبہ میرے سامنے خلوت اختیار کریں، سیدؒ نے سات دن کے روزے کے لئے کہا، مولاناؒ نے فرمایا کہ کم ہے چالیس دن ہونا چاہیئے، اور آپ نے ایک چلّہ کے بجائے تین چلّے اسی طرح گزار دیئے۔ آخر جب تیسرے چلّہ کے بعد باہر نکلے تو سیدؒ نے فرمایا کہ "بسم اللہ اب روانہ ہوئیے اور دنیا کو اپنے پرتوِ فیض سے منور کیجئے" اس کے بعد ہی مولاناؒ نے قونیہ میں آکر درس و تدریس کا مستقل سلسلہ جاری کیا، سیدؒ نے اس کے تھوڑے ہی زمانہ بعد انتقال فرمایا۔[1]

فصل اول کے مختصر اشارات اور مذکورۂ بالا روایات سے سید برہان الدینؒ کے پایہ بلند اور مولاناؒ سے آپ کے تعلقات کا حال واضح ہو چکا ہے، مناسب ہے کہ اس موقع پر سید برہان الدینؒ کے کچھ مختصر کوائف جو مذکورۂ بالا روایات میں نہیں آسکے ہیں درج کر دیئے جائیں جن سے سیدؒ کے سوانح حیات کا ایک سرسری خاکہ ذہن میں آجائے۔

سید برہان الدین ترمذ کے رہنے والے اور بڑے پایہ کے عالم تھے، اوایل حال میں اپنے وطن سے بلخ میں آئے اور وہاں مفتیان بلخ کا واقعہ خواب حضرت سلطان العلماءؒ کے ہاتھ پر مرید ہونے کا باعث ہوا، مرید ہونے کے بعد آپ پر شیخؒ کی خاص نظر عنایت رہتی تھی، خراسان، ترمذ، اور بخارا وغیرہ میں آپ سیدؒ "سروان"[2] کے لقب اور "محقق" کے خطاب سے مشہور ہوئے جب حضرت سلطان العلماءؒ نے بلخ سے ہجرت

---

[1] مناقب صفحہ ۵۶، ۵۷ [2] اکثر تذکروں میں سید شروانی ملتا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔

Marfat.com

فرمائی ہے، اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے بلکہ حضرت سلطان العلماء کے انتقال کے بعد آپ کا قونیہ آنا اور پھر قیصریہ میں جاکر قیام کرنا تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کچھ دنوں بعد مولاناؒ کی اجازت سے قیصریہ میں جاکر قیام کرنا پڑا۔ اس وقت قیصریہ میں شمس الدین اصفہانی[1] حاکم شہر تھے، انھوں نے آپ کی بہت خاطر و مدارات کی اور بالآخر مرید ہو گئے۔

جب آپ کی مدت عمر آخر ہوئی اور انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے خادم سے گرم پانی طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ باہر نکل کر دروازے بند کر دے اور لوگوں کو خبر کر دے کہ سیدؒ اس عالم سے گذر گئے، خادم کہتا ہے کہ میں دروازے کے کنارے کھڑا رہا کہ دیکھوں کیا کرتے ہیں، آپ نے وضو کیا، کپڑے پہنے اور پھر لیٹ گئے اور فرمایا کہ خدایا تو حاضر و ناظر ہے کہ ایک امانت تو نے میرے سپرد کی تھی لطف فرما کر آ اور اس امانت کو لے لے، یہ کہہ کر جاں بحق ہو گئے، یہ واقعہ ۶۳۷ھ میں پیش آیا۔ انتقال کے وقت یہ اشعار آپ کی زبان پر تھے۔

---

[1] شمس الدین اصفہانی امرائے سلاجقہ میں سے تھے، غالباً اس زمانہ میں قیصریہ کے سوبائی (والی) رہے ہونگے، کیخسرو دوم (غیاث الدین) کے زمانہ میں نائب وزیر تھے، اور باجو خان کے حملہ کے بعد سلاجقہ کے مفید مطلب جو صلح ہوئی وہ زیادہ تر انھیں کی قابلیت و کاردانی کی وجہ سے وقوع میں آئی، بعد میں وزیر ہو گئے تھے۔ کیخسرو دوم کے انتقال کے بعد انھوں نے اس کے بڑے بیٹے عز الدین کیکاؤس کو بادشاہ بنایا، اسکی ماں سے عقد بھی کر لیا، اور اپنے کو مستحکم کرنے کیلئے متعدد امرائے روم کو قتل کرا دیا، مگر ملک پر مغلوں کی سیادت قائم ہو چکی تھی۔ عز الدین کا دوسرا بھائی رکن الدین خاں مغول کے دربار میں پہنچا اور وہاں سے اپنے حسب خواہ فرمان لے آیا، اور اس کے ساتھ یہ حکم بھی لایا کہ شمس الدین کو امرائے مقتول کے اعزا کے حوالہ کر دیا جائے، سلطنت کی جنگ تو تینوں بھائیوں بہت دنوں تک جاری رہی

Marfat.com

اے دوست قبولم کن و جانم بستاں　　مستم کن از ہر دو جہانم بستاں
باہر چہ دلم قرار گیرد بے تو　　آتش بمن اندر زن و آنم بستاں

شمس الدین نے آپ کے عرس میں بہت کچھ خرچ کیا اور آپ کی تربت پر عمارت بنوائی مگر وہ عمارت چند روز میں خراب ہو گئی اور شمس الدین نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری تربت پر کوئی عمارت نہ بناؤ، چہلم کے بعد مولانا کو خبر پہونچائی آپ مع اصحاب زیارت قبر کے لئے تشریف لائے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی جب روم میں تشریف لائے ہیں تو آپ سے بھی ملاقات فرمائی تھی، ملاقات کے بعد لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ

"دریائیست در معارف و حقائق پنہاں رو"

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اور کوئی طاعت و عبادت نہ ہو سکے تو روزے کو ہرگز ترک نہ کرو، روزے کی فضیلت پر آپ بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے، یہ بھی آپ کا قول ہے کہ "آدمی کو اگر تین حالتوں سے باہر دیکھو تو سمجھو کہ فضولی ہے، کھانا اس قدر کھائے جس قدر ضروری ہو، لباس اس قدر ہو کہ گرمی سردی سے محفوظ رہے اور بزرگی اتنی ہی کافی ہے کہ لوگ اسے مسخرہ نہ بنالیں[۱]۔"

حضرت سلطان ولدؒ نے ربابنامہ (ورق ۱۰۴ ب) میں آپ کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے معرفت کے متعلق آپ کے خیال یا مسلک کا اظہار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۶)
مگر شمس الدین کے دشمنوں نے اس حکم کی پناہ لیکر انھیں ۶۴۲ھ/۱۲۲۹ء میں قتل کر ڈالا۔ علاء سپہ سالار صفحہ ۶۲

Marfat.com

"سید برہان الدین محقق را پرسیدند کہ راہ را پایان ہست یا نہ فرمود کہ راہ را پایان ہست اما منزل را پایان نیست زیرا سیر دوست یکے تا بخدا و یکے در خدا آنکہ تا خدا ست بایان دارد زیرا گذراز ہستیست واز دنیا واز خود وایں ہمہ را آخر ہست و پایان اما چوں بحق رسیدی بعد ازاں سیر در علم و معرفت خداست وایں را پایان نیست

حضرت بہاء الدین ولدؒ نے جب انتقال فرمایا ہے اس وقت مولاناؒ کی عمر چوبیس برس کی ہو چکی تھی، آپ علوم ظاہر و باطن میں اپنے والدؒ کے زیر سایہ کمال حاصل کر چکے تھے، مگر طلب علم کا شوق دامنگیر تھا، اس لئے کچھ مدت تک بالاستقلال قونیہ میں قیام نہیں رہا بلکہ تحصیل علم کے لئے آپ برابر حلب، دمشق وغیرہ کا سفر کرتے رہے۔ حضرت بہاء الدین ولدؒ کے انتقال کے بعد مولاناؒ کا پہلا سفر لارندہ کی جانب ہوا، وہاں غالباً ایک برس تک قیام رہا، جب سید برہان الدین ۶۲۹ھ میں قونیہ میں وارد ہوئے تو آپ کی طلب پر مولاناؒ واپس تشریف لائے۔ چونکہ قونیہ میں سید برہان الدین نے سلسلۂ دعوت وارشاد جاری کر دیا تھا اور حضرت بہاء الدینؒ ولد کی خلافت کی خدمت بخوبی انجام دے رہے تھے، اس لئے مولاناؒ کو قونیہ سے باہر جانے کا موقع حاصل ہو گیا اور آپ نے دوسرے ہی سال شام کا ارادہ کر دیا اور اول حلب[1] میں وارد ہوئے، یہاں "سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الظاہر نے قاضی ابو المحاسنؒ کی تحریک سے ۵۹۱ھ

---

[1] حلب ۵۶۹ھ سے ۶۵۸ھ تک خاندان ایوبیہ یعنی اخلاف سلطان صلاح الدین کے ہاتھ میں رہا، مولاناؒ ۶۲۹ھ کے بعد حلب گئے تھے۔

Marfat.com

میں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم کئے تھے، چنانچہ اس زمانہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا تھا[1]"

حلب میں مولاناؒ مدرسہ حلاویہ میں اقامت گستر ہوئے، یہاں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ[2] علوم کیا، لیکن رسالہ سپہ سالارؒ سے معلوم ہوتا ہے مولاناؒ نے صرف اسی ایک مدرسہ پر قناعت نہیں کی بلکہ مختلف مدارس میں تحصیل علم کی، البتہ ابن عدیم سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا، سپہ سالارؒ کے الفاظ یہ ہیں "درعنفوان جوانی بحروسہ حلب درچند مدرسہ بافادت واستفادت ازبندگی مولانا کمال الدین بن عدیم کہ دراصناف علوم وشہرت درعالم نظیر نداشت مشغول[3] بود"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱

ماذا الظاہر کے فرزند الملک العزیز غیاث الدین محمدؒ (۶۱۳ھ - ۶۳۴ھ) کا تھا، غیاث الدین کے بعد اس کا خورد سال فرزند الملک الناصر یوسف دوم اپنی دادی کی تولیت میں فرمانروا ہوا، ۶۴۰ھ میں دادی کے انتقال کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور مملکت کو بہت وسعت دی، کل شام پر قابض ہو گیا مگر ۶۵۸ھ میں ہلاکو خاں نے شہر کو تباہ کر دیا، اس کے بعد مولانا کے انتقال تک کبھی تاتاری، کبھی مصری حلب پر حکمراں ہوتے رہے۔

[2] ابوالمحاسن کا نام بہاء الدین ابن شداد تھا، بہاء الدین اور تمابک طغرل الظاہر کے دست و بازو تھے اور حلب کی ترقی میں الظاہر کے ساتھ ہی ساتھ ان دونوں کا بھی دخل تھا، بہاء الدین ۵۹۱ھ میں حلب میں آئے تھے اور ملک ظاہر اور ملک عزیز کے زمانہ میں بہت بااثر رہے، ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء میں انتقال کیا، مدارس کی تعمیر غالباً ۵۹۱ھ کے بعد ہوئی ہے۔

[1] سوانح مولانا دوم صفحہ ۶

[3] کمال الدین ۵۸۸ھ میں حلب میں متولد ہوئے، دمشق عراق، حجاز میں تحصیل علم کی، الملک العزیز اور ملک الناصر کے وقت میں حلب میں عہدۂ قضا اور من بعد وزارت پر سرفراز ہوئے، ۶۵۸ھ میں جب تاتاریوں نے حلب

Marfat.com

کمال الدین کے نسبت مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ "ملک الامرا حلب کمال الدین ابن عدیم کہ ملک ملک حلب بود، فاضل و علامہ، وکاردان وصاحب دل وروشن دروں ..... [1] اور "سوانح مولانا روم" میں لکھا ہے کہ "اس مدرسہ (یعنی مدرسہ حلاویہ) کے مدرس مولانا کمال الدین ابن عدیم حلبی تھے ..... [2]

ابن عدیم حلب کے بعض مدرسوں میں مدرس ضرور رہے ہیں مگر ملک العزیز ہی کے زمانہ میں آپ قاضی ہو گئے تھے اور پھر وزارت پر سرفراز ہوئے۔ آپ کی نسبت مناقب العارفین کے بعض فقرات "ملک الامرا" بتدریس مشغول می شد" "بعضے از خواص او وطلبۂ علم" "بواب مدرسہ تا نواب ملک" سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ مولانا حلب میں تشریف لائے ہیں اس وقت ابن عدیم خدمتِ وزارت پر فائز تھے۔ اور یہ خدمت ایک عالم کے لئے مانع شغل تدریس نہیں ہے۔

مولانا اگرچہ تحصیل علم میں مشغول تھے مگر آپ کے کمال کا یہ حال تھا کہ بقول سپہ سالار جو مشکل مسائل کسی سے حل نہ ہوتے تھے وہ آپ ہی حل کرتے تھے اور ایسے وجوہ بیان فرماتے تھے جو کسی کتاب میں درج نہ ہوتے تھے [3]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹
کو تباہ کیا الملک الناصر کے ساتھ دمشق چلے گئے، ہلاکو خاں نے انھیں شام کا قاضی القضاۃ مقرر کرکے بلایا مگر یہاں پہنچنے سے قبل ہی ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء میں بمقام قاہرہ انتقال کر گئے۔ [3] سپہ سالار صفحہ ۱۶

[1] مناقب صفحہ ۵۲۔

[2] سوانح مولانا روم صفحہ ۶

[3] سپہ سالار صفحہ ۱۶

Marfat.com

حلب سے مولاناؒ کی روانگی کے متعلق افلاکیؒ نے ایک طولانی روایت دی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ابن عدیم بدیں وجہ کہ مولاناؒ سلطان العلماء کے فرزند تھے، ہر طرح آپ کی خاطرداری کرتے تھے اور آپ کی فطانت وذکاوت کے باعث درس میں بھی آپ کو سب سے مقدم رکھتے تھے، اس سے ابن عدیم کے بعض خواص وطلبہ کو رشک ہوا، مدرسہ کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا آدھی رات کو مدرسہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور دروازہ بند کا بند رہتا ہے۔ کمال الدین کو اس سے تردد ہوا، ایک روز خود بھی چھپ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے، شہر سے باہر پہنچکر مسجد خلیل الرحمٰن کے قریب ایک سفید قبہ نظر پڑا اور وہاں سے غیبان سبز پوش نے نکل کر مولاناؒ کا استقبال کیا، کمال الدین اس ہیبت سے بے ہوش ہو گئے، جب اٹھے تو نہ قبہ تھا اور نہ کوئی نشان، سرگرداں پھرتے رہے، شہر میں ہلچل پڑ گئی، آخر مولاناؒ ہی کی نشاندہی سے لوگوں نے آپ کو پایا، اب کمال الدین کا اخلاص اور بڑھ گیا اور وہ مولاناؒ کے مرید ہو گئے[1] سپہ سالارؒ نے[2] اس روایت کو قدرے تغیر کے بیان کیا ہے مگر اس موقع پر کمال الدین کے بجائے اکمل الدین کا نام لیا ہے لیکن اسے محض لغزش قلم سمجھنا چاہیے۔]

مولاناؒ نے جب دیکھا کہ شہرت بڑھتی جا رہی ہے تو اس اشتہار سے بچنے کے خیال سے آپ دمشق کو روانہ ہو گئے۔

---

[1] مناقب صفحہ ۵۲، ۵۳

[2] سپہ سالار صفحہ ۳۹

Marfat.com

مولاناؒ کی روانگی کے چند ماہ بعد سلطان روم کی طرف سے ملک الادیان بدرالدین یحییٰ کمال الدین کے پاس اس غرض سے آئے کہ مولاناؒ کو واپس لے جائیں، مگر مولاناؒ دمشق کو جا چکے تھے، کمال الدین نے واقعہ مذکورہ بدرالدین سے بیان کیا اور بدرالدین نے واپس جاکر سلطان سے عرض کیا، اس سے سلطان اور اہل قونیہ کی عقیدت اور بڑھ گئی[1]

مولاناؒ کس سنہ میں حلب سے روانہ دمشق ہوئے اس کی کوئی قطعی تاریخ کہیں مذکور نہیں ہے مگر مناقب العارفین میں دو روایتیں ایسی موجود ہیں جن سے تاریخ کا تعین ہو سکتا ہے مگر وہ تاریخ حالات کے خلاف پڑتی ہے وہ دونوں روایتیں حسب ذیل ہیں۔

اکمل الدین کی روایت ہے کہ میں مولانا کے ساتھ حلب میں تھا ایک روز میں بازار گیا اور بقال سے کچھ خرید کیا، اس نے مجھے گالی دی، میں نے مولاناؒ سے شکایت کی، سخت رنجیدہ ہوئے، فرمایا کہ یہاں سے سفر کرنا چاہیے، مغلوں کا لشکر آرہا ہے اور حلب کو تباہ کرے گا۔ ہم لوگ مع دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، اس کے بعد ہی مغلوں کا لشکر آیا اور حلب کو برباد کیا اور اس بقال کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

---

[1] مناقب صفحہ ۵۴۰-۵۴۳۔ اس موقع پر صاحب مناقب العارفین نے سلطان روم کا نام عزالدین بتایا ہے۔ مگر سلاطین روم میں ایک عزیز الدین تو علاؤ الدین سے قبل ہوا ہے۔ جس کا زمانہ ۶۱۰ھ کے پہلے تھا، دوسرا رکن الدین کا بھائی عزالدین تھا اور اس کا زمانہ ۶۴۳ھ سے ۶۵۵ھ تک سمجھنا چاہیے، پس ۶۳۰ھ کے قریب ان دونوں میں سے کوئی عزالدین سلطان روم نہیں تھا، ضرور ہے کہ علاؤ الدین ہی رہا ہو، خود مصنف نے "مگر عزالدین" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی نسبت فصل سوم میں مولانا کے آخری سفر دمشق سے واپس آنے کی کیفیت بھی دیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

اکمل الدین ہی کی دوسری روایت ہے کہ راہ شام میں مولاناؒ کی کرامت و شجاعت کا ایک دوسرا مشاہدہ ہوا، ایک مقام پر ساربان نے منزل کرنا چاہی، مولاناؒ نے اجازت نہ دی، اس نے اصرار کیا، مولاناؒ نے ایک گھونسہ مارا اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر کندھے پر اٹھالیا اور اسی طرح ایک کوس کے قریب چلے گئے اور ایک سبزہ زار میں قیام کیا، فرمایا کہ بیوقوف تجھے ہم پر رحم آیا، اپنے اونٹوں پر تو رحم آیا ہوتا کیونکہ وہ جگہ بالکل خشک تھی اور وہاں آج مغول قیام کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان دونوں روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولاناؒ حلب سے اسی زمانہ کے قریب دمشق کو روانہ ہوئے ہیں جب مغلوں نے حلب پر قبضہ کیا ہے مگر واقعات سے کسی طرح اس کی مطابقت نہیں ہوسکتی۔

مولاناؒ کے قونیہ میں اقامت گستر ہونے کے بعد حلب دو مرتبہ تباہ ہوا ہے۔ اولاً ۶۳۸ھ میں خوارزمیوں نے اسے غارت کیا اور پھر ۶۵۸ھ میں مغلوں نے تاراج کیا، یہ دونوں سنین مولاناؒ کی روانگی دمشق سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ آگے چل کر معلوم ہوجائے گا کہ مختلف روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولاناؒ اغلباً ۶۳۱ھ میں حلب سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے ہیں، مغلوں کے حلب کو برباد کرنے کے زمانہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے مگر یہ زمانہ سخت فتنہ و آشوب کا زمانہ تھا، حلب کے قریب سے لشکروں کا عبور و مرور برابر جاری تھا[1]، ۶۲۹ھ میں الملک العزیز محمد بن الظاہر حلب کا فرمانروا ہوا ہے، اس کے دوسرے ہی سال (۶۳۰ھ میں) فاطمہ خاتون کو

---

[1] اس بحث کے لئے تاریخ ابوالفداء جزو ثالث صفحات ۱۵۱-۱۵۶ دیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

(جو الملک الظاہر سے منسوب تھی) لئے ہوئے حلب کی طرف ایا دوسری سال ۶۳۰ھ
ادھر سے واپس ہوا اور اسی ۶۳۰ھ میں الملک الظاہر حلب سے نکل کر شیراز پر حملہ آور ہوا۔ اور اس پر قبضہ کر لیا
پھر دوسرے سال (۶۳۱ھ میں) الملک الکامل روم پر حملہ کرنے کے خیال سے مصر
سے نکلا اور خاندان ایوبیہ کے دیگر فرمانروا بھی اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے، جن
میں حلب کی جانب سے تورانشاہ شریک ہوا، ۶۳۲ھ میں ان لشکروں کی واپسی
عمل میں آئی، دوسری طرف جلال الدین خوارزمشاہ کے بعد خوارزمی امرا خراسان کو اپنا
مستقر بنا کر شام پر یورشیں کر رہے تھے، غرض کہ حلب کے قرب وجوار سے فوجوں کا حمل
برابر جاری تھا، افلاکیؒ نے مذکورۂ بالا روایتیں ان کے وقوع سے تقریباً سو برس
بعد سپرد قلم کئے ہیں، ان کا مقصود تاریخی جزئیات کی تحقیق سے نہیں تھا، مولاناؒ کی کرامات
کا اظہار مدنظر تھا، "تباہی" اور "تاتاری" مرادف الفاظ ہو گئے تھے، ناقل روایت
نے تاتاریوں کا نام لے لیا، جامع روایات نے اسی طرح درج کر دیا، پس تاتاریوں کی
قید کو حذف کر کے روایت دوم سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ مولانا جن دنوں حلب سے
دمشق کو جا رہے تھے انھیں دنوں میں کوئی لشکر بھی اس راستہ سے گزر رہا تھا، اور قرائن
متقاضی اس کے ہیں کہ یہ الملک الکامل یا اس کے معاونین میں سے کسی کا لشکر رہا ہوگا، جو
دمشق و حلب کی جانب سے سرحد روم کی طرف بڑھ رہا یا واپس جا رہا تھا اور یہ ۶۳۱ھ
(یا ۶۳۲ھ) کا واقعہ ہے۔

مولاناؒ حلب سے شام کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، راستہ میں یہ
قافلہ ایک کھو (مغارہ) کے پاس ٹھہرا، اس کھوہ میں چالیس راہب رہتے تھے! ان راہبوں
نے اپنی کرامات دکھانا چاہی مگر آخر مولاناؒ کے سامنے اظہار عجز کرنا پڑا اور سب کے

Marfat.com

سب مسلمان ہو گئے اور بحکم مولاناؒ وہیں رہ کر آیندو روند کے خدمات بجالاتے رہے[۱] (اس کی تفصیل فصل چہارم میں منقول ہے)

مولاناؒ نے دمشق پہنچکر "مدرسہ مقدسیہ[۲]" میں قیام فرمایا اور بجد تمام تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے مگر سپہ سالار[۳] کی روایت ہے کہ آپ مدرسہ "برانیہ" میں رہتے تھے (لیکن اس مدرسہ کا کچھ حال[۴] معلوم نہیں ہوتا) سپہ سالار نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مدرسہ کا وہ حجرہ جسمیں مولاناؒ مقیم رہتے تھے اس وقت تک (یعنی سپہ سالارؒ کے زمانہ تک) خضرؑ سے منسوب ہے کیونکہ حضرت خضرؑ مولاناؒ سے ملنے کے لئے اس حجرہ میں تشریف لایا کرتے تھے، دمشق میں مولاناؒ کن کن علماء سے فیوض حاصل کئے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے مگر اس قدر مسلّم ہے کہ اس زمانہ میں علمائے اسلام کا جو اجتماع دمشق میں تھا وہ کہیں اور نہیں تھا، ضرور ہے کہ مولاناؒ نے ان میں سے برترین افراد سے استفادہ کیا ہو اور یہ تو اغلب بلکہ یقین ہے کہ ان میں سے اکثروں کی صحبت میں رہے ہوں گے۔ دیگر علماء کے سوا، سپہ سالارؒ نے بالصراحت یہ لکھا ہے کہ دمشق میں

---

[۱] مناقب صفحہ ۵۵

[۲] مناقب صفحہ ۵۵

[۳] سپہ سالار صفحہ ۱۴

[۴] سوانح مولانا روم صفحہ

Marfat.com

شیخ محی الدینؒ عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمانؒ رومی، شیخ اوحدالدینؒ کرمانی، شیخ صدرالدین قونوی سے مولاناؒ کی صحبت رہا کرتی اور باہم گر حقائق و معارف بیان ہوتے تھے [1]

حضرت شمس الدین تبریزی سے مولاناؒ کی ملاقات کے مفصل واقعات آگے آئینگے، یہاں دمشق کے تعلق سے ایک روایت کا ذکر بے محل نہ ہوگا، وہ یہ کہ مولاناؒ ایک روز میدان دمشق میں سیر کر رہے تھے کہ ایک عجیب الہیئت شخص کو دیکھا کہ سیاہ نمد پہنے ہوئے گھوم رہا ہے، جب مولاناؒ کے قریب پہنچا تو دست مبارک کو بوسہ دیکر کہا کہ "صراف عالم مرا دریاب" مولاناؒ جب تک ادھر متوجہ ہوں وہ لوگوں کے ہجوم میں غائب ہوگیا، کہتے ہیں کہ یہ شمس الدینؒ تبریزی تھے اور یہیں پہلی مرتبہ مولاناؒ نے آپ کو دیکھا تھا [2]۔

---

[1] سپہ سالار

[ان بزرگوں میں سے شیخ عثمان رومی کا حال معلوم نہو سکا، بقیہ اصحاب کے حالات کے لئے فصل پنجم (عنوان مشائخ) دیکھنا چاہیے۔

[2] مناقب ص۵۶، لیکن مناقب ہی میں (ص۳۷۲ پر) بذیل حالات حضرت شمس الدین یہ درج ہے کہ "روزے درمیان مردم در شہر دمشق حضرت مولاناؒ دست مبارک حضرت شمس الدینؒ را گرفت فرمود کہ صراف عالم مرا دریاب، تا نہ عالم استغراق مولاناؒ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ بخود آید مولاناؒ رفتہ بود۔"

Marfat.com

قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا نے دمشق میں کتنی مدت قیام فرمایا گیرا فلاکی نے یہ لکھا ہے کہ "گویند کہ قریب ہفت سال مقیم دمشق بود و گویند چہار سال بود"[1] یہ معلوم ہے کہ مولاناؒ سید برہان الدینؒ سے قیصریہ میں ملتے ہوئے قونیہ آئے تھے اور سیدؒ بھی مولاناؒ کے ہمراہ یا آپ کے کچھ زمانہ بعد قونیہ آ گئے تھے اور پھر کچھ مدت بعد قونیہ سے آخری مرتبہ رخصت ہوئے ہیں، ۶۳۶ھ میں قیصریہ میں تھے اور جب ۶۳۷ھ میں سیدؒ کا انتقال ہوا ہے اس وقت مولاناؒ قونیہ ہی سے آپ کی زیارت قبر کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ ان تمام واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دمشق میں مولاناؒ کا قیام چار ہی برس رہا ہے، اور آپ ۶۳۶ھ یا ۶۳۵ھ تک قونیہ واپس آ گئے تھے۔

بہرحال تحصیل علم کی غرض سے دمشق میں مولاناؒ کا قیام ۶۳۱ھ اور ۶۳۵ھ کے درمیانی زمانہ میں رہا ہے۔ پھر (غالباً ۶۴۵ھ کے بعد) آپ حضرت شمس الدینؒ کی جستجو میں دمشق تشریف لے گئے تھے اور بقول سلطانؒ ولد دو مرتبہ گئے تھے، علاوہ ازیں جب آپ اپنے والدؒ کے ہمراہ (سنہ ۶۱۰ھ - ۶۱۴ھ) حجاز سے ہوتے ہوئے آذربیجان وغیرہ کی طرف گئے اور شام سے بھی گزر ہوا، اس وقت بھی دمشق میں قیام ہوا تھا، آگے

---

[1] مناقب ص ۵۵-۵۶ اس موقع پر مناقب العارفین کے مطبوعہ نسخہ قلمی کی غلطی وجہ سے ایک عجیب دشواری پیش آ گئی ہے، مطبوعہ نسخہ کی عبارت یہ ہے کہ "گویند قریب ہفت سال مقیم دمشق بود و گویند چہل سالہ بود" مولاناؒ کی ولادت ۶۰۴ھ میں مسلم ہے، پس آپ کی عمر ۶۴۴ھ میں چالیس برس کی پہنچی ہوگی، ۶۴۴ھ تک شمس تبریز کی ملاقات اور رفیت اول کا زمانہ بھی گذر چکا تھا، صحیح عبارت قلمی نسخہ کی وہ ہے جو اوپر نقل ہوئی، اسی مطبوعہ نسخہ کی بنا پر سوانح مولانا روم صفحہ میں یہ لکھ گیا ہے کہ مناقب العارفین لکھا ہے کہ "مولاناؒ نے سات برس تک دمشق میں رہ کر علوم کی تحصیل کی اور اسوقت تک مولاناؒ کی عمر چالیس برس کی تھی" لیکن یہ صریحاً واقعات کے خلاف ہے

Marfat.com

چلکر (فصل چہارم) میں ایک کرامات کے ذیل میں ۶۵۸ھ کے قریب ظاہراً یا باطناً آپ کے دمشق میں ہونے کا ذکر آئے گا، مختلف واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ دمشق سے مولاناؒ کی دلچسپی آخر تک قائم رہی۔

سلطان ولدؒ کے حالات میں مذکور ہے کہ مولاناؒ جب دمشق میں تحصیل علوم میں مشغول تھے تو سلطان ولدؒ کو بھی بغرض تعلیم اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ حضرت شمس الدینؒ جب پہلی بار قونیہ سے چلے گئے تھے تو سلطان ولدؒ ہی دمشق جاکر حضرت شمسؒ کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اور حضرت شمسؒ کی دوسری غیبت کے بعد مولانا کے ہمراہ (شاید تنہا بھی) دمشق کو گئے تھے۔

ان جملہ اعتبارات سے نامناسب نہوگا کہ اس زمانہ میں دمشق کی جو کیفیت رہی ہے اس کا بھی کچھ مختصر ذکر کر دیا جائے، دمشق اس تمام دوران میں خاندان ایوبی کی مختلف شاخوں کے زیر حکومت رہا ہے، نورالدین محمود بن زنگی والیٔ حلب ۵۴۹ھ میں دمشق پر قابض ہوا اس کے بعد ۵۶۹ھ سے ۵۸۹ھ تک مشہور سلطان صلاح الدین بن ایوب دمشق پر حکمراں رہا، صلاح الدین کے بعد خاندان ایوبی مصر، دمشق، حلب، عراق، حماۃ، حمص، عرب سات شاخوں میں منقسم ہوگیا، ان خاندانوں میں باہم بہت خانہ جنگیاں رہیں اور دمشق کی حکومت مختلف ہاتھوں میں آتی جاتی رہی لیکن جس زمانہ سے ہمیں بحث ہے اس میں دمشق کی حکومت فرمانروایان ذیل کے ہاتھوں میں رہی۔

الملک الاشرف موسیٰ (عراق) ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء، الملک الصالح اسمٰعیل (دمشق) ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء، الملک الکامل (مصر) ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء، الملک العادل (مصر) ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء، الملک الصالح (مصر) ۶۳۷ھ/۱۲۴۰ء، الملک الصالح اسمٰعیل (بارثانی) ۶۳۷ھ/۱۲۴۰ء، الملک الصالح (مصر) ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء، الملک المعظم (مصر) ۶۴۶ھ/۱۲۴۹ء، الناصر صلاح الدین یوسف (حلب) ۶۴۸ھ/۱۲۵۰ء،

۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء میں مغلوں نے دمشق کو تباہ کیا اور خاندان ایوبی کا خاتمہ ہوگیا مگر بہت جلد مملوکیوں سے شکست کھاکر مغلوں نے شہر کو خالی کر دیا اور دمشق مملوکیوں کے مشہور سلطان الظاہر رکن الدین بیبرس (بندقدار) کے قبضہ میں آگیا اور مولاناؒ کے

Marfat.com

بعد (یعنی ۱۲۷۶ء) تک اسی کے قبضہ میں رہا۔

لیکن ان تمام ردّ بدل اور جنگہائے صلیبی کی پریشانیوں کے باوجود دمشق اندرونی اعتبار سے برابر ترقی کرتا گیا۔ خاصکر قیام مدارس کی کچھ ایسی ہوا چل گئی تھی کہ بادشاہ، شہزادے، شہزادیاں، امرا سب کو قیام مدارس کی ایک دھن سی لگی ہوئی تھی مشہور مدرسہ نوریہ جسمیں ابن عساکر[1] درس دیتے تھے، نورالدین زنگی کی یادگار تھا، صلاح الدین کے زمانہ میں جب ابن جبیر دمشق میں آئے ہیں اسوقت بیس مدارس قائم ہو چکے تھے، صلاح الدین کے بعد خانہ جنگی کی ابتریوں کے باوجود قیام مدارس میں برابر سرگرمی رہی، یہ شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ان فرمانروایوں کی قبریں انھیں مدرسوں میں ہوتی تھیں، چنانچہ نورالدین مدرسہ نوریہ میں مدفون ہوا، صلاح الدین پہلے قلعہ کے اندر دفن ہوا مگر چھ ماہ بعد اس کی لاش مدرسہ عزیزیہ میں منتقل کر دی گئی۔

غرض کثرت مدارس اور اپنی جائے وقوع کی وجہ سے دمشق اس زمانہ میں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا تھا، مولانا کو دمشق سے جو الفت تھی اس کا اظہار اس غزل سے ہوتا ہے جس کا مطلع ہے ؎

عاشق دگشتہ سودائے دمشقیم (اس غزل کی پوری بحث فصل سوم میں آئی ہے)

غرض ۶۳۴ھ یا ۶۳۵ھ میں دمشق سے واپس آکر قونیہ میں مستقل قیام اختیار کیا، اور اس کے بعد شمس تبریز کی جستجو میں نکلنے سے قبل صرف آپنے ایک سفر قیصریہ کا ۶۳۷ھ میں کیا، صاحب اصفہانی نے جب آپ کو سید برہان الدینؒ کے انتقال کی خبر دی تو آپ مع اصحاب کے قیصریہ روانہ ہوئے، سیدؒ کے مزار کی زیارت کی، شمس الدین نے سیدؒ کی تمام چیزیں اور کتابیں آپ کے سامنے پیش کیں جو چیزیں مطلوب تھیں وہ لے لیں، کچھ

---

[1] ۴۹۹ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں ۵۷۱ھ میں انتقال کیا، دمشق کی تاریخ اسی جلدوں میں لکھی ہے جن میں سے دو جلدیں ۱۳۲۹ھ میں دمشق ہی میں طبع ہوئی ہیں۔ کتاب یکجا کہیں موجود نہیں ہے، مختلف اجزاء بعض بعض کتب خانوں میں ہیں۔

Marfat.com

چیزیں یادگار کے طور پر شمس الدین کو دیدیں اور پھر قونیہ واپس آگئے۔

مولاناؒ جب دمشق سے واپس آکر قونیہ میں مستقل اقامت پذیر ہوئے ہیں، اس وقت علاؤالدین کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا غیاث الدین (۶۳۴ھ تا ۶۴۳ھ) تخت سلطنت پر متمکن تھا، غیاث الدین کے عزالدین کیکاؤس حکمراں ہوا ہے، اس عزالدین کی نسبت مناقب العارفین میں منقول ہے کہ[1] اس نے مولاناؒ کی جانب وہ التفات نہ کیا جو علاؤالدین کا تھا بلکہ وہ اپنے وزیر شمس الدین اصفہانی سے بھی تعرض کیا کرتا تھا کہ آخر مولاناؒ میں کیا ایسی بات ہے کہ تمام مشائخ کو چھوڑ کر تم ہمہ وقت انھیں کی طرف متوجہ رہتے ہو، اصفہانی نے جب سلطان کو مفصل سمجھایا تو خود سلطان کے دل میں بھی ارادت پیدا ہو گئی، اسی دن صحرائے قونیہ میں اپنے خواص کے ساتھ کوشک قلوبار میں سیر کو گیا، وہاں دریا کے کنارے سانپ کا ایک بچہ نظر پڑا اسے اٹھا کر پوشیدہ طور پر اپنے پاس رکھ لیا اور پھر ایک سونے کا ڈبہ منگا کر اس میں بند کیا۔ مجلس میں آکر اپنے وزرا و امرا سے کہا کہ قیصر استنبول نے دیگر تحائف کے ساتھ یہ ڈبہ بھی بھیجا ہے اور کہلایا ہے کہ اگر آپ کا دین برحق ہے تو آپ کے علما یہ بتائیں کہ اس ڈبہ میں کیا ہے، سب حیران ہو گئے، پھر پروانہ کو حکم دیا کہ اس ڈبہ کو شیوخ و قضاۃ قونیہ کے پاس لے جائے اور پوچھے کہ اس میں کیا ہے، کسی سے یہ معما حل نہ ہوا، آخر اصفہانی کی رائے کے بموجب خود سلطان اسے لے کر مولانا

---

[1] ذکر شیخ صلاح الدین نسخہ قلمی۔ مناقب العارفین میں سلطان روم عزالدین کیکاؤس فرزند علاؤالدین کیقباد لکھا ہے مگر عزالدین کیقباد کا بیٹا نہیں بلکہ پوتا تھا۔

Marfat.com

کی خدمت میں آیا، اس وقت شیخ صلاح الدینؒ مولاناؒ کے پہلو میں مراقب بیٹھے تھے۔ مولاناؒ نے انھیں کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے فرمایا کہ "اے سلطان اسلام" جانور بیچارے کو کیوں ڈبہ میں بند کیا ہے سانپ کے بچے کو اپنا یار بنایا ہے اور مردان خدا کا امتحان کرتا ہے، یہ طریق مروت سے بعید ہے، انھیں آسمان وزمین کے ذرے ذرے کی خبر ہے، یہ ایک ڈبہ کیا چیز ہے" سلطان اسی وقت مولاناؒ کا مرید ہو گیا اور پھر بغایت آپ کی تعظیم وتکریم کرنے لگا اور شمس الدینؒ کا نہایت درجہ شکر گزار ہوا۔

مولاناؒ اگرچہ مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے مگر آپ کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت میں یہ امر داخل تھا کہ آپ ہمیشہ کسی نہ کسی رفیق کے خواہاں ہوا کرتے تھے اور اس کے بغیر آپ کے دل کو نہایت درجہ پریشان وبے قرار رہنے لگے سلطان ولدؒ نے اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

ماند بے او جلال دیںؒ تنہا	روز وشب کرد روے سوے خدا
خواب وخور را دراں ہوس بگذاشت	علم حبت وجوے را افراشت
پنج سال اینچنیں ریاضت کرد	از سر صدق وسوز و نالہ ودرد
عمل ودرد را چوں کرد قریں	رفت ہمچو ملک بچرخ بریں
بے عدد شد کرامتش پیدا	پیش ہر پیرو نزد ہر ہر نا
دہ ہزارش مرید بیش شدند	گرچہ اول زصدق دور بدند

.....

وعظ گفتے زجود بر منبر — گرم وگیرا چو وعظ پیغمبرؐ

Marfat.com

.....

درچنیں دعوت و بحق مشغول عاشقاں رامراد ازو محصول

پس سیّد برہان الدین کے انتقال اور شمس الدینؒ تبریزی کی آمد کے مابین پانچ برس کا جو زمانہ گزرا یہ زمانہ مولاناؒ کے علمائے ظاہر کے لباس میں رہنے کا آخری زمانہ تھا، اس وقت تک علاء الدین کیقباد کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو سریر سلطنت پر متمکن تھا، ملک روم پر مغلوں کی یورش شروع ہو گئی تھی مگر خود قونیہ ہنوز محفوظ تھا، اس اثنار میں ۶۳۸ھ میں شیخ محی الدین ابن عربی کا انتقال ہو گیا اور جو بزم علمی آپ کے گرد جمع تھی اس کے اکثر افراد قونیہ میں آ گئے تھے جن میں شیخ صدرالدین بھی تھے، مشرق کی طرف سے جو علمار و فضلا وہاں کی تباہیوں سے پریشان ہو کر روم کا رخ کرتے تھے وہ بھی اکثر قونیہ ہی کو اپنا ملجا و ماوٰے بناتے تھے، اس طرح قونیہ اس زمانہ میں مدینۃ العلماء بن گیا تھا اور ان علمار میں مولاناؒ کی حیثیت سب سے بلند تھی۔

مولاناؒ نے علوم ظاہر میں انتہائی کمال بہم پہنچا لیا تھا، "الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ" محی الدین ابو محمد عبدالقادر کی تصنیف اور نہایت درجہ مستند کتاب ہے۔ اس میں مشہور علمار حنفیہ میں مولاناؒ کو بھی شمار کیا ہے اور آپ کے نسبت یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔

"کانَ عالمًا بالمذہب، واسع الفقہ، عالمًا بالخلاف وانواع العلوم"[1]

اس زمانہ میں مولاناؒ کے وہی اشغال تھے جو علمائے ظاہر کے ہوتے ہیں، یعنی درس و تدریس، وعظ و تذکیر، اور فتویٰ نویسی۔

---

[1] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ

Marfat.com

مولاناؒ کا مدرسہ حضرت سلطان العلماء کے زمانہ ہی میں قائم ہو چکا تھا، مولاناؒ اسی مدرسہ میں درس دیتے تھے اور بقول علمائے یورپ چار مدرسوں میں پروفیسر (مدرس) تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ بہت زیادہ وقت شغل تدریس میں صرف کرتے تھے۔ خود آپ کے مدرسہ میں چار سو سے زیادہ طلبہ تھے، بانی مدرسہ امیر بدرالدین گھرتاش نے مدرسہ کے لئے جو کچھ وقف کیا ہو وہ تو تھا ہی، سلاطین روم کے نزدیک مولاناؒ کا جو درجہ تھا۔ اس سے لامحالہ مدرسہ کو بیش قرار مدد ملتی رہی ہوگی، سلاطین کے علاوہ امرا بھی حسب رفتار زمانہ مدارس کی امداد لازمۂ امارت سمجھتے تھے، چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ اس مدرسہ کا عامر خانہ امیر تاج الدین نے تین ہزار کے صرف سے بنوایا تھا۔

درس و تدریس کے علاوہ مولاناؒ کا دوسرا شغل یا فرض وعظ کہنا تھا، وعظ اکثر اپنے مدرسہ ہی میں فرمایا کرتے تھے، گاہ بگاہ دوسرے مقامات پر بھی لوگوں کی استدعا پر وعظ کہا کرتے تھے۔

"اس زمانہ میں وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ قاری، قرآن کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور واعظ انھیں آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا[1]"، مولاناؒ کے وعظ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اس کے متعلق ایک واقعہ فصل چہارم میں مذکور ہے، اسے دیکھنا چاہیے کہ کیونکر ایک شخص کے دلی خطرے سے آگاہ ہو کر مولانا نے والضحیٰ کی تفسیر شروع کی اور صرف "واو" کی تفسیر میں عصر کا وقت ہو گیا مگر[2] یہ واقعہ غالباً اس زمانہ کا ہے جب مولاناؒ علمائے ظاہر کا لباس ترک کر چکے تھے۔

---

[1] سوانح مولانا روم صفحہ ۳۹

[2] مناقب صفحہ ۱۰۶

Marfat.com

اس روایت کے ساتھ ہی مناقب العارفین میں یہ بھی درج ہے کہ اس کے بعد سے مولانا نے اس طریق پر وعظ کہنا ترک کر دیا، اور دوسرے طریق پر تذکیر و تقریر جاری رکھی یعنی فیوض باطنی سے مستفید فرماتے رہے۔

مولاناؒ کے والدؒ کے حالات میں مذکور ہو چکا ہے کہ تمام اقصائے خراسان سے مشکل فتاوے آپ کی خدمت میں آتے رہے، یہی حال مولاناؒ کا تھا، جس زمانہ میں آپ حلب و دمشق میں تھیں علوم میں مشغول تھے، اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ جو مسائل دوسروں سے حل نہ ہوتے تھے، انھیں مولاناؒ کی طرف رجوع کرتے تھے، قونیہ میں جب آپ نے مستقل اقامت اختیار کی تو فتوے نویسی کا شغل بھی مستقل ہو گیا، بیت المال سے مولاناؒ کے لئے ایک دینار مقرر تھا، اسے اسی فتویٰ نویسی کا معاوضہ تصور فرماتے تھے اور اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ جب فقر کا رنگ غالب ہوا اور مجالس میں مستغرق رہنے لگے، اس وقت بھی یہ حکم تھا کہ جس وقت کوئی فتوے آئے فوراً خبر کی جائے، قلمدوات ہمہ وقت مہیا رہتا تھا، چاہے کیسے ہی عالم استغراق میں ہوں فتوے کا جواب فی الفور تحریر فرما دیتے تھے۔ اور یہ اہتمام اس لئے تھا کہ بیت المال سے جو رقم ملتی تھی وہ جائز ہو جائے (اس حالت استغراق میں جو فتاوے لکھے ہیں ان میں سے بعض کا ذکر فصل چہارم میں ہوا ہے وہاں دیکھنا چاہئے)

ان تمام حالات کو اگر مولاناؒ کے والدؒ بزرگوار کے حالات سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے والدؒ کے نقش قدم سے سرمو تجاوز نہیں فرماتے تھے، درس و تدریس، وعظ گوئی، فتویٰ نویسی، دعوت و ارشاد، ریاضات و مجاہدات، تعلق مدارس، شان علمائے ظاہر، یہ تمام باتیں وہی تھیں جو حضرت بہاء الدینؒ ولد میں تھیں، یہ حالت ۶۴۲ھ تک قائم رہی۔ اس کے بعد مولاناؒ کی زندگی میں وہ انقلاب

Marfat.com

عظیم واقع ہوا جس نے مولاناؒ کو فقر و تصوف کی صف میں سب سے الگ نمایاں کر دیا اور آپ خود ایک سلسلہ (جلالیہ یا مولویہ) کے بانی ہوئے جو اس وقت تک قائم ہے اور الیٰ یوم القیام قائم رہے گا۔ انشاءاللہ۔

Marfat.com

فصل سوم

قِرانُ النَّیرَین

Marfat.com

۶۴۲ھ میں مولاناؒ کی حالت میں دفعتہً جو تغیر واقع ہوا اور آپ کی زندگی کے آخری تیس برس جس عالم میں گزرے اس کی ابتدا دلی مستور شمس الدینؒ تبریزی کی ملاقات سے ہوئی ؎

چونکہ دورِ شورش انگیزی رسید　　دورۂ شہ شمسؒ تبریزی رسید

اس ملاقات کے متعلق روایتوں میں نہایت درجہ اختلاف ہے مگر تمام روایتوں کی تنقیح کرنے سے نفس واقعہ مستند طور پر برآمد ہو جاتا ہے اور اس میں کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن مولاناؒ اور شمس تبریزؒ کی ملاقات کے بیان سے قبل مناسب ہے کہ خود حضرت شمسؒ تبریز کا کچھ حال

Marfat.com

مختصراً بیان کر دیا جائے۔

حسن بن صباح نے جب ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں قلعہ الموت پر قبضہ کر کے فرقہ اسمٰعیلیہ کی بنیاد مستحکم کر دی تو خود اپنے دونوں لڑکوں کو عدم اطاعت کے جرم میں قتل کر ڈالا۔ اور اپنے رفیق طریق کیا بزرگ امید کو اپنا جانشین مقرر کیا، اسی کیا بزرگ کی چوتھی پشت میں جب جلال الدین (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں) منصبِ "امامت" پر فائز ہوا تو اس نے اپنے بزرگوں کا طریقہ ترک کر کے صحیح اسلامی عقائد اختیار کئے اور "نو مسلمان" کے لقب سے مشہور ہوا۔

حضرت شمس الدینؒ کے نسبت عام روایت یہی ہے کہ آپ اسی جلال الدین "نو مسلمان" کے فرزند تھے[1]۔ مگر نفحات الانس[2] میں آپ کے والد کا نام ملک داد تبریزی لکھا ہے اور یہی نام خزینۃ الاصفیا[3] میں بھی ہے اور صاحب مجمع الفصحاء نے علی بن داؤد تبریزی لکھا ہے۔ مناقب العارفین نسخہ قلمی میں شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد لکھا ہے اور بقول دولت شاہ بعض کا یہ خیال تھا کہ آپ تبریز کے کسی بزاز کے فرزند تھے۔

غرض آپ کا سلسلۂ نسب غیر متیقن ہے، سلطان ولدؒ کی مثنوی میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے مخالفین نے جہاں اور الزامات آپ پر لگائے تھے وہاں ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ کا نسب نامعلوم ہے ؎

نے ورا اصل و نے نسب پیداست　　می ندانیم ہم کہ او ز کجاست

تاریخوں میں جلال الدین نو مسلمان کے صرف ایک فرزند کا نام دیا ہے اور وہ علاء الدین ہے، جن لوگوں نے حضرت شمس الدینؒ کو علاء الدین کا فرزند قرار دیا ہے وہ اس پر صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ۔

---

[1] دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں حضرت شمس الدینؒ کو علاء الدین کا بیٹا بتایا ہے اور علاء الدین کے نسبت لکھا ہے کہ "از نژاد کیا بزرگ امید است کہ دلیل اسماعیلیاں بود و خواند علاء الدین از کیش آباو اجداد تبرا نمود و دفتر رسائل ملاحدہ را بسوخت و شعار اسلام از قلاع و بلاد ملاحدہ ظاہر ساخت" لیکن یہ صریح غلطی ہے، علاء الدین جلال الدین کا بیٹا تھا اور وہ ملحد ہو گیا تھا، تو مسلمان جلال الدین ہی تھا۔

Marfat.com

جلال الدین نے آپ کو تحصیل علم کے لئے خفیہ طور پر تبریز میں بھیجدیا تھا اور چونکہ آپ غایت درجہ حسین تھے نااہلوں کی نظر سے بچانے کے لئے آپ کو عورتوں میں رکھا گیا اور ان عورتوں ہی میں آپ نے زردوزی کا کام سیکھا، اسی وجہ سے "زردوز" مشہور ہوا۔

علیٰ ہذا آپ کے وطن کے نسبت بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ آپ خاص تبریزی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آپ کی اصل خراسان سے ہے، آپ کے والد بسلسلۂ تجارت تبریز میں آئے تھے اور آپ وہیں متولد ہوے، سپہ سالارؒ نے مجمل فقرہ لکھدیا ہے کہ "مسکن ایشان بہ تبریز بود"[1]

مجمع الفصحا اور نفحات الانس میں خود آپ کے نام میں بھی اختلاف ہے، مجمع الفصحا میں شمس الدین محمد بن علی بن ملک داد تبریزی لکھا ہے اور نفحات الانس میں شمس الدین علی بن ملک داد تبریزی ہے مگر مجمع الفصحا کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا نام محمد تھا، مناقب العارفین کی ایک روایت سے اس کی توثیق ہوتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ "مولانا بہاء الدین کا ایک مرید تھا، آپ اس سے کچھ ناخوش ہو گئے تھے مگر پھر معاف کر دیا تھا، لیکن وہ اثر اس سے زائل نہیں ہوتا تھا، ایک روز بازار میں مولانا شمس الدینؒ کا سامنا ہو گیا، اس شخص نے کہا کہ "لا الہ الا اللہ" "شمس الدین رسول اللہ" لوگوں نے ہجوم کر کے اسے گھیر لیا، اتفاق سے حضرت شمس الدینؒ بھی آنکلے، اس کا ہاتھ پکڑ کر علیحدہ لے

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸

اور اسی نے کتابیں جلائی تھیں۔ جلال الدین کا زمانہ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء سے ۶۲۸ھ/۱۲۲۰ء تک رہا، ملاحظہ ہو تاریخ گزیدہ صفحہ ۳۲۴/۳۲۵ تاریخ کامل (ابن اثیر) جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۶ (دما سبق) المختصر فی احوال البشر (ابو الفدا) جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ و صفحہ ۱۳۱

تعجب ہے کہ صاحب "سوانح مولانا رومؒ" نے بھی دولت شاہ کی تقلید میں یہ لکھ دیا ہے کہ شمس تبریزؒ کے والد کا نام علاء الدین تھا، وہ کیا بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا لیکن انھوں نے آبائی مذہب ترک کر دیا تھا ص ۱۲

[1] ص ۶۳ [2] ص ۳۰۲ ، [3] ص ۲۶۸

Marfat.com

گئے اور کہا کہ آخر میرا نام تو محمد ہی ہے، محمد رسول اللہ کہنا چاہیے تھا، لوگ غیر مسکوک سونا نہیں لیتے۔"[1]

قیاس یہ چاہتا ہے کہ شمس الدین محمد بن علی بن ملک داد میں لغزش قلم ممکن ہے اور کسی نسخہ میں (محمد بن) دو لفظ چھوٹ گئے ہوں اور شمس الدین علی بن ملک داد لکھ گیا ہو، ان تمام اختلافات کے متعلق دولت شاہ کا فیصلہ ناطق سمجھنا چاہیے کہ "بندہ میگوید کہ از ہر کجا (بلکہ ہر کہ) باشد باش کار معنی دارد نہ صورت در آشنائی عالم ارواح است نہ در تولد اجساد ؎

آنکس کہ ز شہر آشنائیست داند کہ متاع ما کجائیست[2]

بہرحال حسب و نسب کی بحث سے قطع نظر کر کے خود حضرت شمسؒ کے نسبت اتفاق عام ہے کہ آپ دلی مادرزاد تھے، مناقب العارفین میں خود آپ ہی کی زبانی منقول ہے کہ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ آنحضرت صلعم کے عشق میں تیس تیس چالیس چالیس روز تک آپ کو غذا کی خواہش نہیں ہوتی تھی۔ علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ شیخ ابو بکرؒ سلہ باف کے مرید ہوئے، بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ زین الدین سنجاسی کے مرید تھے (جن کے مرید شیخ اوحدالدین کرمانی بھی تھے) بعض دوسری روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ آپ باکمالؒ جندی کے مرید تھے (جن کے مرید شیخ فخرالدینؒ ابراہیم عراقی بھی تھے) مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ ان سب بزرگوں سے آپ نے فیض حاصل کیا ہو،

---

[1] ص ۳۸۱

[2] راقم الحروف اس پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ دیوان شمس کے ایک شعر نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا ہے اور یہ شعر غالباً خود حضرت شمسؒ کا ہے۔ "فخرم نہ از مال و نسب خرم نہ از جاہ و حسب ہستم دل دجاں پر عجب' ہذا جنون العاشقین (ص ۶۱۵)

Marfat.com

جب آپ کو اس طرح سیری نہ ہوئی تو اطراف عالم میں مردان خدا کی تلاش میں پھرنے لگے، لیکن یہ سفر اس طرح کرتے تھے کہ خود آپ کی ولایت و کمال سے لوگ آگاہ نہیں ہوتے تھے۔ نمد سیاہ پہنے اور جہاں جاتے سرائے میں قیام کرتے، دروازے میں قیمتی قفل لگا دیتے کہ لوگ سمجھیں کہ کوئی بڑا تاجر ہے، مگر اندر سوائے بوریئے کے کچھ نہ ہوتا، کثرت اسفار کی وجہ سے لوگ آپ کو "شمس پرندہ" کہنے لگے تھے، تبریز، بغداد، ارزن الروم، قیصریہ، دمشق، میں آپ کا باوقات مختلف ہونا ثابت ہے۔ معاش کا یہ طریقہ تھا کہ ازار بند بُن لیا کرتے اور اسی کو بیچ کر کام چلاتے تھے، غذا کی کیفیت یہ تھی کہ دمشق میں ایک برس رہے ہفتہ میں ایک پیالہ سری کا شوربا اور وہ بھی بے روغن پی لیا کرتے تھے۔[1] قونیہ میں جب پہلی بار آئے اور مولانا کے ساتھ شیخ صلاح الدین زرکوب کے مکان میں بیٹھے تو ایک مدت بے اکل و شرب گزار دی۔

اخفائے حال میں آپ کو سخت اہتمام تھا، ارزن الروم میں مدرسی کرتے لگے تھے۔ وہاں کے بادشاہ کالرہ کا کسی طرح تعلیم نہیں حاصل کرتا تھا، اسے ایک ماہ میں قرآن حفظ کرا دیا اور لکھنا بھی سکھا دیا، لوگ سمجھ گئے کہ آپ ولی ہیں، فوراً وہاں سے غائب ہو گئے، اسی طرح دمشق سے بھی غائب ہو گئے تھے،[2] اور جب تجلیات کا تحمل نہ ہوتا تو جا کر لوگوں کے کام کرنے لگتے، اجرت دی جاتی تو فرماتے کہ قرضدار ہوں بیچا لے لوں گا، کچھ مدت بعد غائب ہو جاتے۔[3]

کسی کو اپنی صحبت کا متحمل نہیں پاتے تھے، بغداد میں شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے آپ کی صحبت میں رہنا چاہا مگر حضرت شمسؒ نے فرمایا "من مرید نمی گیرم من شیخ میگیرم، نگاہ نہ کرد شیخ" بلکہ شیخ کامل محقق" آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ "خدایا کوئی رفیق ایسا عطا کر جو میری صحبت کا متحمل ہو"

---

[1] سپہ سالار صفحہ ۶۳ [2] مناقب صفحہ ۴۴ [3] سپہ سالار صفحہ ۶۴

Marfat.com

آخر یہ آرزو مولاناؒ کی ملاقات سے پوری ہوئی، سلطان ولدؒ کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت شمس الدینؒ نے میرے والد سے فرمایا کہ تبریز میں ایک شخص ابو بکرؒ نامی تھے، میں نے تمام ولایت انھیں سے پائی مگر مجھ میں ایک شے تھی جسے نہ شیخؒ دیکھا نہ کسی اور نے۔ اب اسے خداوند گار نے معلوم کیا ہے۔[1]

اب ان مختلف روایات کو دیکھنا چاہیے جو مولاناؒ اور شمسؒ تبریزی کی ملاقات سے متعلق مختلف کتابوں میں مذکور ہیں۔[2]

سب سے اول سلطان ولدؒ کے بیان کو لینا چاہیے۔

آپ نے لکھا ہے کہ سید برہان الدینؒ کے انتقال کے بعد مولانا پانچ برس تک نہایت مضطرب و پریشان رہے، اس کے بعد ناگہاں شمس الدین تبریزی قونیہ میں وارد ہوئے۔ اور مولاناؒ کو ایک ایسے عالم کی طرف دعوت دی جسے کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا ؎

ناگہاں شمس دیں رسید بوے — گشت فانی ز تاب نورش نے

..... ؎ .....

دعوتش کرد در جہانِ عجب — کہ ندید آں بخواب ترک و عرب

.....

سلطان ولدؒ نے اس سے زائد کچھ حالات درج نہیں کئے ہیں، پسر سالارؒ نے کچھ مزید تفصیل دی ہے، وہ یہ کہ

حضرت شمس الدین نے ایک بار یہ مناجات کی کہ خدایا تیرے بندوں میں سے کوئی

---

[1] مناقب ص ۲۲۹ (نسخہ قلمی)، [2] فصل دوم میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مولاناؒ جب دمشق میں تحصیل علوم میں مشغول تھے

Marfat.com

ہے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے، اشارہ ہوا کہ روم کو جاؤ، وہاں ایک شخص ایسا ہے، اسی وقت روانہ ہو کر شہر بشہر تلاش کرتے ہوئے قونیہ میں پہونچے اور برنج فروشوں کی سرائے میں ٹھہرے، سرائے کے سامنے ایک چبوترہ تھا، اکثر معزز اشخاص وہاں بیٹھا کرتے تھے، شمس الدینؒ بھی نکل کر وہاں بیٹھے، ادھر مولاناؒ کے دل پر بھی منکشف ہو گیا کہ "آفتاب فلک ولایت، برج شرف میں آگیا ہے" اسی طرف کو روانہ ہوئے، راستہ میں لوگ دست بوسی سے مشرف ہوتے جاتے تھے، جب سرائے کے سامنے پہونچے، سواری سے اتر کر مقابل کے چبوترہ پر بیٹھ گئے۔ دونوں جانب سے خاموشانہ باتیں رہیں، اس کے بعد حضرت شمس الدینؒ نے سر اٹھایا اور سوال کیا کہ بایزید قدس سرہٗ کی نسبت جو یہ باتیں منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ کو چونکہ تواتر کے ساتھ یہ خبر نہیں معلوم ہوئی تھی کہ آنحضرتؐ خربزہ کس طرح نوش فرماتے تھے، اسلیے آپنے تمام عمر خربزہ نہیں کھایا، دوسری طرف فرماتے تھے کہ "سبحانی ما اعظم شانی" اور کبھی کہتے تھے کہ "لیس فی جبتی سوی اللہ" درآنحالیکہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ"۔ آپ ان اقوال کی کیا تاویل فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ "بایزید اگرچہ اولیائے کامل اور عرفائے واصل میں سے تھے مگر دائرۂ ولایت میں ایک مقام پر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۲)

اس زمانہ میں ایک مرتبہ ہجوم عام میں سرسری طور پر حضرت شمس الدینؒ سے ملاقات ہو گئی تھی، لیکن یہ ایسی روا روی کی ملاقات تھی کہ اس کا کوئی اثر مولاناؒ کی زندگی پر نہیں پڑا۔

فہرست کتبخانہ بانکی پور میں لکھا ہے کہ "یہ شمس الدینؒ (مولاناؒ) جلال الدینؒ کے والد کے گہرے دوست تھے اور مولاناؒ نے نہایت خوشی سے انھیں اپنا مرشد روحانی بنایا تھا" (ص ۹۱۱۰۸) لیکن اسکی مطلق کوئی اصلیت نہیں ہے یا تو یہاں برہان الدینؒ کے بجائے شمس الدینؒ لکھا گیا ہے یا شمس الدینؒ اسدادر

Marfat.com

رک گئے تھے اور اس مقام کی عظمت و کمال کی وجہ سے یہ کلمات آپ کی زبان سے صادر ہوتے تھے اور آنحضرتؐ روزانہ ستر مقام پر عبور فرماتے تھے کہ ثانی کو دل سے کوئی نسبت نہ ہوتی تھی اور اس لیے آپ ہر دوسرے درجہ پر پہونچ کر درجہ اول پر قانع ہونے کے خیال سے استغفار فرماتے تھے۔"

اس سوال و جواب کے بعد دونوں بزرگوں نے چبوترے سے نیچے اتر کر معانقہ و مصافحہ کیا اور باہم شیر و شکر ہو گئے۔[1]

بادنیٰ تفاوت یہی روایت مناقب العارفین میں بھی ہے۔ اگرچہ تکرار روایات موجب بے لطفی ہے، مگر اس روایت کو بھی اس خیال سے نقل کر دیا جاتا ہے کہ دونوں روایتوں کا فرق خود لکھنے والوں ہی کے الفاظ میں معلوم ہو جائے، چنانچہ مناقب العارفین میں اسے یوں بیان کیا ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کی ملاقات کی ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موصوف شہر تبریز میں شیخ ابو بکر تبریزیؒ زنبیل باف کے مرید تھے مگر اور زیادہ برتر مقام کے خواہاں تھے، اس طلب میں سالہا سال تمام دنیا میں گھومتے رہے اور "شمس الدین پرندہ" کے نام سے مشہور ہو گئے، آخر الامر ایک روز حالت استغراق میں یہ دعا کی کہ اے خدا اپنے محبوبانِ مستور میں سے کسی کو مجھے دکھا۔ خطاب ہوا کہ ایسا شخص فرزند سلطان العلماء بہاء الدینؒ ہے، ان کے دیدار کی دعا کی تو جواب ملا کہ کیا شکرانہ دیتا ہے، فرمایا کہ سر کو شکرانہ میں پیش کرتا ہوں، حکم ہوا کہ اقلیم روم میں جاؤ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۳)

ان کے پیر بہاء الدین عمر کے ناموں سے مغالطہ واقع ہو گیا ہے جو قریب ہی زمانہ میں تھے

[1] پسر سالار ص ۶۵-۶۶

Marfat.com

غرض روم کو روانہ ہوئے اور شنبہ ۲۶ر جمادی الآخر ۶۴۲ھ کو قونیہ پہنچکر شکر فروشوں کے محلہ میں قیام کیا اور ایک حجرہ لے کر ایک قیمتی قفل لگایا اور کنجی گوشۂ دستار میں باندھ لی تاکہ لوگ سمجھیں کہ کوئی بڑا تاجر ہے مگر خود حجرے میں صرف چند معمولی چیزیں تھیں اور بس۔

ایک روز حضرت موصوف سرائے کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ مولاناؒ آئینہ فروشوں کے مدرسہ[1] سے باہر نکلے، مولاناؒ سوار تھے اور لوگ پاپیادہ ہمراہ رکاب تھے، شمسؒ نے آگے بڑھ کر لگام پکڑ لی اور کہا کہ صراف نقود معانی و عالم اسما، یہ بتایئے کہ آنحضرتؐ زیادہ بزرگ تھے یا بایزیدؒ، مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ کیا سوال ہے؟ آنحضرتؐ تمام انبیاء و اولیاء کے سردار ہیں اور بزرگی اور بزرگواری تمام آپ ہی کی ہے، شمسؒ نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنی کہ آں حضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ "سبحانک ما عرفناک حق معرفتک" اور بایزید کہتے تھے کہ سبحانک ما اعظم شانی و انا سلطان السلاطین" مولاناؒ سواری سے اتر پڑے اور سوال کی محبت سے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے، ایک ساعت بعد ہوش میں آئے تو فرمایا کہ بایزیدؒ کی تشنگی ایک جرعہ سے ساکن ہو گئی تھی وہ سیراب ہو گئے اور ان کا ادراک پُر ہو گیا، مگر آنحضرتؐ کا استسقائے عظیم کب ساکن ہو سکتا تھا، آپ دمبدم زیادتی کے خواہاں تھے۔"[2]

ان دونوں روایتوں میں کوئی امر فوق العادت نہیں ہے، نہ کسی خاص کرامات کا ذکر ہے، مگر عام تذکروں میں اس واقعہ کا حال دوسری طرح پر درج ہے، ان میں سے بعض حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

---

[1] دوسرے موقع پر "مدرسہ پنبہ فروشان" ہے ص ۳۷۳ [2] مناقب ص ۵۸-۶۱

Marfat.com

ابن بطوطہ (۷۰۳ھ/۱۳۰۴ء - ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء) اپنے تیسرے سفر میں افلاکی رومیؒ کے زمانہ میں (یعنی آٹھویں صدی کے عشرہ چہارم میں) روم میں پہنچے اور اس سلسلہ میں قونیہ میں بھی گئے، اس کا حال ان کے سفرنامہ میں زیر عنوان "ذکر سلطان میلاس" درج ہے[1]۔ انھیں حالات میں مولانا کی نسبت "حکایت" کے طور پر یہ لکھا ہے کہ۔

کہتے ہیں کہ مولانا ابتدائے حال میں فقیہ و مدرس تھے اور قونیہ کے مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے، ایک دن ایک شخص حلوا بیچتا ہوا مدرسہ کی طرف آ نکلا، حلوے کا طباق سر پر تھا اور حلوے کی سوراتیں بنی ہوئی تھیں، ایک ایک پیسہ میں ایک ایک سورات دیتا تھا جب وہ مجلس درس تک پہنچا، مولانا نے فرمایا کہ ادھر لاؤ، اس نے طباق میں سے ایک سورات نکال کر پیش کی، مولانا نے لے کر کھالی، حلوائی فوراً ہی وہاں سے نکل گیا اور مولانا کے سوا اور کسی کو حلوا نہیں دیا۔ مولانا بھی درس چھوڑ کر اس کے پیچھے چل کھڑے ہوئے۔ سلسلۂ درس بند ہو گیا۔ اور طلبہ کی تعلیم رک گئی۔ یہ لوگ دیر تک انتظار کرنے کے بعد خود مولانا کی تلاش میں نکلے مگر کہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ چند سال بعد مولانا خود ہی واپس آئے لیکن حالت یہ تھی کہ فارسی اشعار کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں نکلتی تھی اور شعر بھی ایسے ہوتے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتے تھے کہ کس امر سے متعلق ہیں۔ طلبہ ان کے پیچھے پیچھے پھرتے رہتے اور جو کچھ زبان سے نکلتا لکھ لیتے۔ اس طرح ان لوگوں نے ایک کتاب مرتب کر لی اور اس کا نام مثنوی رکھا۔ ان ممالک کے باشندے اس کتاب کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اس کی تعلیم

---

[1] رحلت ابن بطوطہ (تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار) المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۲۲ھ جزو اول صفحہ ۲۱۹-۲۲۱

Marfat.com

دیتے ہیں اور اس سے عبرت و موعظت حاصل کرتے ہیں اور شب جمعہ کو اپنی خانقاہوں میں اسے پڑھتے ہیں۔ اسی شہر میں فقیہ احمد کی بھی قبر ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ (مولانا) جلال الدین مذکور کے معلّم تھے۔

اسی روایت کے متعلق مولانا شبلیؒ مرحوم لکھتے ہیں کہ "ابن بطوطہ سفر کرتے کرتے جب قونیہ پہنچا ہے تو مولاناؒ کی قبر کی زیارت کی تقریب سے مولاناؒ کا کچھ حال لکھا ہے اور شمسؒ کی ملاقات کی جو روایت وہاں تواتراً مشہور تھی اسے نقل کیا ہے....." علہ

اس روایت میں اگرچہ حضرت شمسؒ کی کوئی تصریح نہیں ہے مگر باقتضائے حالات اس کا اشارہ اسی جانب سمجھا جائے گا، لیکن اس روایت کا تواتراً مشہور ہونا کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا، افلاکیؒ اس زمانہ میں مناقب العارفین کی تالیف میں مشغول تھے مگر اس قسم کی روایت کا ادنیٰ اشارہ بھی اس کتاب میں نہیں ملتا۔ خارجی شہادت کے علاوہ خود اس روایت ہی میں ایسی باتیں موجود ہیں جن سے یہ روایت ساقط عن الاعتبار ہو جاتی ہے۔

(۱) مولاناؒ کا کئی برس تک اس طرح گم ہو جانا کہ آپ کا پتہ نہ چلے قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

(۲) مولاناؒ کے کوئی معلم "فقیہ احمد" نہیں تھے، (شمس الدین یا برہان الدینؒ دونوں میں سے کسی کا نام احمد نہیں تھا، اول الذکر کی قبر قیصریہ میں ہے اور ثانی الذکر کا مدفن غیر محقق ہے، نہ صلاح الدین یا حسام الدین کا نام احمد تھا البتہ مولاناؒ کے فرزند بہاء الدینؒ ولد کا نام احمد تھا)

علہ سوانح مولانا روم ص۱۰

Marfat.com

(۳) مولاناؒ کا کلام ایسا مغلق نہیں ہوتا تھا جو ناقابل فہم ہو بلکہ اس کے برخلاف مولاناؒ فارسی اشعار خاص اسی غرض سے کہتے تھے کہ لوگ انھیں بآسانی سمجھ سکیں، یہ بھی درست نہیں کہ کسی زمانہ میں مولاناؒ پر ایسا جذبہ طاری ہوگیا ہو کہ آپ نے بولنا ترک کر دیا ہو اور اگر زبان سے کچھ نکلتا ہو تو اشعار فارسی۔

(۴) مثنوی کے مرتب ہونے کی جو کیفیت دی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، البتہ مولاناؒ کے دیوان پر یہ صادق آتا ہے کہ آپ عالمِ وجد و استغراق میں جو اشعار فرماتے تھے لوگ انھیں لکھ لیا کرتے تھے اور انھیں اشعار سے دیوان مرتب ہوگیا۔

اس روایت میں تسامح کی بنا پر معلوم ہوتی ہے کہ ابن بطوطہ اول تو اس ملک کی زبان سے واقف نہیں تھے، ممکن ہے کچھ غلط فہمی ہوگئی ہو، دوسرے یہ کہ ابن بطوطہ جب تمام سفروں سے فارغ ہو کر مراقش میں آئے ہیں اس وقت (تقریباً ۷۵۵ھ میں) اپنے حالات سفر اس طرح لکھائے ہیں کہ خود بولتے تھے اور محمد بن محمد جزریؒ لکھتے تھے، قونیہ کے ورود اور ان حالات کی تحریر میں کم و بیش کا فرق ہے، بس اس روایت کو بحث سے خارج سمجھنا چاہیے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ ممکن ہے کہ کسی حلوا بیچنے والے کا کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آگیا ہو اور یہ تو مولاناؒ کی معمولی عادت میں داخل تھا کہ یکسوئی و تنہائی کے خیال سے کبھی کبھی دو چار دن بلکہ ہفتہ عشرہ کے لئے بلا اطلاع اس طرح روپوش ہو جاتے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چلتا تھا۔ اس طرح مختلف واقعات نے مل کر ایک خاص واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔

[یہاں ایک اور امر کی طرف بھی خیال جاتا ہے، قونیہ و اطرافِ قونیہ میں ایک گروہ "رضی" کا تھا۔ ابن بطوطہ اکثر انھیں لوگوں کے مہمان ہوا کرتے تھے۔

Marfat.com

اور فصل چہارم کی ایک روایت سے معلوم ہوگا کہ مولاناؒ ان کے ایک خاص گروہ سے ناخوش بھی ہو گئے تھے، ممکن ہے کہ انھیں میں سے کسی نے مولاناؒ سے متعلق کوئی روایت نادرست پیرایہ میں ابن بطوطہ سے بیان کر دی ہو]

مناقب العارفین کی تصنیف کا آغاز ۷۱۸ھ میں ہوا اور ۷۵۳ھ تک اس کا سلسلہ جاری رہا، اس سے قریب ہی زمانہ کی تصنیف "الجواہر المضیۂ" ہے[1]۔ اس میں شمسؒ کی ملاقات کا حال اس طرح درج ہے کہ "مولاناؒ جلال الدین کے انقطاع و تجرد کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن آپ اپنے مکان میں تشریف فرما تھے، اور ارد گرد کتابیں رکھی تھیں اور طلبہ بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثنار میں شمس الدینؒ تبریزی وارد ہوئے اور کتابوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ کیا ہیں اور آپ کس حال میں ہیں؟ مولاناؒ نے جواب دیا کہ آپ ان باتوں کو کیا جانیں؟ ابھی یہ الفاظ ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ مکان اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولاناؒ نے کہا کہ یہ کیا؟ شمسؒ نے جواب دیا کہ آپ اسے کیا جانیں؟ یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے، اور باہر نکل گئے، مولاناؒ نے خان و مان کو ترک کر دیا اور ملکوں ملکوں گھومتے پھرتے اور بہت کثرت سے اشعار کہتے رہے مگر شمسؒ سے پھر ملاقات نہیں ہوئی۔ اور شمسؒ اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا، بعضوں کا قول ہے کہ مولاناؒ کے حواشی نے انھیں قتل کر ڈالا۔[2]

نفحات الانس ۸۸۱ھ کی تصنیف ہے، اس میں شمسؒ کی ملاقات کی دو روایتیں

---

[1] مصنف "الجواہر المضیۂ" کی ولادت ۶۹۶ھ میں اور وفات ۷۷۵ھ میں ہوئی۔ [2] نفحات الانس ۳۰۳-۳۰۴

Marfat.com

درج ہیں، ایک تو بادنیٰ تغیر وہی روایت ہے جو سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ سے نقل ہوئی دوسری روایت "بعضے گفتہ اند" کی قید کے ساتھ یہ ہے کہ جب حضرت شمس الدینؒ قونیہ پہونچے اور مولاناؒ کی مجلس میں آئے تو اس وقت مولاناؒ ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور چند کتابیں سامنے رکھی ہوئی تھیں، شمسؒ نے پوچھا کیا یہ کتابیں ہیں؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ قیل قال ہیں آپ کو اس سے کیا کام؟ حضرت شمس الدینؒ نے تمام کتابیں اٹھاکر پانی میں ڈالدیں، مولاناؒ نے سخت رنجیدہ ہوکر فرمایا کہ یہ کیا کیا، اس میں میرے والدؒ کے بعض فوائد تھے جو اب نہیں مل سکتے، شمس الدینؒ نے ہاتھ بڑھاکر ایک ایک کتاب حوض سے باہر نکال کر رکھ دی، کتابوں پر پانی کا اثر تک نہ تھا، مولاناؒ نے کہا کہ یہ کیا راز ہے؟ شمس الدینؒ نے جواب دیا کہ یہ ذوقی و حالی ہے، آپ کو اس سے کیا مطلب؟ اس کے بعد وہی واقعات پیش آئے جو اوپر گذر چکے ہیں۔[1]

تذکروں میں سے آتشکدہ آذر، خزینۃ الاصفیا اور تذکرہ نوشتہ وقار میں کتابوں کے پانی میں ڈالدینے کی روایت ہے اور بعض دوسرے تذکروں میں کتابوں میں آگ لگنے کی روایت ہے، ان سب کی تفصیل کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے ماحصل سب کا ایک ہے۔

ان کے سوا ایک اور روایت بھی تذکروں میں منقول ہے کہ حضرت شمس الدینؒ کے پیر شیخ رکن الدین سنجاسی نے آپ سے فرمایا کہ "روم" میں جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے، اسے روشن کرآؤ" آپ وارد قونیہ ہوئے۔ ایک روز دیکھا کہ مولاناؒ سوار

---

[1] آب الحیات جلد دوم ص ۱۲۴ و ۱۲۵

Marfat.com

چلے آرہے ہیں اور لوگ گرد و پیش استفادہ کر رہے ہیں، شمسؒ نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ریاضات و علوم سے غرض کیا ہے، مولاناؒ نے کہا کہ آداب شریعت کا جاننا، شمس نے کہا کہ نہیں، غرض یہ ہے کہ معلوم تک رسائی ہو جائے اور حکیم سنائیؒ کا یہ شعر پڑھا۔

علم کز تو ترا نہ بستاند　　جہل ازاں علم بہ بود بسیار

مولاناؒ اس سے متغیر اور متحیر ہوئے اور تیر نشانہ پر بیٹھ گیا۔[1]

(یہ روایت مناقب العارفین میں حضرت شمسؒ کے حالات میں ایک دوسری طرح پر منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے علماء کے ایک مجمع میں فرمایا کہ یہ علم حاصل کرنا اور اس کے لئے زحمتیں برداشت کرنا سب اس لئے ہے کہ نفس سرکش مطیع و منقاد ہو جائے، جیسے بیل کی گردن پر جوا رکھ دیتے ہیں کہ وہ سیدھی طرح کام کرے، پس اگر علم سے یہ نفع نہ حاصل ہو تو وہ علم رنج و زحمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

علم کز تو ترا نہ بستاند　　جہل ازاں علم بہ بود صد بار[2]

ان تمام روایات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قونیہ میں مولاناؒ سے شمسؒ تبریزی کی ملاقات کی صورت وہی ہوئی ہے جو سپہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے نقل کی ہے، خود مولاناؒ کی ایک غزل میں اشارہ ملتا ہے ؎

مرا بگرفت روحانی نگارے　　کنارے و کنارے و کنارے
نبرد با من میانِ راہ تنگے　　دو چارے و دو چارے و دو چارے

. . . . . .

---

[1] آتشکدۂ آذر ص۲۲۳، وقار نے اس کو نظم کیا ہے جو مثنوی کے اکثر نسخوں میں مضم ہے۔

[2] حالات شمس (نسخہ قلمی)

Marfat.com

گسست آں کرۂ تندِ دلِ من　　فسارے وفسارے وفسارے

.....

فتادہ در سرش از شمس تبریز　　خمارے وخمارے وخمارے ۸۴۷

حضرت بایزیدؒ کے متعلق جو سوال وجواب ہوا اس میں جزوی فرق قابل اعتنا نہیں دوسرا سوال جو مقصد علم سے متعلق ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی اسی موقعہ پر ہوا ہو، مگر کتابوں میں آگ لگ جانے یا انھیں حوض میں ڈالدینے کی صورت بالکل جداگانہ ہے، مناقب العارفین کی بعض روایات مابعد پر جب لحاظ کیا جاتا ہے تو اس کی ایک اور ہی توجیہ خیال میں آتی ہے۔

مولاناؒ اور شمسؒ کی صحبت جب گرم ہوئی اور مولاناؒ نے ہر بات میں شمس کا اتباع شروع کیا تو شمسؒ نے مولاناؒ کو کتابوں کے دیکھنے سے بار بار منع کیا[1]۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل کی روایتیں مناقب العارفین میں منقول ہیں۔

خود مولاناؒ کا قول ہے کہ جب حضرت شمس الدینؒ سے ملاقات ہوئی اور میرے دل میں آتش عشق شعلہ زن ہوئی تو آپ نے بحکم تمام یہ فرمایا کہ "آئندہ اپنے والد کے کلام کا مطالعہ

---

[1] اس قسم کی روایتیں دو بڑے بزرگوں کی نسبت بکرات ومرات منقول ہیں، چنانچہ خود حضرت نجم الدینؒ کبریٰ کی نسبت یہ تحریر ہے کہ علوم ظاہر میں آپ کا یہ درجہ تھا کہ جس سے مناظرہ ومباحثہ کرتے اس پر غالب آجاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کا لقب لطامہ الکبریٰ ہوگیا (جو بعد میں صرف کبریٰ رہ گیا) جب آپ بابا فرج کے مرید ہوئے، انھوں نے کتاب کے مطالعہ سے منع کیا، آپ ان دنوں میں شرح السنۃ کا مطالعہ کیا کرتے تھے سوچا کہ اسے تو تمام ہی کرلوں، کتاب لے کر بیٹھے ہی تھے۔ (دیکھئے بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳ پر)

Marfat.com

نہ کیا کہے "کچھ دنوں تک میں نے ایسا ہی کیا"[1]

ایک مرتبہ اسی حال میں مولانا شمس الدینؒ آ نکلے اور فرمایا کہ نہ پڑھے، نہ پڑھے نہ پڑھئے (تین مرتبہ تکرار کی)[2]

انتہا یہ ہے کہ خود مولاناؒ نے ایک روز بیان فرمایا کہ اوائل حال میں میں اپنے والدؒ کی کتابوں کا برابر مطالعہ کیا کرتا تھا اور ہمیشہ جیب میں رکھتا تھا، مولانا شمس الدینؒ نے ان کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمایا اور میں نے ان کی خاطر سے ترک کر دیا۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ مدرسہ قراطائی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور اس کتاب کا مطالعہ کر رہا ہوں، جب جاگا تو دیکھا کہ مولانا شمس الدینؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ پھر اس کتاب کا مطالعہ کیوں شروع کر دیا، میں نے کہا کہ میں نے تو مدت سے اس کا مطالعہ ترک کر دیا ہے، فرمایا کہ مدرسہ قراطائی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے آپ اس کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، کیونکہ خواب اکثر فکر ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، پھر مولانا شمس الدینؒ کی زندگی تک اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا[3]

اسی طرح دیوان متنبی کے پڑھنے کو بھی منع کیا مگر مولاناؒ اس دیوان کا مطالعہ کیا کرتے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲)

کہ بابا فرجؒ نے نمودار ہو کر فرمایا کہ "میں منع کر چکا ہوں اور پھر کتاب دیکھتے ہو" کتاب کا دیکھنا چھوڑ دیا، پھر خیال آیا کہ نقل کر لوں مبادا ذہن سے زائل ہو جائے، لکھنے بیٹھے تو بابا فرجؒ پھر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ شیطان نے تمہیں تشویش میں ڈال رکھا ہے" غرض قلم دوات بھی پھینکدی۔

[1] مناقب ص ۲۷۶ ، [2] مناقب ص ۲۷۶

[3] مناقب ص ۳۹۲، ۳۹۵

Marfat.com

تھے' ایک روز دیوان کو پڑھ کر سو رہے، خواب میں دیکھا کہ مدرسہ میں علما، وفقہا سے بحث کر رہے ہیں کہ ان لوگوں کو قائل کریں، خواب ہی میں پشیماں ہوئے کہ کیوں ایسا کیا، جب بیدار ہوئے دیکھا کہ مولانا شمس الدینؒ آ رہے ہیں اور آتے ہی فرمایا کہ "آپ نے دیکھ لیا کہ آپ نے ان فقیہوں کا کیا حال کیا' یہ سب دیوان متنبی کے مطالعہ کی بدبختی ہے۔"

ایک مرتبہ اور اسی طرح خواب میں دیکھا کہ مولاناؒ شمس الدین متنبی کی ڈاڑھی پکڑے ہوئے مولاناؒ کے سامنے لائے کہ اسی کے کلام کو آپ پڑھتے ہیں؟ متنبی نے التجا کی کہ مجھے مولانا شمس الدینؒ کے ہاتھ سے خلاص دلایئے' اور آئندہ اس دیوان کے درپے نہ ہوئے۔[1]

ان تمام روایات سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ ممکن ہے کسی ایسے ہی موقع پر حضرت شمسؒ نے کتابوں کو حوض میں پھینک دیا ہو' یا ان میں آگ لگا دی ہو' اور بمرور ایام یہی واقعات شمس الدین کی ابتدائے ملاقات کی طرف منسوب ہو گئے ہوں۔

[منازل فقر کے طے کرنے کے بعد دفاتر و کتب کے متعلق خود مولاناؒ کے جو خیالات قائم ہو گئے تھے انھیں مثنوی شریف میں بکرات و مرات ظاہر کر دیا ہے اور پہلے ہی دفتر میں اپنے خیال کو دو مثالوں اور چینیوں کی حکایت کی تمثیل سے بہت خوبی کے ساتھ روشن فرما دیا ہے ؎

اہل صیقل رستہ انداز بود رنگ — ہر دمے بیند خوبی بیدرنگ

نقش دفتر علم را بگذاشتند — رایت عین الیقیں افراشتند

---

[1] مناقب ص ۲۷۶

Marfat.com

رفت فکر و روشنائی یافتند　　بر و بحر آشنائی یافتند

گرچہ نحو و فقہ را بگزاشتند　　لیک نحو و فقر را برداشتند　　ص۴۷

دوسرے موقع پر اصول کلی کے طور پر فرما دیا ہے۔ کہ

دفتر صوفی سواد و حرف نیست　　جز دل اسپید ہمچو برف نیست

ایک موقع پر خود حضرت شمسؒ الدین کی نسبت سے دیوان میں بھی یہ اشارہ کر دیا ہے کہ ؎

تا یک ورق از عشق تو حاصل کردم　　سی صد ورق از علم فراموشم شد

(اس کے متعلق مزید اشعار در الحکم میں تحت عنوان پیر اور صوفی دیکھنا چاہیے)

غرض، حضرت شمسؒ کی ملاقات کی صحیح و قرین قیاس صورت وہی ہے جسے پہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے بیان کیا ہے اور جو دوسری حکایتیں اس باب میں مشہور ہو گئی ہیں وہ بطنِ غالب دوسرے واقعات سے پیدا ہو گئی ہیں۔

سلطان ولدؒ نے یہ لکھا ہے کہ سید برہان الدینؒ کی وفات کے پانچ برس بعد شمس الدینؒ قونیہ میں وارد ہو کر مولاناؒ سے ملاقی ہوئے۔ سید برہان الدینؒ کی وفات ۶۳۷ھ میں ہوئی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس الدینؒ ۶۴۲ھ میں قونیہ آئے۔ افلاکیؒ نے شمسؒ کی آمد قونیہ کی قطعی تاریخ ۲۶ جمادی الآخر ۶۴۲ھ (دسمبر ۱۲۴۴ء) متعین کر دی ہے[1]، پس مولانا کی زندگی کا یہ دور ثانی ۶۴۲ھ سے سمجھنا چاہیے۔ مولاناؒ جب حضرت شمسؒ کو ہمراہ لے کر اپنے مقام پر آئے تو اس کے بعد، بقول افلاکیؒ چالیس روز تک

---

[1] مناقب ص۸۵۔ ڈاکٹر نکلسن نے (دیوان شمس تبریز ص۱۰ دیباچہ) یہ تاریخ دی ہے اور حاشیہ میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رضا قلی کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ باسٹھ برس کی عمر میں شمسؒ تبریز سے پہلی بار

Marfat.com

حضرت شمسؒ کے ساتھ ایک حجرے میں رہے جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا، ایک دوسری روایت ہے کہ تین ماہ حجرے میں رہے، سپہ سالارؒ نے لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدینؒ زرکوب کے حجرے میں دونوں بزرگ عزلت نشیں رہے، سوائے شیخ صلاح الدینؒ کسی کی مجال نہ تھی کہ حجرے میں داخل ہو سکے ۵۲

مولاناؒ کے دل میں شمسؒ کی جو قدر و منزلت قائم ہو گئی تھی اس کا اندازہ واقعاتِ مابعد سے پوری طرح ہو جائے گا، اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے کہ مولاناؒ کے غزلیات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵،

قونیہ میں ملے ہیں۔ اس تاریخ (۶۶۲ھ) کی توثیق بظاہر دیوان کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے کہ ؎

باندیشہ فرو بردم اعقل چہل سال — بہ شصت و دو شدم حیدہ تدبیر بجستیم

رضا قلی نے دیباچہ میں یہ ضرور لکھا ہے "در شصت و دو سالگی چوں بہ شمس الدین رسید۔۔۔" مگر تمام واقعات مسلمہ کے خلاف اسے قبول کرنا دشوار و محال ہے، اس کے نسبت سمجھ لینا چاہیے لغزش قلم ہے، ڈاکٹر صاحبؒ اس کی توثیق دیوان کے جس شعر سے کی ہے لائق سند اس وقت سمجھا جاتا کہ اس شعر کے سوا کوئی دوسرا شعر اس مفہوم کا دیوان میں نہ ہوتا مگر اس مفہوم کے ایک دو نہیں سینکڑوں شعر دیوان میں موجود ہیں، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شعر مولاناؒ نے باسٹھ ۶۲ برس کے سن میں کہا ہے اور قیاس ہی سے کام لینا ہے تو خود اس غزل ہی سے اس قیاس کا بطلان ہوتا ہے کہ مولاناؒ اس عمر میں پہلی بار شمس تبریز سے ملے اور شکار ہو گئے۔ غزل کا مطلع ہے ؎ دگر بار دگر زنجیر بجستیم ؛ ازیں بند و ازاں دام زبوں گیر بجستیم۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل بھی بار بار اس دام میں پھنسے اور اس سے چھوٹ چکے تھے۔ دوسرا شعر ہے ؎

فلک پیر دد تاے پر از سحر و دغاے — باقبالِ جوانِ تو ازیں پیر بجستیم

اس شعر سے صاف مترشح ہے کہ اس غزل کے مخاطب چلپی حسام الدینؒ ہیں۔ اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے

Marfat.com

نے شمسؒ کو حیات جاوید عطا کر دی، یہاں صرف ایک غزل کا مطلع و مقطع درج کیا جاتا ہے جس میں کمال عقیدت کے ساتھ انتہائی امتنان کا اظہار فرمایا ہے،

ما سر و پنجۂ قوت نہ ازیں جاں داریم ما کر و فر سعادت نہ زکیواں داریم

.....

شمسؒ تبریز بما راہ حقیقت بنمود ما ز فیض قدم اوست کہ ایماں داریم

جلال الدین قراطائی نے جب اپنا مدرسہ مکمل کیا تو ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا، اس جلسہ میں اکابر و علماء کے درمیان یہ بحث چھڑی کہ صدر کہاں ہوتا ہے، سب نے اپنی اپنی رائے دی، آخر میں سب نے مولاناؒ کی طرف رجوع کیا، آپ نے فرمایا کہ علما میں صدر صفہ کے درمیان ہوتا ہے، عارفوں میں کنج خانہ، صوفیوں میں کنار صفہ، عاشقوں کے مذہب میں صدر کنار یار ہے۔ یہ کہہ کر شمس الدینؒ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ اسی روز اکابر قونیہ میں حضرت شمس الدین کی شہرت ہوئی[1] (افلاکیؒ نے لکھا ہے کہ صدر کی یہ بحث پروانہ کے زمانہ میں دوسری مرتبہ ہوئی تھی۔)

شمسؒ کی صحبت نے مولاناؒ پر جو اثر کیا اور جو کیفیت پیش آئی، اسے سلطان ولدؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

بقیہ حاشیہ صـ۱۴۶

کہ شمسؒ جن غزلوں کے مخاطب ہیں ان میں "شمس" کا لفظ کسی نہ کسی طرح ضرور آیا ہے، مگر اس غزل میں شمسؒ کا نام نہیں ہے (یہ غزل رضا قلی ہدایت کے شائع کردہ انتخاب دیوان میں ہے، مگر کلیات مطبوعہ نولکشور میں نہیں ہے۔ خود غزل معرض بحث میں ہے) [2] سپہ سالار صـ۲۶ [1] مناقب صـ۷۰

Marfat.com

شیخ استاد گشت نو آموز　　درس خواندے بخدمتش ہر روز
گرچہ در علم فقہ کامل بود　　علم نو بود کوئے ہمنود

یہ دوسرے کی زبان سے ہے خود مولاناؒ کی زبان سے سنئے کہ کس لطف سے فرماتے ہیں۔

زاہد بودم، ترا نہ گویم کردی　　سرفتنۂ بزم و بادہ جویم کردی
سجادہ نشین باوقارے بودم　　بازیچۂ کودکاں کویم کردی (رباعیات)

دوسرے موقع پر غزل میں فرماتے ہیں کہ:۔

زاہد کشورے بدم واعظ منبرے بدم　　کرد قفا دلِ مرا عاشق کف زنان تو (نسخہ تاریخی حالات شمسؒ)

ایک دوسرے موقع پر اپنی تغیر حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

بدیدم عشق را چو برج نورے　　دردنِ برج نورے اوچہ نارے
ز دور استاد جانم در تماشا　　بہ پیش آمد مرا خوش شہسوارے
یکے روئے چو ماہی ماہ سوزے　　یکے مژگانِ چشمے پُر خمارے
ہمی تازید عقلم اندک اندک　　ہمی پریداز سرچو طیارے
ہمی دانم دگر از من مپرس　　کہ صد من نیست آنجا در شمارے
من آں آبم کہ ریگ عشق خوردش　　چہ ریگے ملک بحرے کنارے

(د ۱۳۔ ص ۸۳۵)

نتیجہ یہ ہوا کہ شمسؒ کی ملاقات کے بعد مولاناؒ نے درس و تدریسؒ و وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم ترک کر دی[1]۔ خود فرماتے ہیں،

---

[1] مناقب ص ۶۰۔

Marfat.com

عطار دوار دفتر پارہ بودم　　زدست اوزانے می نشستم
چو دیدم لوح پیشانی ساقی　　شدم مست و قلمہا را شکستم

شیخ صلاح الدینؒ کے ذکر میں افلاکیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدینؒ کی ملاقات کے بعد سے مولاناؒ نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دی تھی اور کبھی وعظ نہیں کہا تھا۔ صرف ایک مرتبہ اپنے محبان مخلص اور شیخ صلاح الدینؒ کے اشارے سے وعظ فرمایا "و تذکیر آخر خود ہماں بود، دیگر بر بالائے منبر نرفت [1]"

لیکن یہ معاملہ صرف "ترک" تک نہیں رہا بلکہ "اخذ" کو بھی دخل ہو گیا، یعنی حضرت شمسؒ کے رغبت دلانے سے مولاناؒ سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں مولاناؒ کا انہماک آخر تک برابر بڑھتا گیا

حضرت بہاء الدینؒ کے متعلق یہ مذکور ہو چکا ہے کہ سلطان علاء الدینؒ چنگ سنا کرتا تھا، اس لئے آپ اس سے ملنے سے محترز رہے، مولاناؒ جس سختی سے اپنے والدؒ کے نقش قدم پر چلتے تھے وہ ظاہر ہے، خود جس پایہ کے عالم تھے وہ بھی عیاں ہے، ابتدائے حال میں آپ کا سماع سے منکر ہونا یقینی ہے، چنانچہ حضرت سلطانؒ ولد فرماتے ہیں کہ ــ

"پیش از خدمتش ہرگز در سماع شروع نکردہ بود، و آں تجلیہا و مقامات کہ ہیچ دے را نبود در صورت نماز و تقوی بوے می رسید"

پیشتر از وصل شمس الدینؒ بجاں　　بود در طاعات روزان و شباں

---

[1] ذکر شیخ صلاح الدین، نسخہ قلمی

Marfat.com

سال و مہ پیوستہ آں شاہ گزیں، بود مشغولِ علوم دزیدیں!
آں مقاماتش ازاں ورزش رسید باتقی وزہد رہ را می برید
اندراں مظہر بدش جلوہ ز حق ہر دمے می برد از حق نو سبق

پسہ سالارؒ نے آغاز توجہ فرمائی کی کیفیت اس طرح دی ہے:۔

"مولاناؒ ابتداے حال سے اپنے والد حضرت بہاء الدین کے طریق پر کاربند تھے، درس وتدریس وعظ وتذکیر اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہتے، جب مولانا شمس الدینؒ تبریزی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ "سماع اختیار کرو تاکہ جس طلب میں ہو وہ اور زیادہ ہو" (در سماع درآ کہ آنچہ می طلبی در سماع زیادہ خواہد شدن، واقعی ایسا ہی ہوا، پھر تو آخر عمر تک اس پر قائم رہے اور اسی کو اپنا طریق بنا دیا۔[1]"

لیکن ان دونوں روایتوں کے خلاف افلاکیؒ کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کے آنے کے قبل مولاناؒ سماع کی طرف مائل ہو چکے تھے، چنانچہ بقول افلاکیؒ سلطان ولدؒ نے ایک روز بیان کیا کہ میرے والد جوانی میں نہایت ہی زاہد اور بہت ہی یادِ حق شخص تھے، ہرگز سماع کے قریب نہیں جاتے تھے، میری نانی حضرت کرائے خاتون بزرگ نے میرے والدؒ کو سماع کی ترغیب دی، آپ اس کے بعد سماع میں ہاتھ ہلایا کرتے تھے، (دست افشانی می کردند) جب حضرت شمس الدینؒ پہونچے تو انھوں نے تلابازی (اورا چرخ اذن نمود) مناقب ص۴۲۰ (نسخہ قلمی)

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولاناؒ فی نفسہ سماع سے منکر نہیں تھے، عالمانہ شان کے ساتھ گاہ بگاہ مجلس سماع شرکت فرماتے رہے ہونگے، حضرت شمسؒ کی صحبت نے دوسرا رنگ پیدا کر دیا۔

---

[1] پسہ سالار ص۳۲،

Marfat.com

بہر حال اب یہ عالم ہوا کہ بغیر سماع کے مولاناؒ کو چین نہیں پڑتا تھا اور سماع آپ کا اور آپ کے اصحاب کا "دین و آئین" بن گیا۔

شد سماعش مذہب و راہِ درست — از سماع اندر دلش صد باغ ست
ہم شدند اصحابِ مشغولِ سماع — تا شد ایشانرا براں رہ اطلاع
ماند تا اکنوں براں سنت سماع — گشت یاراں را بہر جا اجتماع
جملگاں دیدند سودِ خود دریں! — شد سماع و رقص شان آئین و دیں

سماع کے اختیار کرنے کے علاوہ، شمسؒ کے اثر محبت سے مولاناؒ نے شاعری بھی شروع کر دی۔ سلطان ولدؒ فرماتے ہیں کہ ؎

شیخ مفتی ز عشق شاعر شد — گشت خمار اگرچہ زاہد بُد

خود مولاناؒ نے بھی ایک غزل میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور نہایت لطیف پیرایہ میں اس تغیر حالت کا اظہار فرمایا ہے:۔

ز بود عشق تو تسبیح و داد لب بسرود — بسے بکردم لاحول و توبہ دل نشنود
غزل سر شدم ز دستِ عشق و دست نازل — بسوخت عشق تو ناموس و شرم ہر جم بود
عفیف و زہد و ثابت قدم بدم چوں کوہ — کدام کوہ کہ باد تو اش جو کہ بربود
گر کہم ہم از آوازِ تو صدا دارم — وگر کہم ہمہ در آتش توام کہ دود
ز نور مفخر آفاق شمسؒ تبریزی — جہان و ہر چہ در و ہست گشت از و موجود

(۵) ص ۳۲۲

مولاناؒ کی شاعری کی مفصل بحث باب دوم میں آئے گی۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ مولاناؒ کی شاعری حقیقی جذبات کا نتیجہ تھی۔ محض قافیہ پیمائی نہیں تھی اور معلوم

Marfat.com

ایسا ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کو بھی شعر گوئی کا ذوق تھا اور اسی کا عکس مولاناؒ پر بھی پڑا جس کا آغاز اس انداز سے ہوا کہ پچاس ہزار اشعار کا دیوان حضرت شمسؒ کی یادگار رہ گیا اور سرانجام اس پر ہوا کہ تقریباً ستائیس ہزار اشعار کی وہ صوفیانہ مثنوی جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ ادب خالی ہے، اہل دل کا سرمایہ وجد و ذوق بنی ہوئی ہے۔

مولاناؒ جب اس طرح ہر بات میں حضرت شمسؒ کی پیروی کرنے لگے اور تمام تعلقات منقطع ہونے لگے تو یہ امر مولاناؒ کے شاگردوں اور مریدوں پر سخت شاق گزرا، ایک شورش کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس برہمی کے ساتھ گونہ حیرت بھی شامل تھی، شمسؒ کے حالات سے لوگ واقف نہ تھے، مریدوں کا خیال یہ تھا کہ "ہم نے عمریں مولاناؒ کی خدمت گزاریں، مولاناؒ کی کرامتوں کو دیکھا، تمام اطراف و اکناف میں آپ کی شہرت کا باعث ہوئے، اب ایک بے نام و نسب شخص آیا اور مولاناؒ کو ہم سب سے الگ کر لیا کہ آپ کی صورت تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتی، درس و تدریس، وعظ و تذکیر سب بند ہو گئی، ضرور یہ کوئی ساحر یا مکار شخص ہے ورنہ اس کی کیا ہستی ہے کہ ایسے پہاڑ کو یوں تنکے کی طرح بہا لیجائے[1]"

غرض سب کے سب شمسؒ کے دشمن ہو گئے، مولاناؒ کے سامنے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ادھر ادھر ٹل جاتے تو برا بھلا کہتے اور رات دن اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے کہ کسی طرح حضرت شمسؒ کو وہاں سے نکالیں کہ پھر حسب سابق مولاناؒ کی صحبت سے فیضیاب ہو سکیں

حضرت شمس الدینؒ ان لوگوں کی گستاخیوں پر تحمل کرتے رہے اور سمجھتے رہے کہ

---

[1] ملخص رباب نامہ

Marfat.com

مولاناؒ کے وفورِ عقیدت کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح آزردہ ہیں مگر جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا اور آپ نے سمجھ لیا کہ اب انجام اس کا فتنہ و فساد پر ہوگا تو آپ ایک دن خاموشی کے ساتھ قونیہ سے نکل گئے[1]۔ افلاکیؒ نے اس غیبت اول کی تاریخ روز پنجشنبہ یکم شوال ۶۴۳ھ دی ہے[2]، آپ کی آمد قونیہ کی تاریخ اوپر مرقوم ہو چکی ہے کہ ۲۶ جمادی الآخرہ ۶۴۲ھ تھی پس اس طرح بار اول قونیہ میں آپ کا قیام سوا برس رہا۔

شمسؒ کی جدائی مولاناؒ پر سخت شاق و گراں گزری، مریدوں نے جو کچھ سوچا تھا اس کے برعکس وقوع میں آیا ؎

چوں حزیں شد ز ہجر مولاناؒ — گشت مُعرض ز جملہ آں دانا!
دوستی را ازاں نفر ببرید — مرغ فہرش ز لانہ شاں بپرید
چونکہ آں رائے شاں نیامد راست — عکس شد آنچہ ہر یکے می خواست
گفتہ بودند اگر رود زیں جا — ماند آں شاہِ ما بما تنہا
ہیچ او دل ازو عطا نبریم — بے لب و کام قند ہاش خوریم
.....
نشد ایں وآں قدر کہ بود نماند — زاں دل باخت تار و پود نماند

(رُباب نامہ)

پسر سالارؒ نے بھی لکھا ہے کہ "بعد از ہجرت ایشاں خداوندگار از تمامت اصحاب

---

[1] سپہ سالار ص ۶۶

[2] مناقب ص ۶۰

Marfat.com

انقطاع و عزلت اختیار کرد، چنانکہ باقی اصحاب و عزیزان نیز از افعال آں جمع در فراق آنحضرتؒ درماندند و مدتے ازاں ورود غصہ بسر می بردند ....." [1]

غرض ان لوگوں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کے برعکس واقع ہوا، اس کے بجائے کہ شمسؒ کے چلے جانے کے بعد مولاناؒ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جو کچھ توجہ تھی وہ بھی جاتی رہی، اور ان ناقصوں کی وجہ سے اصحاب صدق و وفا بھی مولاناؒ کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مولاناؒ کی شاعری کا آغاز بھی شمسؒ کی ملاقات کے بعد سے ہوا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمسؒ کے چلے جانے کے بعد مولاناؒ نے شعر کہنا بھی ترک کر دیا تھا، چنانچہ جو خط بعد میں شمس الدینؒ کو لکھا ہے اُس میں ارقام فرماتے ہیں کہ

یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد تا رسید آں مشرفہ مفہوم

بقول سپہ سالارؒ انقطاع کلی کی یہ حالت اُس وقت تک قائم رہی کہ دمشق سے شمس الدینؒ کا خط مولاناؒ کے نام آیا، یہ خط بلا شان و گمان دفعتہً آ گیا تھا۔[2] اس خط کے پانے کے بعد مولاناؒ کی حالت کچھ بدلی، اور شمسؒ کے شوق و عشق میں سماع کی جانب متوجہ ہوئے، غزلیں بھی کہنے لگے، اور جن لوگوں نے حضرت شمسؒ کے خلاف حرکات میں شرکت نہیں کی تھی ان پر حسب سابق عنایت فرمانے لگے، لیکن جن لوگوں نے اس شرارت میں حصہ لیا تھا، ان کی جانب اب بھی مطلق التفات نہیں کرتے تھے۔[3]

معلوم ہوتا ہے کہ خط کے آنے اور خود حضرت شمسؒ کے تشریف لانے کے درمیانی زمانہ

---

[1] سپہ سالارؒ ص ۶۲ [2] ناگاہ از حضرت شمس الدین بخداوندگار از مجردسہ دمشق مکتوب آمد"

[3] سپہ سالارؒ ص ۶۲ [3] سپہ سالار ص ۶۷

Marfat.com

میں مولاناؒ اور حضرت شمسؒ میں مراسلت جاری ہو گئی تھی مگر شورش کے کلیتہً محو نہ ہو جانے کی وجہ سے مولاناؒ نے حضرت شمسؒ کے بلانے میں ہنوز تامل کیا۔ افلاکیؒ نے چار خطوط نقل کئے ہیں، ان میں آخری خط سلطان ولدؒ کے ذریعہ سے روانہ فرمایا تھا اور بقیہ تین خط اس سے قبل بھیجے تھے۔ یہ تینوں خطوط غزل کی صورت میں ہیں اور یہ غزلیں دیوان میں موجود ہیں۔ یہاں ابتدائی تین خطوط میں سے ہر ایک خط کے چند اشعار دیئے جاتے ہیں، پورا خط دیکھنا ہو تو دیوان کی طرف رجوع کیا جائے۔

نامۂ اول

ایّہا النّور فی الفواد تعال — غایت الجد والمراد تعال
ایہا السابق الّذی سبقت — منک مصدوقتہ الوداد تعال
چوں بیائی زہے کشاد و مراد — چوں نیائی زہے کساد تعال
انت کالشمس اذ دنت نارت — یا قریبا علی العباد[1] تعال

(۱۱۔ ص ۴۵۵)

نامۂ اول

اے ظریف جہاں سلام علیک — ان وائی و صحتی بیدیک
داردے درد بندہ چیست بگو — قبلۃً لو رزقت من شفتیک
گر بخدمت نمی رسم بہ بدن — انما الروح والفواد لدیک

---

[1] مناقب العارفین میں دو شعر زیادہ یعنی تیرہ شعر ہیں (نسخہ قلمی)

Marfat.com

گر خطابے نمیرسد بے حرف — پس جہاں پُر چرا شد از لبیک
شمسِ دینؒ عیش دوست نوشت یاد — زانکہ پیدا شدہ است فی عینیک

(، ص ۴۴۴ ؎۱)

نامہ سوم

زندگانی صدر عالی باد — ایزدش پاسباں وکالی باد

؎۱ اسی صفحہ پر گیارہ شعروں کی ایک دوسری غزل اور بھی ہے جس کا ردیف "سلام علیک" ہے۔ اس میں شیخ صلاح الدین کا بھی ذکر کیا ہے۔

اے شریف جہاں سلام علیکؑ — وے غریب زماں سلام علیکؑ

.....

اے صلاح جہاں صلاح الدینؒ — بر تو تا جاوداں، سلام علیکؑ
شمسؒ تبریز راحتِ دل ماست — راحت روح وجاں، سلام علیک

(۱۱۔ ص ۴۴۴)

اس غزل کے علاوہ اور بھی دو غزلیں ہیں جنہیں حضرت شمسؒ کو سلام پہونچایا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں غزلیں حضرت شمسؒ کی موجودگی میں کہی ہیں۔

از اول روزلے جان صد بار سلام علیک — در گفتن وخاموش صد بار سلام علیکؑ
شمس الحق تبریزی دیدیم رخِ خوبت — گفتیم زجان ودل کانوار سلام علیک

(۱۶۔ ص ۴۳۹)

آیا برائے تو در جان ما سلام علیک — غلام بتحری ازان بیا سلام علیکؑ
چہ شرمسارم ازانعام شمسِ تبریزی — کہ بخطہ بخطہ در دست با سلام علیکؑ

(۱۵-۴۴۲)

Marfat.com

ہر چہ بستہ است مقبلاں را عیش | پیش و نقد وقت حالی باد
بخت نقد است شمسؒ تبریزی | او بسم غیر او حالی باد

(۷۔ ص ۴۴۳)

ان خطوط سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولاناؒ نے شمسؒ کو قونیہ آنے کی ترغیب دی ہے مگر قطعی کچھ نہیں لکھا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہوگی کہ سرکشوں کا فتنہ بالکل فرو نہ ہوا ہوگا، مکتوب اول کے آخری دو شعر داد طلب ہیں کہ کس خوبی سے اپنا اشتیاق بھی ظاہر فرمایا ہے اور قطعی التجا بھی نہیں کی ہے، آنا باعث کشاد ہے، نہ آنا موجب کساد ہے، آپ کا آنا آفتاب کا قریب آجانا ہے کہ سب کو جلا کر راکھ کر دے۔

دوسرے خط میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اگرچہ جسماً بعید ہوں مگر روحاً قریب ہوں اور اس حرمان اور اس کے انقطاع کی تدبیر بھی خود ہی بتائی ہے۔

تیسرے خط میں زیادہ صراحت کر دی ہے، کہ اب ہجر کو زیادہ طول نہ دیجے، چوتھے خط میں صاف لکھ دیا ہے کہ ؎

آں عناں را بدیں طرف برتاب | زفت کن پیل عیش را خرطوم!

اس اثناء میں سوزش بہت کچھ فرو ہو گئی، کیونکہ منکرین و مفسدین نے جب یہ دیکھا کہ وہ بالکل مبغوض و محجوب ہوئے جاتے ہیں توبہ و استغفار کیا اور مولاناؒ کی خدمت میں آکر عذر خواہی کی ؎

پیش شیخ آمدند را بر کناں | کہ بجنانہ مکن دگر ہجراں
توبہا می نعیم رحمت کن | گر دگر ایں کنیم لعنت مکن
چہ سر مسارم از انعام شمسؒ تبریزی | لحظہ لحظہ درود ست با سلام علیک

Marfat.com

جب مہینوں اس طرح گریہ وزاری کرتے رہے تو مولاناؒ نے بھی درگذر سے کا
اور آپ کا دل ان لوگوں کی طرف سے صاف ہو گیا۔

یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ اب لوگوں نے شمسؒ کی مخالفت ترک کر دی ہے
مولاناؒ نے شمسؒ کو واپس بلانے کی تدبیر کی۔ سلطان ولدؒ نے اس تمام کیفیت کو بہ
تفصیل سے دیا ہے۔ ہم اسی نظم کو نثر کئے دیتے ہیں۔

"مولاناؒ ظاہراً و باطناً مجھ پر (سلطان ولدؒ) حد سے زیادہ عنایت فرماتے تھے، ب
کہا کہ تم میرے طرف سے اس شاہ مقبول کے پاس جاؤ، یہ روپیہ لیجا کر ان کے قدم
پر نثار کرد، اور میری جانب سے کہو کہ جن مریدوں نے گستاخی کی تھی وہ سب صد
دل سے توبہ کرتے اور یہ التجا کرتے ہیں کہ جو خطا ہوئی درگذر فرمایئے اور اس جانب قد
رنجہ فرمایئے، میں نے والدؒ کی گفتگو سن کر سر جھکا دیا، خدا کا شکر کیا اور کہا کہ میں جاتا او
انھیں لاتا ہوں، نہایت ذوق و شوق سے روانہ ہوا، راستہ کی صعوبتوں کا کچھ خیا
دل میں نہ لایا، آخر دمشق پہونچکر حضرت شمس الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سر
زمین پر رکھا، آپ نے لطف و عنایت فرمایا اور بہت کچھ حقائق و معارف بیان فرما
جب اصل مقصود رسالت کو سنا تو خوشی سے قبول فرمایا، اور دمشق سے روم کی جانب
روانہ ہوئے، میں کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے صدق و ادب کے خیال سے آپ
کی رکاب میں پیدل روانہ ہوا، حضرت نے فرمایا کہ تم بھی فلاں گھوڑے پر سوار
ہو جاؤ، عرض کیا کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ شاہ بھی سوار ہو اور بندہ بھی سوار ہو
اس سے معذور رکھئے، مجھے آپ کی رکاب میں پیادہ چلنا ہی زیب دیتا ہے۔ عرض
طرح ایک ماہ سے زائد کا راستہ پیادہ پا طے کیا، راستہ اگرچہ دشوار گزار تھا مگر حضرت

Marfat.com

حقائق و معارف کے بیان سے سب سختیاں بھول جاتی تھیں، اس راستہ میں ایسے ایسے اسرار منکشف ہوئے کہ یہ سعادت کسی کو نصیب نہ ہوئی ہو گی،

سلطان ولدؒ کی اس روئداد میں سپہ سالار[1] کے بیان سے جو اضافے ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ مولاناؒ کے تمام اصحاب نے جمع ہو کر سلطان ولدؒ سے یہ التماس کی کہ کچھ لوگوں کو لے کر مولانا شمس الدینؒ کی طلب میں دمشق کی طرف روانہ ہوں، اور انھیں لوگوں نے بہت کچھ سیم و زر شکرانہ اور خرچ راہ کے لئے دیا، مولاناؒ نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا اور آپ کا اشارہ پا کر سلطان ولدؒ دمشق کو روانہ ہوئے۔

مولاناؒ نے ذیل کی غزل حضرت سلطان ولدؒ کے ذریعہ سے روانہ فرمائی۔ یہ چوتھا خط تھا جو حضرت شمسؒ کو دمشق میں بھیجا[2]۔

---

[1] سپہ سالار ص ۶۷-۶۸

[2] زین العابدین شروانی نے اپنے دیباچہ مثنوی (ص ۶) میں لکھا ہے کہ جب سلطان ولدؒ کو دمشق روانہ کیا تو (منجملہ دیگر ہدایات کے یہ بھی) فرمایا کہ یہ ابیات پڑھنا۔

برو ای حریفاں بکشید یار ما را — بمن آورید حالا صنم گریز پا را
ابھا نہائے شیریں بترا نہائے رنگیں — بکشید سوے خانہ مہ خوب خوش لقا را
اگر او بوعدہ گوید کہ دمِ دگر بیایم — مخورید یک دم او را بفریبد او شما را
دمِ سخت گیرم کہ بہ جادوئے افسونے — بزند گرہ بر آب دہنہ داد موا را

سوانح مولاناؒ (ص ۱۶) میں بھی ہے کہ "ان اشعار (یعنی خط منظومہ) کے علاوہ ایک غزل بھی ۱۵ شعر کی تھی جسکے دو شعر دیباچہ مثنوی میں نقل کئے ہیں (دیباچہ مثنوی سے مراد یہی زین العابدین کا دیباچہ ہے اور صاحب

Marfat.com

بخدائیکہ در ازل بودؤ است — حیّ و دانا و قادر و قیوّم
نور او شمع ہائے عشق افروخت — تا بشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جہاں پُر شد — عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسماتِ شمسؒ تبریزی — گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی — از حلاوت جدا شدیم چو موم
ہمہ شب ہمچو شمع می سوزیم — ز اتشے جفت و ازانگبیں محروم
در فراقِ جمال تو مارا — جسم ویران و جان ہمچوں موم
آں عناں را بدیں طرف برتاب — زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست حلال — ہمچو شیطاں طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد — تا رسید آں بہ متسرقہ مفہوم
پس بذوق سماع نامۂ تو — غزلے پنج و شش بشد منظوم
شام و نور صبح روشن باد — اے بتو فخر شام و ازمن روم

دمشق پہنچکر ہر طرف جستجو کی، چند روز کے بعد حضرت شمس الدینؒ کا پتہ چلا، وہاں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۹)

سوانح مولانا روم نے اسی کو مستند قرار دیا ہے۔)

پسہ سالارؒ اور افلاکیؒ نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے مگر اقتضائے حالات کے اعتبار سے معلوم ہے کہ یہ غزل اسی موقع پر کہی گئی ہے۔

(زین العابدین نے لکھا ہے کہ یہ غزل پندروں شعروں کی ہے مگر کلیات (ص ۶۵) میں گیارہ ہی شعر ہیں شعر جو قونیہ میں ہے وہ زین العابدین کے دیباچہ میں نہیں ہے)

Marfat.com

لوگوں کو حضرت شمس الدینؒ کے موجود ہونے کا علم نہیں تھا۔

حضرت شمس الدینؒ نے مولاناؒ کا پیغام سُن کر فرمایا کہ سیم وزر سے مجھے کیا فریب دیتے ہو، مولاناؒ سے محمدی سیرت کا پیغام کافی ہے، مولاناؒ کے اشارت سے کیونکر تجاوز کر سکتا ہوں،[1]

سامان سفر کے درست ہونے تک دمشق میں قیام رہا، اور اس تمام دوران میں مجالسِ سماع گرم رہیں۔

قونیہ پہنچ کر حضرت شمس الدینؒ نے مولاناؒ سے سلطان ولدؒ کی بہت ستائش کی، اور آپ کے پیادہ چلنے کا حال بیان کیا۔ مولاناؒ بغایت خوش ہوئے۔ اور سلطان ولدؒ کے حسن ادب کی بہت تعریف کی۔

افلاکیؒ سے جو مزید حالات معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ

"مولاناؒ نے جب سلطان ولدؒ کو شمسؒ تبریزی کی جستجو میں دمشق بھیجا تو یہ فرمادیا تھا کہ انھیں جبل صالحیہ کی سرائے میں ایک فرنگی بچہ کے ساتھ نرد کھیلتے ہوئے پاؤگے، جب شمس الدینؒ جیتتے ہیں تو اس سے کچھ رقم لیتے ہیں اور جب وہ لڑکا جیتتا ہے تو مولانا شمس الدینؒ کو چپت مارتا ہے، غلطی میں نہ پڑنا اور منفعل نہ ہونا کہ وہ لڑکا بھی اولیاء اللہ سے ہے مگر اپنے کو جانتا نہیں ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب مولانا شمسؒ الدینؒ قونیہ کو روانہ ہوئے تو وہ فرنگی بچہ اپنے ملک کو چلا گیا اور وہاں مولاناؒ کی نیابت

---

[1] "مارا بہ سیم وزر چہ می فریبد، مارا طلب مولانائے محمدی سیرت کفایت است دراز کس واشارت او تجاوز چگونہ توان کردن" سپہ سالار ص ۷۰

Marfat.com

کرتا رہا[1]"

جبل صالحیہ میں حضرت شمس الدینؒ کا قیام ضرور رہا ہے کیونکہ مولاناؒ نے اپنی غزل میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

اندر جبلِ صالح کانیست ز گوہر　　زاں گوہر ما غرقۂ دریائے مشقیم

مگر یہ تصریح پہ سالارؒ کے اس بیان کے خلاف واقع ہوتی ہے کہ دمشق پہونچکر ہر طرف جستجو کی اور چند روز بعد حضرت شمس الدینؒ کا پتہ چلا۔" ممکن ہے کہ جب سلطان ولدؒ حضرت شمس الدینؒ کی خدمت میں پہنچے ہوں اس وقت آپ نزدیکل رہے ہوں، اور اسی روایت میں کچھ اضافہ مابعد ہوگیا اس سے اصل مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

[شمس الدینؒ کے پہلی بار ناراض ہو کر چلے جانے اور پھر واپس آنے کے متعلق "سوانح مولانا رومؒ" میں ایک عجیب عبارت درج ہے کہ

"مثنوی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شمسؒ اول دفعہ جب ناراض ہو کر چلے گئے تو اپنے وطن تبریز پہونچے، اور مولاناؒ خود جاکر ان کو تبریز سے لائے چنانچہ خود مثنوی میں اس واقعہ کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

ساربانا! بار بکشا زاشتراں　　شورِ تبریز است کوئے دلستاں

قرفردوس است این پالیز را　　شعشۂ عرش است این تبریز را

ہر زمانے فوج روح انگیز جاں　　از فراز عرش بر تبریزیاں[2]"

مثنوی شریف کے قلمی و مطبوعہ نسخے چالیس سے کم اس عاجز کی نظر سے نہ گزرے ہونگے مگر

---

[1] مناقب نسخہ قلمی ردّ ہاص ۱۷،

Marfat.com

ان میں سے کسی مثنوی کے دیباچہ سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مولانا تبریز جاکر حضرت شمس الدینؒ کو وہاں سے واپس لائے تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ "مثنوی کے دیباچہ" سے مراد زین العابدین شروانی کا دہ دیباچہ ہے جو کشف الابیات والے نسخہ مثنوی کے ساتھ شامل ہے اور شروانی کا ماخذ دولت شاہ کے یہ الفاظ معلوم ہوتے ہیں کہ "شمس الدینؒ از مولانا پنہاں بجانب تبریز گریخت .... و مولاناؒ بطرف تبریز آمد و باز شمسؒ را ہمراہ بردم برد"[1]

جن اشعار کا اس جانب اشارہ بتایا جاتا ہے وہ دفتر ششم کے اختتام کے قریب کی اس حکایت میں ہیں جنمیں ایک قرضدار اپنے ادائے قرض کی امید میں بدرالدین تبریزی سے ملنے کے خیال سے تبریز گیا ہے۔ مولانا نے تبریز کی مدح میں اسی شخص کی زبان سے چھ اشعار ادا کئے ہیں جنمیں پہلے تین شعر عربی کے ہیں اور آخری تین شعر دہی ہیں جو اوپر درج ہوے۔ اس سے خود مولاناؒ کا تبریز جانا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا اور خود مصنف "سوانح مولاناؒ روم" (دو ہی صفحہ قبل) سلطان ولدؒ کے دمشق جانے اور شمسؒ کو لانے کے حالات تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں، پس اس تناقض کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ مصنف ممدوح سے اتفاقاً سہو گیا۔

مثنوی شریف کے ان اشعار سے تو نہیں مگر دیوان کی بعض غزلوں سے کچھ اشارہ اس امر کا ملتا ہے کہ شمسؒ کی غیبت اول خواہ دوم کے بعد مولاناؒ کو یہ خیال تھا کہ آپ تبریز میں ہونگے چنانچہ اشعار ذیل سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

---

[1] تذکرۃ الشعرا، ص۸۸۔ اکثر علمائے یورپ نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے چنانچہ نے لکھا ہے کہ حضرت شمسؒ تبریز کو بھاگ گئے، مولاناؒ بھی ان کے پیچھے پیچھے پہنچے اور انھیں تزک و احتشام کے ساتھ واپس لے آئے۔

Marfat.com

فاش بگو کہ شمس دینؒ[1] ... وشہ یقین — در تبریز ہمچوں دین اوست نہان و مستتر

(۸ - ص ۳۶۲)

ہلہ اے شاہد رعنا ز در ہجر بیا — تا بروے تو شود شاد دلِ غمگینم
وقت صحبت برآ از سوے تبریز و بیا — ہلہ اے پیکِ صبا نامۂ شمس الدینم

(ص ۵۴۳)

شمسؒ تبریز کہ بنمود بہر دیدہ عیاں — حاضر است او و نہانم تنا ہا یا ہو
شمسؒ تبریز کہ دانندۂ اسرار دل است — غیر از و ہیچ ندانم تنا ہا یا ہو
شمسؒ تبریز کہ غائب شد ازیں چرخ کبود — من نشانش بنشانم تنا ما یا ہو
شمسؒ تبریز کہ تبریز از و معمور است — اوست نورِ دل و جانم تنا ہا یا ہو

(۲۰ ص ۷۱۵)

ایک اور غزل کے بعض اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین شمسؒ کی طرف سے مولاناؒ سخت غصہ میں بھرے ہوے ہیں اور مقطع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تبریز جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

بادہ نمی بایدم، فارغم از درد و صاف — تشنۂ خونِ خودم، آمد وقتِ مصاف

بقیہ حاشیہ ص ۱۶۳،
مگر اس کے بعد ہی پھر لوگوں نے انھیں (حضرت شمسؒ کو) ستانا شروع کیا اور وہ دمشق کو چلے گئے، جہاں دو برس رہے" یہ صحیح ہے کہ حضرت شمسؒ جب قونیہ سے پہلی بار گئے ہیں تو تقریباً دو برس دمشق میں رہنے کے بعد پھر قونیہ واپس آئے ہیں مگر یہ غیبت اول تھی۔ غیبت ثانی کے بعد پھر حضرت شمسؒ کا کچھ پتہ نہ چلا، پس دمشق جانے سے قبل تبریز کا جانا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ غیبت اول سے قبل کسی وقت تبریز گئے ہوں مگر اس کا کوئی ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔ [1] ایک لفظ نہیں پڑھا گیا۔

Marfat.com

برکش شمشیر تیز، خونِ حسوداں بریز — تا سر بے تن کند گرد تنِ خود طواف
گوش بغوغا مکن ہیچ محابا مکن — سلطنتِ قہرمان نیست چنیں دست باف

. . . . . .

ہیں بزن اے فتنہ جو سرہنگ ایں سبو — تا نکشم آب جو تا نکنم اعتراف
ترک سقائی کنم غرقۂ دریا شوم — دور ز جنگ و خلاف بینمی از اعتراف
خیز بہ تبریز رو در طلبِ شمس دیںؒ — تا دل و جانت شود در رہ اخلاص صاف

(۱۸۔ ص ۴۳۳-۴۳۴)

ایک دوسری غزل میں ارشاد ہوتا ہے کہ

چونکہ بہ تبریز روم شمسؒ بود ہمدم من — باخبرم از نظرش، باخبرم باخبرم

(۵۔ ص ۵۱۹)

ایک اور غزل ہے جس میں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے گویا تبریز سے سے کوئی شخص مولاناؒ کو طلب کر رہا ہے۔

یوسفی از چاہ و زنداں چارہ نیست — سوئے زہر قہر چوں شکر بیا

. . . . . .

در صفاتِ دل گرفتی در سفر — ہمچو دل، بے پا بیا، بے سر بیا
چوں لبِ لعلش صلائے میدہد — گر نئی چوں خارۂ و مرمر بیا
چوں ز شمسؒ الحق جہاں پُر نور شد — سوئے تبریز اے دلا زو تر بیا

(۹۔ ص ۷۳)

ایک دوسری غزل ہے جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ کسی وقت خود تبریز میں

Marfat.com

موجود تھے۔

بر سر کوئے تو دلم زار و نزار خفت دوش — کرد خیال تو گزر دید بداں صفت ورا
گفت چگونہ ازیں عارضۂ گراں بگو — کز تنگی زدیدہا رفت تن تو در تفا
گفت دگر گذشت او زمن لیک از دقِ آن سخن — صحت یافت این دلم از ہمہ علت وعنا
سوئے شراب خانہ رو، جرعۂ عشق نوش کن — تا کہ ز فیض فضل او باز رسد ترا شفا
در تبریز تا شدم از مئے عشق بیخودم — بادۂ صاف خوردہ ام از کف ساقیٔ صفا

(۱۳۔ صنہ)

ایک پوری غزل گیارہ شعروں کی تبریز کے وصف میں ہے اگر محض قیاس سے کام لیا جائے تو اس غزل کے اشعار سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولاناؒ نے تبریز کا عزم فسخ کر دیا تھا۔

دیدہ حاصل کن دلا، دانگہ ببیں تبریز را — بے بصیرت کے تواں دیدن چنیں تبریز را
نفس تو عجل سمیں دتو مثال سامری — چوں شناسد دیدۂ عجلِ سمیں تبریز را
چوں درختے را بینی مرغ کے بینی درو — پس چہ گویم با تو جانِ جاں ایں تبریز را

(۱۱۔ صنہ)

اصل یہ ہے کہ تبریز کے متعلق اشارات مولاناؒ کی غزلوں میں بہت ہی کثرت سے ملتے ہیں۔ اور ان غزلوں میں بہت سی وہ فراقیہ غزلیں بھی ہیں جو شمسؒ کی غیبت کے زمانہ میں کہی گئی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ شمسؒ کی غیبت اول کے بعد مولاناؒ شعر گوئی سے بالکل خاموش ہو گئے تھے، اس کے برخلاف شمسؒ کی غیبت دوم کے بعد آپ نے نہایت کثرت سے اُن کے فراق میں غزلیں کہیں، پس جن فراقیہ غزلوں میں تبریز کا ذکر یا ہے وہ وہی ہیں جو شمس کی غیبت دوم کے بعد لکھی گئی ہیں، پس اگر ان غزلوں کے اشارات و کنایات سے مولاناؒ کا تبریز جانا مترشح ہو تو اسے اس غیبت دوم کے بعد سمجھنا چاہیئے، لیکن اسے ظن د

Marfat.com

گمان سے زیادہ وقیع نہیں قرار دے سکتے، قطعاً کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ مولانا شمسؒ
کی جستجو میں کسی وقت تبریز گئے ہوں۔

ان تمام اشارات و کنایات کی حقیقت کو مولاناؒ نے خود ایک رباعی میں صاف واضح کر دیا ہے اس کے بعد کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ؎

از عشق تو ہر طرف یک شبخیزے — شب گفتہ ز زلفین تو عنبر بیزے
نقاشِ ازل نقش کند ہر طرفے — از بہر قرار دلِ من تبریزے

اصل یہی ہے کہ حضرت شمسؒ کے تعلق سے تبریز کا ایک خیال مولاناؒ کے دل جاگزیں ہوگیا تھا، عالم تصور میں طرح طرح کی صورتیں اختیار کرتا رہتا اور مختلف طریقوں سے دل سے نکل کر زبان پر آتا رہتا تھا، ورنہ واقعاً مولاناؒ تبریز نہیں گئے تھے۔

حضرت شمسؒ کے قونیہ پہنچنے پر مولاناؒ کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہی، جن لوگوں سے گستاخیاں سرزد ہوئی تھیں سب نے آ آکر معافی مانگی۔ پھر تو یہ دستور ٹھہرا کہ لوگوں نے باری باری سے مجلس سماع منعقد کرنا شروع کی اور ایک مدت تک یہ صحبت بے کدورت اسی طرح برقرار رہی، اس اثنار میں شمسؒ کے ساتھ مولاناؒ کا اخلاص و اتحاد پہلے سے زیادہ بڑھتا گیا۔

۱۲۴۳ء میں شمسؒ پہلی بار قونیہ سے گئے تھے اور پھر واپس آنے کے بعد دوسری مرتبہ ۱۲۴۵ء میں اس طرح غائب ہوئے کہ پھر آپ کا پتہ نہ چلا، شمسؒ کی اس غیبت اول کے زمانہ میں مولاناؒ نے زیادہ غزلیں نہیں کہیں مولنا کی فراقیہ غزلیں جس قدر ہیں وہ زیادہ تر شمسؒ کی غیبت دوم کے بعد کی ہیں لیکن وصالیہ غزلیں زیادہ تر انھیں دو برسوں میں کہی گئی ہیں، ان غزلوں میں جس جوشِ عقیدت اور ولولۂ قلبی کا

Marfat.com

اظہار ہوا ہے اس کا اندازہ تو دیوان کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے یہاں صرف نمونتہً دو غزلوں کے چند اشعار دیئے جاتے ہیں جن سے ایک خفیف سا تصور مولاناؒ کی فرحت و انبساط کا ہو سکتا ہے۔ پہلی غزل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ کو شمسؒ کے دمشق میں ہونے کا علم ہو چکا ہے اور آپ حضرت شمسؒ کی آمد کے متوقع ہیں، دوسری غزل اس وقت کی معلوم ہوتی ہے جب حضرت شمسؒ آ گئے ہیں اور رنج و حرمان عیش و شادکامی سے مبدل ہو چکے ہیں۔

(۱)

امروز خدا نیم و خوش، کاں بخت خنداں میرسد — سلطان سلطانان ما، از سوئے میداں میرسد

امروز توبہ بشکنم، پرہیز را برہم زنم — کاں یوسفِ خوبانِ ما از سوی کنعاں میرسد

مست و خراماں میروم، پوشیدہ چوں جاں میروم — پرسان و جویاں میروم، آنسو کہ سلطاں میرسد

فرمان ما کن اے پسر، با ما وفا کن اے پسر — نسیہ رہا کن اے پسر، کامروز فرماں میرسد

ہاں اے پسر ہاں اے پسر، خود را ببیں دیں نگر — زیرا ز بوے زعفراں گریندہ خنداں میرسد

باز آمدی کف میزنی، تا خانہا ویراں کنی — زیرا کہ بر ویرانہا خورشید رخشاں میرسد

خونی و خونخوارہ گر خستگاں را چارہ کُن — چارہ کن بے چارہ کز سوئے ایشاں میرسد

امروز مستاں را بجو، یعنی مبیں، یعنی مگو — زیرا ز مستیہائے او حرفِ پریشاں میرسد

بینا شدم، بینا شدم، وز گفت ناپرداشدم — کز شمسؒ و نیم ہر زماں نزلِ فراواں میرسد

(۱۲۔ ص ۲۵۱)

(۲)

باز شیرے با شکر آمیختند — عاشقاں با ہمدگر آمیختند

Marfat.com

روز و شب را از میاں برداشتند — آفتابے با قمر آمیختند
رنگِ معشوقان و رنگِ عاشقاں — جملہ ہمچو سیم و زر آمیختند
چوں بہارِ سرمدیٔ حق رسید — شاخِ خشک و شاخِ تر آمیختند
رافضی انگشت و در دنداں گرفت — ہم علیؓ و ہم عمرؓ آمیختند
بر یکے تخت انداینم ہر دو شاہ — بلکہ خود در یک کمر آمیختند
ہر شرابے کز کفِ ساقی خوری — جملہ با قند و شکر آمیختند
من دہان بستم تو باقی را بداں! — کایں نظر با آں نظر آمیختند
بہر نورِ شمسِ تبریزی تنم — شمع و دارش با شرر آمیختند

(۱۳۔ صـ۲۹۰)

ایک روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس مرتبہ قونیہ پہونچکر حضرت شمسؒ الدین لوگوں سے ملنے جلنے میں محتاط رہتے تھے تا آنکہ لوگ خود آپ کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے، مناقب العارفین کے الفاظ یہ ہیں کہ

"لوگوں میں سخت غلغلہ مچا ہوا تھا کہ مولانا شمسؒ الدین وہی ہیں یا نہیں، لوگ جتنا ہی چاہتے تھے کہ ان سے ملیں اور ان کی حالت کا پتہ لگائیں وہ اتنا ہی گریز کرتے تھے" اتفاقاً اگر کوئی موقع ایسا آجاتا اور لوگ آپ کی شان میں کچھ سوء ادبی کرتے تو آپ نہایت لطف و حلم سے جواب دیتے تھے، چنانچہ ایک روز فرمایا کہ "جو لوگ میرے کلام میں دخل دیتے ہیں وہ تاریک پانی میں گرتے ہیں، میں ولی ہوں یا نہیں ہوں تمہیں اس سے کیا، میری دعا یہی ہے کہ خدا تمہیں اس سے بہتر کوئی شغل عطا کرے، مثالاً یہ کہا کہ ایک مرتبہ لوگوں نے کسی بھوکے سے کہا کہ دیکھو خوان لے جا رہے ہیں،

Marfat.com

اس نے کہا کہ مجھے کیا، لوگوں نے کہا تمہارے ہی گھر کو لے جا رہے ہیں، کہا تو پھر تمھیں کیا، اسی وجہ سے میں لوگوں سے بھاگتا ہوں کہ وہ اس تشویش سے محفوظ رہیں[1]

علیٰ ہذا کسی شخص نے ایک مجمع میں مولاناؒ کی مدح کی کہ ان میں بغایت شان نور ہے اور مولانا شمس الدینؒ میں یہ بات نہیں ہے، (یعنی مولانا شمس الدینؒ سے انکار کیا) مولانا شمس الدینؒ نے جواب دیا کہ "جو باطل کا معتقد ہو اور اس کی پیروی کرتا ہو اس میں یہ شان و نور کہاں سے ہوگا بلکہ وہ ضرور حق کی اقتدا کرتا ہوگا نہ کہ باطل کی۔ تم اولیاء اللہ کا نشان نہیں جانتے، آدمی جب عاجز ہوتا ہے تو اس عجز سے روشنی پیدا ہوتی ہے یا تاریکی، ابلیس عجز سے تاریکی میں پڑا، ملائکہ کو روشنی حاصل ہوئی"[2]

اکابر و عظام کو جب حضرت شمس الدینؒ کی ملاقات کی آرزو ہوتی تو اول چلپیؒ سے عرض کرتے اور آپ ہی کی سفارش سے لوگوں کا وہاں گزر ہوتا، حضرت شمس الدینؒ اسے موقعوں پر فرمایا کرتے کہ اگر فلاں شخص کی نیت صادق ہے تو دس ہزار دینار دے یا بیس ہزار دینار دے، ایک روز امین الدین میکائیل (نائب السلطان) نے حضرت شمس الدینؒ سے ملنے کی استدعا کی، فرمایا کہ چالیس ہزار درم دیں تو آویں، آخر تیس ہزار درم قرار پایا، امین الدین جب حاضر خدمت ہوئے تو حضرت شمس الدینؒ نے اس قدر حقائق و دقائق بیان فرمائے کہ امین الدین تشکر کرتے ہوئے باہر نکلے، اور دس ہزار درم مزید بطور شکرانہ کے پیش کئے، حضرت شمس الدین نے سب حضرت

---

[1] مناقب ص۱۸۵

[2] " ص۱۸۶

Marfat.com

حسام الدین کو حوالہ کیے کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں

مولاناؒ کی حرم محترم کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون تھی، حضرت شمسؒ نے اس کی خواستگاری کی، مولاناؒ نے بدل وجان قبول کیا، اور یہ معلوم ہونے لگا کہ اب حضرت شمس الدینؒ زیادہ اطمینان کے ساتھ قونیہ میں قیام کریں گے۔

مگر اس دور خرمی کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ پھر آزردگی کے اسباب پیدا ہوگئے، جس کی ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ حضرت شمسؒ کا جب عقد ہوا ہے وہ جاڑے کا زمانہ تھا۔ مولاناؒ نے تابخانہ ( ) کے قریب ہی دالان (صفہ) میں ایک طرف کو شمسؒ کے قیام کا انتظام کر دیا[1]۔ مولاناؒ کے فرزند متوسط (منجھلے صاحبزادے) چلپی علاء الدین جب مولانا اور اپنی والدہ سے ملنے جاتے تو اسی طرف سے ہو کر گزرتے، مولانا شمس الدینؒ کو یہ بات ناگوار ہوتی، کئی مرتبہ مشفقانہ طور پر سمجھایا کہ اس طرح بے تکلف ادھر سے نہ گزرا کریں، علاء الدین کو یہ بات شاق گزری، اور ان کے دل میں کچھ اس بات سے بھی کدورت تھی کہ حضرت شمس الدینؒ سلطان ولدؒ پر زیادہ نظر عنایت رکھتے تھے، انھوں نے اس کا چرچا لوگوں سے کیا، جو لوگ اس قسم کے موقع کے متلاشی تھے، انھوں نے اور بھی حاشیے چڑھائے اور کہنے لگے کہ یہ بھی خوب رہی کہ ایک بے گانہ نے آکر خداوندگار کے مکان پر قبضہ کر لیا ہے اور خداوندگار کے فرزند کو گھر میں آنے نہیں دیتا، اس طرح ایک بات ہاتھ آگئی اور مفسدوں نے پھر

---

[1] پہ سالار ص ۶۸

(تردید سوانح دوم کہ مناقب میں اس کا ذکر بھی ہے)۔

Marfat.com

موقع بیموقع شمسؒ کے خلاف زہرافشانی شروع کی[1]

یہ تفصیل سپہ سالار نے دی ہے، سلطان ولدؒ نے صرف ایک اشارہ کر دیا ہے،
کوئی تفصیل نہیں دی ہے،

باز شیطاں بصورت دیگر　　زد در ایشاں کدورتے دیگر

.....

بازگشتند ہمچو اول بار!　　مئے و مستی گزشت و ماند خمار
روشنی شد بدل بتاریکی　　صحتِ تن برنج بار یکی!

حضرت شمس الدین نے محض لطف و حلم کی وجہ سے مولاناؒ سے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا، مگر جب معاملہ حد سے گزر گیا تو سلطان ولدؒ سے برسبیل حکایت یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ میں اس طرح غائب ہوں گا کہ پھر کسی کو میرا پتہ نہ چلے گا۔ مگر خود سلطان ولدؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے صریحاً کہا اور مکرر کہا،

گفت شہ با ولدؒ کہ دیدی باز　　چوں شدند از شقہ ہمہ دمساز
کہ مرا از حضورِ مولانا رح　　کہ چو او نیست ہادیٔ دانا
نگنندم جدا و دور کنند　　بعد من جملگاں سرور کنند
خواہم ایں بار آنچناں رفتن　　کہ نداند کسے کجا ام من
ہمہ گردند در طلب عاجز　　ندہد کس ز من نشاں ہرگز

---

[1] سپہ سالار ص ۶۸ - ۶۹ -
[2] برسبیل حکایت بخدمت سلطان ولدؒ شمہ تقریر فرمود کہ ایں نوبت از حرکات ایں جمع معلوم گردد کہ چناں غیبت خواہم کرد کہ اثر مرا ہیچ آفریدہ نیابد (سپہ سالار ص ۶۹)

Marfat.com

سالہا بگذرد چنیں بسیار — کس نیابد ز گردِ من آثار
چوں کشانم دراز گویندایں — کہ وراد شمنے بکشت یقیں
چند بار ایں سخن مکرر کرد — بہر تاکید را مقرر کرد

سلطان ولدؒ اور سپہ سالارؒ کے بیانات سے اگرچہ یہ واضح نہیں ہوتا کہ مولاناؒ کو بھی حضرت شمسؒ کے اس ارادے کی کچھ خبر تھی یا نہیں مگر مولاناؒ کی بعض غزلوں سے یہ استنباط ہو سکتا ہے کہ مولاناؒ بھی اس سے بالکلیہ بے خبر نہیں تھے۔

مولاناؒ کی غزلوں کی نسبت یہ مسلم ہے کہ بیشتر غزلیں واقعات پر مبنی ہیں اور ان غزلوں سے مولاناؒ کے حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ دیوان میں چار غزلیں ہیں، جن کا ردیف "میکنی مکن" ہے۔ ان غزلوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کے اس ارادے کا کچھ اشارہ مولاناؒ کو بھی مل گیا تھا اور مولاناؒ نے اول کنایتہً اور بعد ازاں صراحتہً حضرت شمسؒ کو اس ارادے کے بدلنے کی جانب مائل کرنا چاہا۔

پہلی غزل چودہ شعروں کی ہے، اس میں باتوں ہی باتوں میں حضرت شمسؒ کی ناگواری کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ چہرے سے آثار ملال کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم لوگوں سے کنارہ کش ہوا چاہتے ہیں، اپنے نفع کی فکر ہے میرے نقصان کی کچھ پروا نہیں۔ میری خوشی ناخوشی سے غرض نہ ہو نہ سہی مگر معلوم نہیں اب کس کی رضاجوئی کا خیال ہے؛ ایسا نہ کیجئے اور آفتاب کو زیر ابر پوشیدہ نہ فرمایئے۔

اے آنکہ از میانہ کراں میکنی مکن — بر ما ز خشم روے گراں میکنی مکن
در بند سود خویش و اندر زیان ما — کس زیں نکرد سود، زیاں میکنی مکن
راضی شدی کہ بیش نخوئی رضائے ما — ایں از پئے رضائے کیاں میکنی مکن

Marfat.com

مخدوم شمسؒ دیں شہ تبریز نازنیں　　چوں شمس زیر ابر نہاں میکنی، مکن

اس کے بعد دوسری غزل صرف چھ شعروں کی ہے اور راقم الحروف کا قیاس یہ ہے کہ یہ غزل حضرت شمسؒ کی ہے[1] اور مولاناؒ کی مذکورۂ بالا غزل کے جواب میں ہے۔ اس میں بعض تلمیحات ایسے صاف و صریح ہیں گویا واقعات آیندہ کی پیشین گوئی کردی ہو کہ لوگوں کے حرکات پر نظر کیجئے، میری جان کو بلا میں نہ پھنسائیے، میں ہر طرح آپ کا نیازمند ہوں مگر آپ مجھے شیروں کے جنگل میں چھوڑ دیتے ہیں، آپ کے ارادتمند گبر و مومن سب ہی ہیں، مجھ مردے پر عزا کرنے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو چاہیئے کہ مردوں کو زندہ کیجئے، اپنے فرزند کو ہلاکی میں نہ ڈالیئے۔

اعمال خلق مرا چو بہا میکنی، مکن　　جاں را چہ در بلا و فنا میکنی، مکن
در بیشۂ نیاز، ہزبرانِ خشمگیں　　اندر پیم شہا چہ رہا میکنی، مکن
گر گبر و مومن است چو گشتہ ہوائے تو　　بر شخص مردۂ چہ عزا میکنی، مکن
رو پاک شو چو عیسیٰؑ دہ مردہ زندہ کن　　فرزند را بمرگ فنا میکنی، مکن
شمسؒ الحق اے نظام زمین و فلک ز تو　　با یار مختلف چہ دغا میکنی، مکن

(۶۔ صـ ۶۷۰)

اس کے بعد تیسری غزل سترہ شعروں کی ہے، اس میں مولاناؒ نے بہت صاف و صریح فرمادیا ہے کہ سنتے ہیں کہ سفر کا ارادہ ہو رہا ہے، کسی اور یار و حریف کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی ہے۔ مجھ سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے وہ کیا ہوئے اور اب جو نئے قول و

---

[1] اس کے متعلق حصہ دوم میں بحث "تحریر دیواں" دیکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

وقرار ہو رہے ہیں ان پر کیا اعتماد۔

بشنیدہ ام عزم سفر میکنی، مکن — ہر حریف و یار دگر میکنی، مکن
تو در جہاں غریبی و غربت چہ میکنی — قصد کدام خستہ جگر میکنی مکن
کو عہد و کو وثیقہ کہ با ما تو کردہ ٔ — از قول و عہد خویش عبر میکنی مکن
چہ دعدہ میدہی و چہ سوگند میخوری — سوگند عشوہ را چہ پسر میکنی، مکن

(۱۷۔ ص ۶۷۱)

ان غزلوں کے بعد چوتھی غزل سات[1] شعروں کی ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کا ارادۂ سفر کچھ پختہ ہو چکا ہے اور مولاناؒ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب ایسا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اس غزل میں "بشنیدہ ام" کے بجائے "بینمت" ہے۔

می بینمت کہ عزم جفا میکنی، مکن — عزم عتاب فرقت ما میکنی، مکن
ہمچو کہ شیر شرزہ، خونخوارہ، ای نگار — در خونِ دل چرا تو چرا میکنی مکن،
بختِ مرا چو کلکِ نگونسار میکنی — پشت مرا چو دال دوتا میکنی مکن
اے تو تمام لطف خدا و عطائے تو — خود را تمام قہر خدا میکنی مکن
از چہرہ ٔ کہ نور گرفت از چہ رخت — میکنی مکن
پیوند کردہ ٔ کرم و لطف با دلم — پیوند کردہ را چہ جدا میکنی مکن
آں بندگی کہ شاہ شدا از رخ خوشت — اورا بمات غم چہ گدا میکنی مکن

(۷۔ ص ۶۷۲)

---

[1] مناقب ص ۳۸۸

Marfat.com

بہرنوع، ان غزلوں سے جو ترتیبی نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ بعینہ صحیح ہوں یا نہ ہوں مگر اتنا ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت شمسؒ کی آزردگی اور ترک قونیہ کے ارادے سے مولاناؒ لاعلم نہیں تھے اور جب غزلوں میں اس طرح پر اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے تو عملاً بھی ہر طرح پر حضرت شمسؒ کی آزردگی کو رفع کرنے اور عزم سفر سے باز رکھنے کی فکر کی ہوگی

مناقب العارفین میں حضرت شمس الدینؒ کی ناخوشی کی ایک اور وجہ یہ بھی درج ہے کہ ایک روز کیمیا خاتون مکان سے باہر چلی گئی تھیں، حضرت شمس الدینؒ جب مکان میں آئے اور انھیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سلطان ولدؒ کی دادی اور چند دوسری عورتوں کے ساتھ باہر سیر کو گئی ہیں۔ آپ نہایت آزردہ خاطر ہوئے، کیمیا خاتون جب مکان میں آئیں تو درد سے بیتاب ہو کر گر پڑیں اور تین دن بعد انتقال کر گئیں، اس کے سات روز بعد حضرت شمس الدینؒ دمشق کو روانہ ہو گئے اور یہ واقعہ شعبان ۶۴۴ھ میں پیش آیا۔[1] لیکن (جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہوگا کہ) حضرت شمس الدینؒ کی غیبت ثانی ۱۵ھ میں وقوع میں آئی اور فی نفسہٖ بھی یہ رنجش ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ آپ اس کی وجہ سے مولاناؒ سے جدا ہو جاتے، ممکن ہے کہ کیمیا خاتون کے انتقال کے بعد چند روز کے لئے کسی طرف چلے گئے ہوں۔[2]

بہرحال لوگوں میں حضرت شمس الدینؒ کے خلاف خیالات پھر جوش زن ہو گئے، اور آپ خود بھی آزردہ خاطر ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دفعتہً غائب ہو گئے۔

---

[1] مناقب ص ۴۸۸

[2] خود افلاکی کے الفاظ بھی اس موقع پر ایسے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ مولاناؒ سے دائمی مفارقت نہیں تھی۔

"بمحنان چو بگذشت باز بسوی دمشق روانہ شد در ماہ شعبان ۶۴۴ھ اربعہ واربعین وستمایہ" ص ۴۸۸

Marfat.com

ناگہاں گم شد از میان ہمہ　　تار و نداز دل اندہان ہمہ

مولاناؒ جب صبح کو مدرسہ میں تشریف لائے اور شمسؒ کو گھر میں نہ دیکھا تو چیخ اٹھے اور سلطان ولدؒ کے خلوتخانے پر جاکر آواز دی کہ "بہاءالدین چہ خفتہ، برخیز و طلب شیخت کن کہ باز مشامِ جانرا از نوافحِ لطفِ او خالی می یابیم"[1]

دو تین روز ہر طرف جستجو کرتے رہے مگر کہیں حضرت شمسؒ کا پتہ نہ چلا، اس مرتبہ شمسؒ کی غیبت سے مولاناؒ کا حال پہلے سے بھی زیادہ متغیر ہوگیا۔

شیخ گشت از فراق او مجنوں !　　بے سر و پا ز عشق چوں ذوالنونؒ

جو لوگ حضرت شمسؒ کی آزردگی کا باعث ہوئے تھے مولاناؒ نے ان سب کو قطعاً اپنی صحبت سے خارج کر دیا، لیکن سابق کے برخلاف اس مرتبہ آپ نے غزل گوئی اور سماع میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا۔

شمسؒ کے ہجر میں مولاناؒ پر جو کچھ حالت گزری اس کا ذکر بعد کو ہوگا اولاً ان روایات کی تنقید ہونی چاہیے جو حضرت شمسؒ کی غیبت کے متعلق عام طور پر رائج ہوگئی ہیں۔

حضرت سلطان ولدؒ اور پہ سالارؒ نے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے کہ حضرت شمسؒ دفعۃً غائب ہوگئے اور پھر ہر طرح کی تلاش و جستجو کے باوجود کہیں آپ کا سراغ نہ ملا۔ لیکن عام تذکروں میں

(۱) ایک روایت تو یہ مشہور ہوگئی ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ کو زخمی کر دیا اور آپ اسی وقت نظروں سے غائب ہوگئے۔

---

[1] پہ سالار ص ۶۹

Marfat.com

(۲) دوسری روایت یہ رواج پاگئی کہ لوگوں نے واقعی آپ کو قتل کر ڈالا، اس آخری روایت کی بھی دو شاخیں ہیں (الف) ایک مشرقی اور (ب) ایک مغربی،

گر جب صحیح واقعات کی روشنی میں ان روایات کی تحقیق کی جاتی ہے تو ان میں سے کوئی روایت بھی کامل الیعیار نہیں ثابت ہوتی اب ان روایات پر سلسلہ وار نظر کیجئے اور عقلاً و نقلاً ان کے پایۂ ثقاہت کا اندازہ فرمایئے۔

حضرت شمس الدینؒ کے زخمی ہونے اور نظروں سے غائب ہو جانے کی روایت پورے وثوق کے ساتھ آتشکدۂ آذر[۱] میں درج ہے اور وقار کی نظم میں بھی جواب تقریباً مثنوی شریف کا جز بن گئی ہے، یہی روایت دی گئی ہے 'خزینۃ الاصفیا'[۲] میں بھی یہی روایت درج ہے اور دوسرے تذکروں میں بھی موجود ہے۔ اس کی بنائے اصلی مناقب العارفین کی یہ روایت معلوم ہوتی ہے کہ :-

حضرت سلطان ولدؒ سے "اصح روایت" یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ شمس الدینؒ اوائل حال میں بہت ہی تضرع و ابتہال کے ساتھ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا اپنے مستوران جمال عزت میں سے کسی ایک کو مجھے دکھا دے۔ الہام ہوا کہ جب اس قدر الحاح و شغف ہے تو شکرانہ کیا دیتے ہو، کہا سر، عاقبت الحال جب وہ وصال میسر آیا اور ای صحبت سے محظوظ ہوئے تو ایک رات مولاناؒ کے پاس تنہا بیٹھے ہوئے تھے، باہر سے کسی نے برآمد ہونے کو کہا، فوراً اٹھے اور مولاناؒ سے فرمایا کہ مجھے قتل کرنے کے لئے بلاتے ہیں، بہت

---

[۱] ص

[۲] جلد دوم ص ۲۶۹

Marfat.com

توقف کے بعد مولاناؒ نے فرمایا "الا لہ الخلق والامر مصلحت است"

کہتے ہیں کہ سات نااہل اس کام پر متحد ہوئے تھے اور تاک میں لگے ہوئے تھے۔ موقع پاکر چھری چلائی، حضرت شمس الدینؒ نے اس زور کا نعرہ مارا کہ سب بیہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو چند قطرۂ خون کے سوا کچھ نہ دیکھا، اس کے بعد سے پھر آپ کا کچھ پتہ نہ چلا ؎

خود ہماں بد دیگر اورا کس ندید — چوں پری از آدمی شد ناپدید

چوں ز چشم خویش و خلقاں دور شد — ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

جب اس واقعہ کی خبر مولاناؒ کو ملی تو فرمایا کہ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید ؎

جز کہ تسلیم و رضا کو چارہ نیست — در کفِ شیر نر خونخوارہ نیست

میں اس معاملہ میں کیا کر سکتا ہوں، انھوں نے وہاں قول و قرار کیا تھا اور سر کو شکرانہ میں پیش کیا تھا، لاجرم تقدیر الٰہی نے ایک صورت پیدا کر دی، اور حکمت جف القلم ظہور میں آئی، وکان ذلک فی الکتاب مسطوراً ؎

از عہدۂ عہد اگر برون آمد مرد — ہر چہ گماں بری فزون آمد مرد[۲]

ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ اس روایت کو اس وجہ سے نقل کر دیا ہے کہ اس سے جو

---

[۱] انھیں میں مولاناؒ کے فرزند علاء الدین بھی تھے اور اسی بنا پر بعض تذکرہ نویسوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ علاء الدین کے ہاتھ سے قتل ہوئے چنانچہ مجمع الفصحا (جلد دوم ص ۲۸۶) میں ہے کہ "بالآخر بدست علاء الدین محمد فرزند مولوی بشہادت رسید"

[۲] مناقب العارفین ص ۔۔۔ نسخہ قلمی)

Marfat.com

نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ خود سامنے آجائے۔

اس روایت سے یہ تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا ہے کہ لوگوں نے حضرت شمس الدینؒ کو واقعی قتل کر ڈالا تھا۔ صرف اتنا محقق ہوتا ہے کہ آپ کسی قدر زخمی ہو گئے تھے اور اس کے بعد غائب ہو گئے مگر واقعات و قرائن سب اس کے خلاف ہیں۔

(۱) سلطان ولدؒ اور سپہ سالارؒ جن کی آنکھوں کے سامنے کا یہ واقعہ ہے وہ زخمی (اور قتل) ہونے کے نسبت بالکل ساکت ہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کے اظہار میں کوئی وجہ مانع نہ تھی، افلاکیؒ کے بیانات سماعی ہیں جو اصل واقعہ سے کچھ کم ایک صدی کے بعد لکھے گئے ہیں اور مذکورہ بالا دونوں بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ چشم دید ہے۔ وہ خود ان معاملات و واقعات میں شریک تھے۔

سلطان ولدؒ نے پوری صراحت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت شمس الدینؒ نے بار بار مجھ سے یہ کہا کہ ان نااہلوں کی حرکت کی وجہ سے میں چلا جاؤں گا، اور آخر ایک روز دفعۃً غائب ہو گئے، سپہ سالارؒ نے اس واقعہ غیبت کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے کہ "ہم دراں مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چوں از مدرسہ آمد و خانہ را از ایشاں خالی یافت چو از بخرشید و در خلوتخانہ سلطان ولدؒ آمدہ بانگ زد کہ بہاء الدینؒ چہ خفتہ، برخیز و طلب شیخیت کن کہ باز مشام جانرا از روائحِ لطفِ او خالی می یابیم[1]"، اگر حضرت شمسؒ لوگوں کے بلانے پر مولاناؒ کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے، لوگ آپ کو زخمی کر دیتے اور آپ اسی وقت نعرہ مار کر غائب ہو جاتے تو صبح کو مدرسہ پہونچنے تک مولانا کے اس واقعہ سے ناواقف ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟

---

[1] سپہ سالار ص ۶۹

Marfat.com

ماسوا ازیں روایت پر کتنا ہی اعتماد بلکہ اعتقاد کیوں نہ رکھا جائے مگر درایت کا پہلو اس موقع پر اسقدر قوی ہے کہ اسے نظر انداز کر دینا ناممکن ہے۔ حضرت شمسؒ نے قول و قرار جو کچھ بھی کیا ہو، عقل اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ حضرت شمسؒ مولاناؒ کے پاس بیٹھے ہوں، لوگ قتل کرنے کے ارادے سے حضرت شمسؒ کو باہر بلائیں اور مولاناؒ چپکے سے فرمادیں کہ ہاں جایئے، قتل ہو جایئے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح مولاناؒ سے شمسؒ کی ملاقات کے واقعہ میں مختلف روایتیں مخلوط ہو گئی ہیں، اسی طرح شمسؒ کی گم گشتگی کے معاملہ میں بھی مختلف روایتیں ایک دوسرے میں مل گئی ہیں، شمسؒ کے خلاف لوگوں میں شورش برپا تھی، ممکن ہے کہ زبانی طعن و تشنیع اور سخت کلامیوں کے علاوہ کسی وقت کوئی جسمانی آزار دہی بھی وقوع میں آگئی ہو، اور زمانہ مابعد میں یہی امر آپ کی غیبت کا سبب بلاواسطہ مشہور ہو گیا ہو۔

روایت مذکورۂ بالا میں مولاناؒ کے جو اقوال منقول ہیں وہ غالباً اس وقت کے ہونگے جب مولاناؒ حضرت شمسؒ کے ملنے سے بالکلیہ مایوس ہو چکے تھے اور شاید آپکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت شمسؒ کہیں قتل ہو گئے ہیں۔

بہرنوع حضرت شمسؒ کے زخمی ہو کر دفعتہً ہمیشہ کیلئے غائب ہو جانے کی روایت دوسری قوی تر روایتوں کے مقابلہ میں پایۂ استناد سے گری ہوئی ہے۔

اب ان روایتوں کو دیکھنا چاہیئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کسی نہ کسی وقت قتل ہو گئے تھے، اس سلسلہ میں مشرقی روایتیں جسقدر ہیں وہ سب ظنی حیثیت کی ہیں قطعی نوعیت کسی میں نہیں ہے، ان روایتوں کا ماخذ بھی افلاکیؒ ہی ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر لکھا ہے کہ "بعض اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ مولاناؒ شمس الدینؒ اس جماعت سے زخم کھا کر غائب

Marfat.com

ہو گئے اور بعضوں نے یہ روایت کی ہے کہ مولانائے بزرگ کے پہلو میں آپ ہی مدفون ہیں[1]
(یعنی اسی موقع پر قتل ہو گئے)

اس کے بعد ہی دوسری روایت یہ ہے کہ امیر عارف کا بیان ہے کہ ان کی والدہ فاطمہ خاتونؒ نے ان سے یہ کہا کہ شمس الدینؒ کی شہادت کے بعد ان کے قاتلوں نے ان کی لاش کو کنویں میں ڈالدیا تھا، سلطان ولدؒ نے خواب میں دیکھا کہ مولانا شمس الدین فرماتے ہیں کہ میں فلاں کنوئیں میں پڑا ہوا ہوں، سلطان ولدؒ نے آدھی رات کو اپنے یارانِ محرم کے ساتھ جاکر آپ کے جسم مبارک کو کنوئیں سے نکالا اور مولاناؒ کے مدرسہ میں امیر بدرالدین بانیٔ مدرسہ کے پہلو میں دفن کیا یہ ایک راز ہے جس سے ہر شخص واقف نہیں[2] ہے

دونوں روایتوں میں آپ کے مدفن کے متعلق سخت اختلاف ہے اور دوسری روایت میں کوئی خفیف سا اشارہ بھی اس جانب نہیں ہے کہ یہ قتل کا واقعہ کب پیش آیا، پس اس

---

[1] ہمچناں بعضے اصحاب متفق اند کہ مولانا شمس الدینؒ ازاں جماعت زخم خوردہ ناپیدا شد و بعضے روایت کردند کہ در جنب مولانائے بزرگ مدفون است (نسخہ قلمی)

[2] مناقب العارفین (نسخہ تسلی) ان اقوال کے سوا دولت شاہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ قونیہ کے لوگ حضرت شمس الدین کے دشمن ہو گئے تھے، ان لوگوں نے مولاناؒ کے ایک فرزند کو آمادہ کیا اور انھوں نے حضرت شمس الدینؒ کے سر پر دیوار گرادی، مگر خود دولت شاہ نے اس قول کو بے اصل قرار دیا ہے، یہی ایک تاویل اس ہنگامہ کی ہے جو ۶۴۵ھ میں حضرت کے خلاف ظہور پذیر ہوا، معلوم نہیں کس ذریعہ سے ایک روایت یہ مشہور ہو گئی ہے کہ حضرت شمس تبریزی کی کھال کھنچوائی گئی تھی، اگر شمس تبریزی یہی مولانا شمس الدین تبریزی ہیں تو یہ بالکل غلط ہے، اگر کوئی اور شمس تبریزی ہیں تو ان کا علم مجھے نہیں ہے۔

Marfat.com

بنا پر واقعاتی حیثیت سے قطعاً یہ قرار دینا کہ اسی زمانہ میں مفسدین نے حضرت شمسؒ کو قتل کر کے کنوئیں میں ڈالدیا تھا، کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اگر بالفرض کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے تو یہ کسی زمانہ مابعد کا واقعہ ہے جس کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔

دولت شاہ نے اپنے تذکرۃ الشعراء میں لکھا ہے کہ "قبر شاہ شمس الدینؒ تبریزی در قونیہ است و وفات شاہ شمس الدینؒ بعد از رحلت مولاناؒ بودہ"[1] "اگر تمام اسانید قطعی کے خلاف اسے صحیح مان لیا جائے۔ تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ شاید مولاناؒ کے بعد حضرت شمس الدینؒ کو بعض لوگوں نے قتل کر ڈالا ہو اور سلطان ولدؒ نے آپ کی لاش کو مدرسہ میں دفن کیا ہو، مگر یہ محض ظن ہے۔ حضرت شمسؒ کے سال وفات کی ایک روایت سنہ ۶۶۰ھ کی بھی ہے، اگرچہ یہ بھی صریحاً غلط ہے مگر بہ بنائے استدلال یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید سنہ ۶۶۰ھ میں یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

لیکن ان بعید از قیاس تاویلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خود افلاکی نے حضرت شمسؒ کے زخمی ہونے کی روایت کے عین بعد ہی جو کچھ لکھا ہے اس سے صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ افلاکیؒ بھی اس موقع پر حضرت شمسؒ کے قتل ہو جانے کے قائل نہیں ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں "کان تاریخ الغیبۃ والاستتار فی سنۃ خمسین واربعین وستمایۃ" (یعنی حضرت شمسؒ سنہ ۶۴۵ھ میں غائب دیو شید، ہو گئے۔)

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، حضرت شمسؒ کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا نے کئی برس آپ کی جستجو کی، اس سے یہ مسلم ہے کہ وقت خود مولاناؒ اور آپ کے اصحاب خاص کو حضرت شمسؒ کے قتل ہو جانے کا کوئی تیقن نہیں تھا بلکہ اس کے خلاف یہ یقین تھا کہ

---

[1] تذکرۃ الشعراء صفحہ ۸۹

Marfat.com

آپ کسی طرف کو چلے گئے ہیں. لیکن ساتھ ہی افلاکیؒ کی ایک اور روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ضرور تھا کہ حضرت شمسؒ قتل ہو گئے ہیں اور مولاناؒ اس کے برعکس خیال رکھتے تھے وہ روایت یہ ہے کہ

جب حضرت شمسؒ نظروں سے پوشیدہ ہو گئے[1] تو مولاناؒ کو کسی طرح قرار نہیں. آتا تھا، آپ مدرسہ کے صحن میں پھرا کرتے اور یہ رباعیاں پڑھا کرتے تھے.

از عشق تو ہر طرف شب خیزے — شب گشتہ ز زلفیں تو عنبر بیزے
نقاشِ ازل نقش کند ہر طرفے — از بہر قرار دلِ من تبریزے

کہ گفت کہ آں زندۂ جاوید بمرد — کہ گفت کہ آفتاب امید بمرد
آں دشمن خورشید بر آمد بر بام — دو چشم ببست و گفت خورشید بمرد

اس کے بعد ایک مجمع اکابر میں یہ فرمایا کہ

کہ گفت کہ روح عشق انگیز بمرد — جبرئیل امیں ز خنجر تیز بمرد
آنکس کہ چوں ابلیس بسرد — او پندارد کہ شمس تبریز بمرد

ان رباعیات سے دو باتیں صریحًا مستنبط ہوتی ہیں، اولاً یہ کہ عوام میں یہ چرچا ضرور تھا کہ حضرت شمس الدینؒ کہیں قتل ہو گئے ہیں اور اس کے نسبت حضرت سلطان ولدؒ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مولانا شمس الدینؒ نے اپنے غائب ہو جانے کے قبل یہ فرما دیا تھا کہ میری غیبت کے بعد لوگ یہ کہیں گے کہ انھیں کسی دشمن نے قتل کر ڈالا.

---

[1] چوں صورت مبارک و معنی متبرک مولانا شمس الدین از چشم پرخشم شدہ محجب بود.

Marfat.com

چوں کشانم دراز گویند ایں　　کہ ورا دشمنے بکشت یقیں

دوئمش یہ کہ مولاناؒ کو اس کا یقین نہیں تھا "زندہ جاوید" اور "روح عشق انگیز" کے الفاظ سے ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ مولاناؒ کی مراد حیات باقیہ اولیا اللہ سے رہی ہو مگر تمام شواہد و واقعات کے خلاف اس قدر دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں ہے) اور مولانا کو یقین نہ ہونا دلیل اس کی ہے کہ کوئی ثبوت قطعی یا قرینہ قویہ موجود نہیں تھا۔

ان رباعیوں کے متعلق سب سے زیادہ قابل قبول قیاس یہ ہے کہ مولاناؒ نے یہ رباعیاں اُس وقت کہیں ہوں جب آپ ہر طرح پر حضرت شمسؒ کی تلاش سے عاجز آگئے ہوں، اور (جیسا کہ حضرت شمسؒ نے خود پیشین گوئی کر دی تھی) لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ کسی نے حضرت شمسؒ کو قتل کر ڈالا ہے، اور اس گمان کی وجہ بھی بہت قوی تھی، ممالک روم میں مولانا کا اثر بہت کافی وسیع تھا، آپ نے حضرت شمسؒ کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، خود حضرت شمسؒ کو بھی مولاناؒ کو عقیدت و ارادت تھی۔ آپ اگر ناخوش ہوے تھے تو مولانا کے نااہل مریدوں سے، خود مولاناؒ کو اپنے متعلق اس طرح مطلقاً لاعلم رکھنا آئین وداد کے خلاف اور مکارم اخلاق کے منافی تھا، پس اس حالت میں لوگوں کا یہ سمجھ لینا کہ حضرت شمسؒ کہیں قتل ہو گئے ہیں کچھ بعید از قیاس نہیں ہے، اور مولاناؒ نے ان رباعیوں میں اسی خیال کا بطلان کیا ہے۔

بہر حال مشرقی تذکروں میں حضرت شمسؒ کے قتل ہونے کا بیان ظنّ و قیاس سے زیادہ کچھ اصلیت نہیں رکھتا، لیکن اہل مغرب نے اسے ایک ایسے امر واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے کہ وہ اس میں شک کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑتے۔

چونکہ اہل مغرب میں یہ خیال مسلسلاً ایک دوسرے سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے! اس

Marfat.com

لئے یہاں باعتبار تقدم وتاخر زمان ان کے بیانات کو نقل کر دیا جاتا ہے، اس سے آخر درجہ پر پہونچکر خود یہ روشن ہو جائے گا کہ یہ غلط بر غلط خیال یورپ میں کس طرح شائع ہوا۔

(۱)

حضرت شمس الدین ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء تک برابر (مولانا) جلال الدین کی صحبت میں رہے، اسی سال ایک ہنگامہ میں جس میں مولانا کے بڑے فرزند علاء الدینؒ قتل ہوئے، آپ (شمسؒ الدین) گرفتار اور غالباً قتل ہوئے۔

(فہرست کتبخانہ بانکی پور)

(۲)

شمسؒ تبریز ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء میں قونیہ آئے اور ۱۲۴۶ء میں پراسرار طریق پر غائب ہو گئے، ایک روایت کے بموجب ایک ہنگامہ میں مارے گئے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف ایلجز اینڈ اتھکس جلد ے ص ۴۷۲، ۱۹۱۴ء نوشتہ ڈاکٹر نکلسن)

(۳)

حضرت شمس الدینؒ کی استبداد پسند طبیعت کی وجہ سے قونیہ کے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ایک ہنگامے میں جس میں مولانا کے بڑے فرزند علاء الدین مارے گئے، پولیس نے انھیں (شمس الدینؒ کو) گرفتار کر لیا اور غالباً قتل کر دیا۔ کم از کم یہ کہ پھر ان کا کچھ ذکر سننے میں نہیں آیا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا ۱۹۱۱ء)

(۴)

Marfat.com

مولاناؒ کے بڑے بیٹے علاء الدین قونیہ میں ایک شورش میں مارے گئے جس کا انجام شمسؒ تبریز کی موت پر ہوا (براؤن، ادبی تاریخ ایران، جلد دوم ص۵۱۶) ۱۹۰۶ء

شمسؒ تبریز سے دسمبر ۱۲۴۴ء میں قونیہ میں ملاقات ہوئی اور روز افزوں اختلاط کے ساتھ پندرہ ماہ مہینے تک قائم رہی اور مارچ ۱۲۴۶ء میں شمسؒ تبریز کی پراشتداد موت کے باعث دفعتہً ختم ہو گئی۔

(براؤن، ادبی تاریخ ایران، جلد دوم صفحہ ۵۱۷-۵۱۸۰ ۱۹۰۶ء)

(۵)

(دمشق سے) واپس آنے کے بعد (شمسؒ تبریز) جلد تر پُراسرار طور پر غائب ہو گئے، اکثر اسناد اس پر متفق ہیں کہ قتل کر دیئے گئے، صرف قتل کے سبب اور اس کی صورت وقوع میں اختلاف ہے (اس کے بعد رڈ ہاؤس کا وہ قول نقل کیا ہے جو نیچے شمارہ (۶) میں درج ہے۔)

یہ واقعہ ۱۲۴۵ء میں پیش آیا۔

(ڈاکٹر نکلسن، دیوان شمس تبریز صـــ دیباچہ) ۱۸۹۸ء

(۶)

معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین تبریزی نہایت ہی متشدد و تحکم پسند شخص تھے، یہی باعث ہوا کہ لوگوں کو ان سے سخت عناد پیدا ہو گیا جس کا انجام ایک شورش پر ہوا، اسی ہنگامہ میں مولانا کے خلف اکبر علاء الدین مارے گئے یا مہلک طور پر زخمی ہوئے، لہٰذا مقامی پولیس نے مولاناؒ شمس الدین کو گرفتار کر لیا، اس کے بعد پھر ان کے دوستوں

Marfat.com

نے انھیں زندہ نہیں دیکھا۔

(رڈ ہاؤس، دیباچہ صنا) ۱۸۸۱ء

مولاناؒ کے فرزند (علاء الدین) اس فساد میں مارے گئے جسمیں ان کے والدؒ کے دوست شمس الدین تبریزی قتل ہوئے۔

(رڈ ہاؤس شجرہ نسب صہ ۱۳۳-۱۳۴)

اس سلسلہ کی آخری کڑی رڈ ہاؤس کا بیان ہے اور اس کی بنا، انھوں نے مناقب العارفین کی ایک روایت پر رکھی ہے چنانچہ (شمارہ ۱۷) صہ ۱۰۸ پر) مناقب العارفین سے ایک روایت نقل کی ہے، جسکے انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"قونیہ کے وزیر نے ایک مدرسہ بنایا تھا، مدرسہ کے مکمل ہوجانے پر وزیر نے اس مدرسہ میں بہت بڑی ضیافت کی اور مجلس سماع منعقد ہوئی، جس میں تمام علماء شہر جمع تھے۔

اول ختم قرآن ہوا، اس کے بعد سماع کا آغاز ہوا، وزیر اور شمس الدینؒ دونوں کو حال آیا، اور ان دونوں میں بار بار تصادم ہوتا رہا یا یہ ہوا کہ وزیر کا دامن شمسؒ کو جا لگا کیونکہ حالت وجد میں انھیں احتیاط نہیں تھی۔

(مولانا) جلال الدینؒ نے اپنے مہمان اور دوست کے ساتھ اس بے ادبی پر سخت غصہ کا اظہار کیا، انھوں نے شمسؒ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ انھیں علیحدہ لے جائیں، اکابر نے اس غصے کو فرو کرنے کی کوشش کی مگر ان کی التجائیں بیکار رہیں، پس سلطان کی پولیس بلائی گئی اور پولیس نے آکر فوراً شمسؒ کو گرفتار کرلیا اور انھیں ہر طرح کی ذلت کے ساتھ لے گئی اور کسی مزید تحقیقات یا ضابطہ کے بغیر انھیں قتل کر ڈالا۔"

اب رڈ ہاؤس کے اس ترجمہ کے مقابلہ میں مناقب العارفین کی اصل عبارت ملاحظہ

Marfat.com

ہو،

نقل است از اصحاب قدیم کہ چوں نصیر الدین وزیر طاب ثراہ خانقاہ خود را تمام کردہ اجلاس عظیم کرد، علماء و شیوخ و اکابر جمع آمدہ بودند بعد از ختم قرآن سماع شروع کردہ، دمبدم نصیر الدین وزیر در سماع بحضرت مولانا شمس الدین آسیب می کرد و دست بدامن مولانا شمس الدین میرسانید و نگذاشت ارباب بصیرت نداشت۔ ہمانا کہ حضرت مولاناؒ انفعال عظیم نمودہ دست مولانا شمس الدینؒ را بگرفت و از سماع بیرون آمد، چنانکہ اکابر کرام لابہا کردند ممکن نہ شد، بعد از فرو داشت سماع، ہماں ساعت سرہنگان سلطان رسیدہ با ہانت تمامش بردند و در حال شہیدش کردند۔

پند مرداں نشنوی شوخی کنی خویشتن بر تیغ پولادی زنی [1]

---

[1] ص ۴۴۸ (نسخہ قلمی)

نصیر الدین وزیر کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا مگر اس زمانہ میں سلطنت روم میں کچھ عجب آشوب برپا تھا، ہر طرف بازار فتنہ و فساد گرم تھا، ایک طرف مغلوں کی جانب سے نئے نئے احکام قتل جاری ہوتے رہتے تھے، دوسری طرف کیخسرو دوم ( ) کے بعد اس کے تینوں بیٹوں میں سلطنت کے لئے جنگ جاری تھی، اور جسے غلبہ ہو جاتا تھا وہ دوسرے کے حامیوں کے قتل میں دریغ نہیں کرتا تھا، تقریباً اسی زمانہ میں وزیر شمس الدینؒ نے (جن کا ذکر اس سے قبل تحت حالات سید برہان الدینؒ ترمذی ہو چکا ہے) متعدد امرا کو قتل کرا دیا تھا، ممکن ہے کہ اسی آشوب میں نصیر الدین وزیر بھی قتل ہوئے ہوں، بہر حال نصیر الدین کے حالات کی لاعلمی سے اصل مبحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ افلاکیؒ کے بیان سے نصیر الدین کا گرفتار و قتل ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مولانا شمس الدینؒ کا۔

Marfat.com

مناقب العارفین کی عبارت میں کسی قسم کا ابہام و اغلاق نہیں ہے، صاف عبارت ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مولانا کے ناخوش ہو کر چلے جانے کے بعد جب سماع ختم ہو گیا۔ شاہی پولیس نے آکر وزیر نصیر الدین کو گرفتار کر لیا اور لے جا کر قتل کر ڈالا، نہ کہ مولانا شمس الدینؒ کو قتل کر دیا۔

ادنیٰ تامل سے ذہن میں آ سکتا ہے کہ افلاکیؒ کو مولانا اور حضرت شمس الدینؒ کے مناقب کا بیان مدنظر ہے، اگر حضرت شمس الدینؒ کے نسبت یہ فعل ظہور میں آیا ہوتا تو یہ مناقب میں کب شمار ہو سکتا تھا، ختم حکایت کے بعد افلاکیؒ نے جو شعر لکھا ہے وہ خود اس کی صریح دلیل ہے کہ افلاکیؒ کا مقصود کیا ہے، اگر یہ حضرت شمس الدین کے قتل کا واقعہ ہوتا تو افلاکیؒ اس حکایت کے بعد کوئی مرثیہ یا نوحہ تحریر فرماتے نہ کہ اور اس طرح کی تعریض عائد کرتے علہ

یہ ساری غلطی صرف ایک "تامش" کے "ش" کے غلط سمجھنے سے واقع ہوئی، "ش" کا اشارہ صریحاً وزیر کی طرف ہے، اسے غلطی سے شمس الدین کی طرف منعطف کر دیا، اور ایک مرتبہ رڈ ہاؤس کے اس طرح غلط ترجمہ کر دینے کے بعد علمائے یورپ میں سے کسی نے اصل کی طرف رجوع نہ کیا، اسی پر حاشیہ چڑھائے اور اس کی تاویلیں کرتے گئے تا آنکہ ان کے وہاں یہ مسلم ہو گیا کہ حضرت شمس الدینؒ کو پولیس والوں نے قتل کر ڈالا۔

علہ یہاں ایک نکتہ اور بھی مدنظر رہنا چاہیے، مناقب العارفین میں اگرچہ واقعات قطعی تاریخی ترتیب سے نہیں لکھے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ایک حد تک تقدم و تاخر واقعات کو مرعی رکھا گیا ہے، روایت مذکورۂ بالا کے بعد حضرت شمس الدینؒ کے دمشق واپس آنے کا ذکر روایت مذکورۂ بالا کے بعد ہوا ہے۔ اس سے کیا کچھ نتیجہ نکلتا ہے؟ (یعنی یہ واقعہ حضرت شمس الدینؒ کی غیبت اول کے قبل پیش آیا ہے۔)

Marfat.com

[افلاکیؒ نے جو شعر لکھا ہے وہ مثنوی شریف کا ہے اور دفتر سوم کی حکایت "استدعائے شحنہ از موسیٰ آموختن زبان بہائم" میں ہے، مثنوی شریف کی اس حکایت کو اگر افلاکیؒ کی روایت پر منطبق کیا جائے تو بالکل ٹھیک اترتی ہے، چونکہ مولانا نے یہ بار بار فرمایا ہے کہ مثنوی شریف کی حکایتیں میرے اور میرے مریدین ہی کے حالات ہیں، ممکن ہے کہ اس حکایت میں اس واقعہ کا اشارہ مضمر ہو]

خلاصہ کلام یہ کہ

(۱) یہ امکانات سے ہے کہ کسی ہنگامے میں حضرت شمسؒ کو کوئی آزار جسمانی پہونچ گیا ہو۔

(۲) مگر یہ کہ زخمی ہو کر آپ اسی وقت ہمیشہ کے لئے نظروں سے پوشیدہ ہو گئے، اس میں جائے کلام ہے۔

(۳) آپ کے قتل ہو جانے کے متعلق مشرقی روایتیں جتنی ہیں سب محل شک میں ہیں اور ان سے کسی خبر قطعی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(۴) مغربی روایتیں ایک غلط ترجمہ کی بنا پر قائم ہو گئیں اور مسلسل چلی آ رہی ہیں۔ مگر کسی قابل وثوق سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی وقت میں پولیس نے حضرت شمسؒ کو گرفتار کر لیا ہو اور گرفتار کرنے کے بعد آپ کو قتل کر دیا ہو یا کہیں خفیہ بھیج دیا ہو۔

(۵) اسی ضمن میں اہل مغرب جو یہ کہتے ہیں کہ اس ہنگامے میں مولاناؒ کے فرزند اکبر علاء الدین مارے گئے، یہ بھی صحیح نہیں، علاء الدین نے حضرت شمس الدینؒ کی مخالفت میں حصہ ضرور لیا مگر ان کا انتقال حضرت شمسؒ کے چلے جانے کے بعد ہوا ہے (یہ بھی قطعاً غلط ہے کہ علاء الدین مولاناؒ کے خلف اکبر تھے، مولانا کے خلف اکبر سلطان ولد تھے۔)

اب یہ تسلیم کر کے کہ حضرت شمسؒ تبریز سے دوسری بار قونیہ سے دفعتہً غائب ہو گئے

Marfat.com

سلسلہ حکایت اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ حضرت شمسؒ کے غائب ہو جانے کے بعد، مولاناؒ نے دو ایک روز ہر طرف آپ کی تلاش کی مگر جب کسی طرح آپ کا کچھ پتہ نہ چلا، تو مولاناؒ کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، طریق سماع تو آپ پہلے ہی اختیار کر چکے تھے، اب یہ حالت ہوئی کہ ایک دم سماع کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔

خود اس حالت کو غزل میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں۔

دلم را نالۂ سرنائے باید — کز آں سرنائے بوئے یار آید
بجاں خواہم کہ نالم عاشقانہ — کزاں نالہ جمالِ جاں نماید
ہمی نالم کہ از غم بار دارم! — عجب زیں جانِ نالاں تا چہ زاید

.....

چو نالہ مونسِ رنجور گردد...! — گرش گوئی خموش کن میکشاید

۸۔ ص ۲۳۳

قوال ایک ایک کر کے عاجز ہو گئے، مگر مولاناؒ کو سیری نہیں ہوتی تھی، مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے اور آشکارا و نہاں شور و فریاد کرتے تھے۔ تمام شہر میں غلغلہ پڑ گیا کہ ایسا عالم دین و مفتیٔ اسلام اس طرح سماع و رقص کے پیچھے دیوانہ و سرگرداں ہو رہا ہے، ہر طرف ایک شورش برپا ہو گئی، لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ مولاناؒ اور اصحاب مولاناؒ نے سب کچھ چھوڑ کر صرف عاشقی اختیار کی ہے، دین و مذہب کوئی چیز نہیں ہے، جو کچھ ہیں، شمسؒ ہیں، ؎

عاشقی شد طریق و مذہب شاں — غیر عشقت پیش شاں ہذیاں
کفر و اسلام نیست در رہ شاں — شمسؒ تبریز شد شہنشہ شاں

Marfat.com

کارِ شان مستیست و بے خویشی　　ملتِ عشق ہست بے کیشی

(رباب نامہ)

اسی زمانہ میں مولاناؒ نے حضرت شمسؒ کے فراق میں بہت کثرت سے اور نہایت ہی دلدوز غزلیں کہیں، اسی محل پر سلطان ولدؒ نے لکھا ہے کہ۔

شیخ مفتی ز عشق شاعر شد　　گشت خمّار اگرچہ زاہد بد

نہ ز خمرے کہ آں بود زانگور　　جان نوری نخورد جز مئے نور

سپہ سالار کے الفاظ یہ ہیں کہ "روز و شب در فراق آنحضرتؒ غزلیات بیان می آوردند" [1]

مولاناؒ کے کلام کا سب سے زیادہ شور انگیز و ولولہ خیز حصہ وہی ہے جو اس زمانہ میں کہا گیا ہے، لیکن چونکہ تیقن کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہے کہ خاص اس زمانہ کی غزلیں کون کون سی ہیں اس لئے قطعی طور پر ان کا تعین نہیں ہو سکتا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ آپ کی درد انگیز فراقیہ غزلیں زیادہ تر اسی زمانہ کی ہیں، اس قسم کی غزلوں سے سارا دیوان بھرا پڑا ہے۔ یہاں صرف ایک غزل کے چند اشعار نمونۃً دیئے جاتے ہیں جن سے مولانا کے ہیجان و بیتابی کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

اے یوسفؑ آخر سوائے ایں یعقوبؑ نابینا بیا

اے عیسیٰ پنہاں شدہ در طارمِ بینا بیا

---

[1] صفحہ ۶۹

Marfat.com

از ہجر روزم قیر شد، دل چوں کماں تن تیر شد
یعقوبِ مسکین پیر شد، اے یوسفِ برنا بیا

رخ زعفراں رنگ آمدم، خم دادہ چوں چنگ آمدم
در گور تن تنگ آمدم، اے جانِ ما پنہا بیا

چشم محمدؐ باتمت، در شوق گفتہ داغمت
زاں طرۂ آں درہمت اے سرِّ ارسلنا بیا

ای قاب قوسین مقدمت وای دولت با کرمت
کس نیست جاناں محرمت در قربِ ادانی بیا

اے خسرو مہوش بیا، ای خوشتر از صد خوش بیا
اے آب و اے آتش بیا ای دُر دوائے دریا بیا

مخدوم جانم شمسؒ دیں، از جاہت اے روح الامیں
تبریز مشدِ عرش کیں، از مسجد اقصا بیا

(۱۳۔ ص ۳۱)

مولاناؒ کے سوز و فراق اور درد ہجراں کا کچھ اندازہ اشعار مرقومۂ بالا سے ہو گیا ہو گا اب محبت حقیقی کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ ہو، اس تمام جانگدازی و بے قراری کے باوجود مولاناؒ کے دل سے یہ خیال محو نہ ہو سکا کہ رومیوں کی خانہ جنگی، مصریوں کی ترک تازی اور تاتاریوں کی تاراجی کے باعث سارا ملک تہ و بالا ہو رہا ہے، معلوم نہیں اس عالم آشوب میں خود حضرت شمسؒ کیا کیا گزری ہو، بیتاب ہو کر فرماتے ہیں۔

خوشی آخر بگو اے یار چونی ازیں ہموار ناہموار چونی....

Marfat.com

بروز و شب مرا اندیشۂ تست — کزیں روز و شب خونخوار چونی
ازیں آتش کہ در عالم فتادہ است — ز دود لشکر تاتار چونی
دریں دریا و تاریکی و صد موج — تو اندر کشتیٔ پر بار چونی
منم بیمار و تو مارا طبیبے — بپرس آخر کہ ای بیمار چونی
منت پرسم اگر تو می نپرسی — کہ اے شیرین شیریں کار چونی
وجودش بیں کہ بے چون و چگونہ است — مگو دیگر نگو بسیار چونی!
بگو در گوش شمس الدینؒ تبریز — کہ اے خورشید خوب اسرار چونی

(۹۔ ص ۸۳۸)

لباس کی وہ خاص وضع جو مولاناؒ کی جانب منسوب اور خرقہ مولویہ کا شعار ہے، اسکی ابتدا اسی وقت سے ہوئی، افلاکیؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"منقول ہے کہ چہلم کے بعد مولانا نے دستار خانی سر پر باندھی اور اس کے بعد پھر کبھی سفید دستار نہیں باندھی، اور بردیمنی و ہندی سے فرجی بنائی، آخر وقت تک آپ کا لباس یہی رہا۔" [1]

---

[1] مناقب ص ۔ "منقول است کہ بعد از چہلم روز حضرت مولاناؒ دستار خانی بر سر نہادہ دیگر دستار سفید بر سر نہ بست و از بردیمنی و ہندی ذجے ساخت، تا آخر وقت لباس ایشاں آں بود۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا (جلد ۲۲ ص ۔ ۔ ۔) میں لکھا ہے کہ "غضب عوام کے شکار ہو جانے والوں کی یادگار میں مولاناؒ نے سلسلۂ مولویہ قائم کیا جو اپنے تقویٰ اور اپنے خاص لباس عزا کے لئے مشہور ہے ..... "شکار ہو جانے والوں سے مراد حضرت شمس الدینؒ اور علاء الدینؒ

Marfat.com

"فرجی" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مولاناؒ نے خود مثنوی شریف میں لکھا ہے کہ :۔

صوفئ بدرید جبہ در حرج — پیشش آمد بعد بد دریدن فرج

گشت نام آں دریدہ فرجی — آں لقب شد فاش ازاں مرد نجی

ایں لقب شد فاش و صافش شیخ برد — ماند اندر طبع خلقاں صرف درد

ایک وقت آیا کہ اسے بھی زیادہ سمجھے اور ایک روز فقر نبوی کی شرح کرتے ہوے فرمایا کہ اب خواہش یہ ہے کہ "چوقائے سبک پہنوں، فرجی" نہ پہنوں اور حضرت عمرؓ کی طرح پیوند لگے ہوے کپڑے پہنوں اور ہر طرح فارغ ہو جاؤں" چلپی حسام الدینؒ نے سر جھکا کر کہا کہ صدارت و امارت اور لباسہائے فاخرہ کو چھوڑ کر اس جامۂ ہندو باری اور کلاہ نمدین پر اکتفا کیا اور خطائی کو چھوڑ کر بردیمنی اختیار کیا، بردیمنی عین موافقت رسول اللہ صلعم ہے، اب اس کے بعد اور کیا کریں، مولاناؒ نے تبسم کر کے فرمایا کہ "جامہ ہندو باری، دستار خانی کلاہ نمدین، کفش و موزہ نارنجی کچھ زیادہ نہیں ہے"[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵)

(فرزند مولاناؒ) ہیں مگر اولاً تو اس ہنگامہ میں علاء الدین کا قتل ہونا ہی غلط ہے، دوسرے مولاناؒ کے اس لباس کے اختیار کرنے میں علاء الدین کے غم کو کوئی دخل نہیں تھا، یہ صرف حضرت شمسؒ کے غم میں ہوا تھا

[1] مناقب نسخہ قلمی ص

لیکن افلاکیؒ ہی نے مولانا شمسؒ کی غیبت اول کے بعد بھی یہ لکھا ہے کہ :۔

شمس الدینؒ کے غائب ہو جانے کے بعد جب ایک ماہ تک پتہ نہ چلا تو مولانا نے فرمایا کہ "از ہندیارے فرجے ساختند و کلاہے از پشم عسلی بر سر نہاد و گویند دراں ولایت ہندباری را اہل عزا می پوشند ہمچناں پیراہن را نیز باز کردہ پوشیدہ و کفش و موزہ مولوی در پا کردند و دستار را با سکر آویز پیچیدند" (مناقب ص ۲۱

Marfat.com

اس زمانہ میں فرقہ مولویہ میں جو لباس رائج ہے اس کے نسبت صاحب "سوانح مولانا رُوم" تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے سفر کے زمانہ میں اس فرقہ کے اکثر جلسے دیکھے ہیں۔ یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں جسمیں جوڑ یا درز نہیں ہوتی، مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں، خرقہ یا کرتے کے بجائے ایک چُنت دار جامہ ہوتا ہے" [1]

شمس الدینؒ کے غائب ہو جانے کے بعد آپ کے اشتیاق میں مولاناؒ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹوں بھی کہدیتا کہ میں نے حضرت شمس الدینؒ کو فلاں جگہ دیکھا ہے تو مولاناؒ لباس تک اتار کر اس کی نذر کر دیتے، شکرانہ دیتے اور بہت کچھ اظہار تشکر کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے مولاناؒ شمس الدین کو دمشق میں دیکھا ہے، مولانا اس درجہ سرور ہوے کہ جو کچھ پہنے ہوے تھے سب اسے بخشدیا، موزے تک اتار کر دیدیئے اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ اُس نے دیکھا نہیں ہے، یہ خبر غلط دی ہے مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر خبر صحیح ہوتی تو میں لباس کے بجاے جاں کیوں نہ دیدیتا، اور اُس پر فدا کیوں نہ ہو جاتا [2]

اپنی اس حالت کا اظہار خود ایک غزل میں کیا ہے، فرماتے ہیں۔

ماند و شد است گوشِ من از پئے انتظار آں .....

کز طرفے صدائے خوش در دسوے بہ ناگہاں

خوئے شد است گوش را، گوش ترانہ نوش را

گر شنود سماعِ خوش ہم ز زمیں ہم آسماں

(۸ - ص ۶۲۷)

---

[1] سوانح مولانا رُوم ص ۲۰

[2] مناقب ص ۲۹۱

Marfat.com

اسی اضطراب و بے قراری میں شاید کوئی شعاع امید کسی طرف سے نظر آگئی تھی۔

اور بقول افلاکی مولاناؒ نے جب سفر شام کا ارادہ کیا ہے تو ایک غزل میں کہا ہے کہ

خبر رسید بشام است شمسؒ تبریزی — چہ صبحہا کہ نماید اگر بشام بود

مگر اس عاجز کا خیال یہ ہے کہ یہ غزل شمسؒ کے پہلی مرتبہ غائب ہو جانے کے بعد جب آپ کے دمشق میں ہونے کی خبر ملی ہے اُسوقت کہی ہوگی، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بہ پیش تو چہ زند جان و جاں کدام بود — کہ جاں توئی و دگر جملہ نقش و نام بود

اگرچہ ماہ بدہ دست روئے خود شوید — چہ زہرہ دارد کاں چہرہ را غلام بود

بجان عشق کہ تا ہر دو جاں نیامیزد — جدائیست و ملاقات بے نظام بود

رفیق گشتہ دو چشمش میان خوف و رجا — برائے پختن ہر عاشقے کہ خام بود

ہزار خانہ بتاراج برد و خوش — سلامتی ہمہ تاراج آں سلام بود

رسید مژدہ بہ شام است شمسؒ تبریزی — چہ صبحہا کہ نماید اگر بشام بود

(ص ۳۲۸)

کچھ تو شمسؒ کے فراق سے بیتاب ہو کر اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ مولاناؒ کی تغیر حالت کی وجہ سے لوگوں میں ایک شور برپا ہو گیا تھا، آپ نے سفر شام کا ارادہ کیا لیکن افلاکیؒ نے یہ لکھا ہے کہ "باز نوبت دوم چوں غیبت فرمود حضرت مولاناؒ بفرزند دلبند خود از غایت عنایت کہ داشت، اشارت فرمود بابست نفر درویش بسفر شام فرستاد بطلب مولاناؒ شمس الدین عظم اللہ ذکرہٗ۔[1]

---

[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اپنی روانگی سے قبل مولاناؒ نے سلطان ولدؒ کو چند شخصوں کے ہمراہ حضرت شمسؒ کی تلاش میں شام کی طرف بھیجا تھا، مگر خود سلطان ولدؒ نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے اور نہ رسالہ سپہ سالارؒ میں کوئی اشارہ ملتا ہے، غالباً سلطان ولد کا بھیجنا اسی طرح کا رہا ہوگا جس طرح مولاناؒ نے ہر طرف جستجو میں آدمی بھیجے تھے، شام کی طرف سلطان ولدؒ کو روانہ کیا ہوگا، اور سلطان ولدؒ کے واپس آجانے کے بعد خود سفر شام کا ارادہ کیا ہوگا، ایک غزل میں اپنے سفر شام کا اشارہ اس طرح فرماتے تھے۔

بجان عشق کہ بر شہر شوق دانہ ودام — عزیمتِ سفر ستم زردم تا سوئے شام
فتاد ولولہ در شہر از ضمیر حسود — کہ باز گشت فلانے زدست دشمن کام

دوسرے شعر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس عزم سفر سے شاید دوسرے سفر شام کی طرف اشارہ ہے، یا پہلا سفر ہی ہو جو سلطان ولد کی واپسی کے بعد اختیار کیا گیا۔ شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل شہر میں کسی ناکام واپسی کا چرچا تھا خواہ سلطان ولدؒ کے واپس آنے کے بعد ایسا ہوا ہو یا خود مولاناؒ کے پہلے سفر سے واپسی کے بعد۔

سلطان ولد نے مولانا کے سفر کا جو حال دیا ہے وہ یہ ہے کہ "اسی جوش و خروش کے عالم میں مولاناؒ نے سفر کا ارادہ کیا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ چل کھڑے ہوئے، اسی طرح دمشق پہونچے اور وہاں بھی لوگوں کے دلوں میں آتش عشق بھڑکا دی، تمام لوگ حیران تھے کہ ایسا عالم و فاضل شخص کیوں اس طرح دیوانہ ہو رہا ہے، شمس تبریز کیا چیز ہیں، جو ایسا فرد فرید ان کے پیچھے یوں مارا پھر رہا ہے۔ یہ راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

جب دمشق میں شمسؒ کا کچھ پتہ نہ چلا، اس وقت مولاناؒ نے یہ فرمایا کہ میں اور شمسؒ دو نہیں ہوں، وہ اگر آفتاب ہیں تو میں ذرہ ہوں، وہ اگر دریا ہیں تو میں قطرہ ہوں، ذرہ

Marfat.com

کی ہستی آفتاب ہی سے ہے اور قطرہ کی تری دریا ہی سے ہے، پس فرق کیا ہوا۔

مدح خود کردنم ازیں رویست — کہ خم پر زآب آں جویست
پس ہمہ مدح اوست در تحقیق — اصل را گیر و بگذر از تفریق

جب دمشق میں حضرت شمسؒ کا کچھ پتہ نہ چلا تو مولاناؒ نے چند روز بعد شام سے روم کی جانب مراجعت فرمائی

چند برس قونیہ میں قیام فرمایا، مگر پھر عشق نے جوش کیا اور کچھ لوگوں کو لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے، اس مرتبہ چند ماہ دمشق میں ٹھہرے رہے۔ آخر پھر قونیہ تشریف فرما ہوئے اور اس مرتبہ یہ خیال لے کر آئے کہ میں خود عین شمسؒ ہوں۔ شمسؒ کی جستجو کیا تھی، درحقیقت خود اپنی ہی جستجو کر رہا تھا

گفت چوں من ویم، چہ می جویم — عین ادیم کنوں ز خود گویم!
وصف حسنش کہ میفزود دمم — خود ہماں حسن و لطف بود م من
خویش را بودہ ام یقیں جویاں — ہمچو شیرہ درون خم جوشاں

غرض اس مرتبہ قونیہ اس خیال کے ساتھ واپس آئے کہ شمسؒ میں جو کچھ تھا وہ خود مجھ میں موجود ہے [1]

پسر سالارؒ نے مولانا کے اس سفر کا بیان بہت مختصر دیا ہے۔ اس سے صرف اتنا اضافہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں تمام عزیزوں اور مقربوں کو ہمراہ لے کر دمشق گئے تھے [2]، مگر افلاکیؒ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف چند اصحاب کو لے کر دمشق کی طرف

---

[1] ملخص رباب نامہ [2] باتمامت عزیزاں و مقرباں بحروسۂ دمشق رفتہ ص ۶۹

Marfat.com

گئے تھے جن میں سلطان ولد بھی تھے[1]۔ اس سفر میں حلب پہونچنے سے پہلے ایک جگہ تین سو ترکوں سے سابقہ پڑا گروہ سب مطیع و معتقد ہو گئے۔

اسی سفر شام میں مولاناؒ نے یہ غزل کہی تھی[2]

ما عاشق گشتہ و شیدائے دمشقیم — جاں دادہ و دل بستہ سودائے دمشقیم

بر بام پریدیم چو از باب پریدیم — زاں جامع عشاق بہ خضرائے دمشقیم

از باب فرح دوری و از باب فرادیس — کے دانی کاندر چہ تماشائے دمشقیم

اندر جبل صالح[3] کاینست ز گوہر — زاں گوہر ما غرقہ دریائے دمشقیم

کے بے مزہ مانیم چو دو مزہ درآئیم — دروازۂ شرقی و سویدائے دمشقیم

از روم بتازیم دگر بار سوئے شام — کز طرۂ چوں شام مطرائے دمشقیم

از چشمۂ سیماس مگر آب نخوردی — ما عاشقِ آں ساعد سقائے دمشقیم

از مسکن معلوم چو بگرفت دل ما — ما طالب تالیف ز ابنائے دمشقیم

مخدومی شمس الحق تبریز چوں آنجاست — مولائے دمشقیم چہ مولائے دمشقیم

(۱۵۔ ص ۴۷۷-۴۷۸)

خلاصہ یہ کہ مولاناؒ نے اس مرتبہ شمس کی جستجو میں دوبارہ دمشق کا سفر اختیار کیا۔ پہلی مرتبہ غیبت شمسؒ کے چند روز بعد یا زیادہ سے زیادہ چالیس روز بعد روانہ ہوئے اور اپنی عدم موجودگی میں حضرت حسام الدینؒ چلپی کو قونیہ میں اپنا جانشین کر گئے تھے۔

---

[1] بعضے اصحاب و اعقاب را برگرفتہ آہنگ دیار شام کرد ص ۱۲۵

[2] مناقب نسخہ قلمی

[3] بناے جبل صالحیہ ابوالفداء

Marfat.com

[مگر افلاکیؒ نے اس سفر کو سیوم[1] بار قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس مرتبہ ایک سال سے کچھ کم یا زیادہ دمشق میں مقیم رہے، لیکن افلاکی سے یہ نہیں واضح ہوتا کہ پہلے دو سفر کون سے تھے۔ سلطان ولدؒ کا بیان بہت صاف و قطعی ہے کہ مولاناؒ نے دو بار دمشق کا سفر کیا، اول شمسؒ کے غائب ہو جانے کے چند روز بعد روانہ ہوئے اور دمشق میں تھوڑے ہی دنوں قیام کر کے واپس آ گئے تھے۔]

پس یہ سفر ۶۴۵ھ میں ہوا ہوگا۔

دوسرا سفر چند برس بعد اختیار کیا اور اس مرتبہ دمشق میں قیام بھی زیادہ کیا اور افلاکیؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دمشق سے واپس نہیں آئے جبتک کہ خود قونیہ کے امرا و علماء نے باتفاق تمام آپ کی اور حضرت شمس الدینؒ کی واپسی کی استدعا نہ کی، افلاکیؒ کی عبارت کا ملخص حسب ذیل ہے۔

جب تمام اہالی قونیہ اور اکابر روم مولاناؒ کی جدائی سے تنگ آ گئے تو سلطان روم اور امرائے عظام کے سامنے کیفیت حال عرض کی اور ایک محضر مولانا اور حضرت شمس الدینؒ کی طلب میں مرتب کیا اور تمام علماء و شیوخ و قضاۃ اور امراء و اعیان نے اس پر دستخط ثبت کئے اور قضاۃ "عقیل" کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور وطن واپس آنے کے لئے بڑے اشتیاق و آزرو کا اظہار کیا، مولاناؒ نے ازراہ اخلاق قبول فرمایا اور وطن کو واپس آئے۔"

اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس دوسری مرتبہ کا سفر بھی اسی وجہ سے ہوا تھا کہ لوگ حضرت شمس الدینؒ کی طرف سے صاف نہیں ہوئے تھے اور حضرت شمسؒ کے فراق میں مولاناؒ کی پریشانی جس قدر بڑھتی جاتی تھی اور لوگ ان کے فیض سے محروم ہوتے جاتے تھے، اسی قدر شورش میں

---

[1] شاید افلاکی نے مولانا کے اس سفر کو بھی شمار کر لیا ہو جو آپ نے بغرض تحصیل علم ۶۲۴ھ سے قبل کیا تھا۔

Marfat.com

بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر الامر جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ شمسؒ کی دوری سے نہیں بلکہ قربت سے مولاناؒ کی تسکین ہوگی اور اس طرح بالواسطہ مولاناؒ سے استفادہ کا موقع ملے گا، اس وقت ناچار اس تدبیر کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے کہ حضرت شمسؒ کے قیام قونیہ کو گوارا کریں۔

[اس زمانہ میں عزالدین کیکاؤس ثانی (بشمول برادران) روم کا فرمانروا تھا" افلاکیؒ نے دوسرے موقع پر جو روایت نقل کی ہے کہ جب مولاناؒ حلب میں تھے، سلطان عزالدین نے کمال الدین کو حلب بھیجا تھا کہ مولاناؒ کو واپس لائیں، اگر اس واقعہ اور تاریخ سے لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی موقع تھا اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں، کیونکہ مولاناؒ جس زمانہ میں حلب میں تحصیل علوم میں مشغول تھے اس وقت تک نہ تو ذاتی حیثیت سے مولاناؒ کا اس قدر اثر قائم ہوا تھا کہ آپ کا چند روزہ فراق اس قدر شاق ہو جاتا اور نہ کوئی خاص وجہ آپ کو اس طرح واپس بلانے کی تھی اور نہ وہ زمانہ سلطان عزالدین کا تھا بلکہ اس زمانہ میں سلطان علاءالدین بدستور حکمراں تھا، بہرحال یہ ایک ظنی قیاس ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت سلطان (علاءالدین نے آپ کو طلب کیا ہو، اور افلاکیؒ نے سہواً عزالدین کا نام لکھ دیا ہو]

مولاناؒ کے شام کے یہ دونوں سفر ۶۴۵ھ اور ۶۴۷ھ کے درمیان واقع ہوئے ہونگے، کیونکہ شیخ صلاح الدین کے حالات میں یہ درج ہے کہ آپ دس برس مولاناؒ کی صحبت میں خلیفہ کی حیثیت سے رہے، شیخ کا انتقال ۶۵۷ھ میں ہوا ہے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ شیخ صلاح الدین کو شمسؒ کے بجائے اپنا ہمدم دیرینہ بنانے کے بعد مولاناؒ کی طبیعت میں سکون پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ نے شمسؒ کی تلاش میں کوئی سفر نہیں کیا ہے، پس ضرور ہے کہ یہ شور و ہیجان کا زمانہ ۶۴۷ھ

Marfat.com

میں ختم ہو چکا ہو۔

[لیکن اوپر یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ پہلے سفر سے واپس آنے کے چند سال بعد پھر دمشق کو گئے تھے، مگر واقعات کو تاریخ سے ملانے پر یہ واضح ہوتا ہے کہ اس شور و ہیجان کا زمانہ دو ہی برس رہا ہے اور یہ سفر اس دو برس کے اندر وقوع میں آئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب]

اس مرتبہ دمشق سے واپس آنے کے بعد مولانا حضرت شمسؒ کے ملنے سے بالکل مایوس ہو گئے تھے، مگر جس کیفیت کو آپ شمسؒ میں ملاحظہ فرماتے تھے اسے اب خود اپنے میں ملاحظہ فرمانے لگے تھے، سلطان ولدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ "اگرچہ مولانا قدس اللہ سرہٗ شمس الدین تبریزی را اعظم اللہ ذکرہٗ بصورت در دمشق نیافت بمعنی درخود بیافت زیرا آں حال کہ شمس الدین را بود حضرتش را ہماں حاصل شد"

اسی کو افلاکیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "اگرچہ حضرت مولاناؒ شمس الدینؒ را بصورت در دمشق نیافت اما بمعنی عظیم اورا چیزے دیگر درخود یافت و عشقبازی خود می کرد"[1]

خود مولانا نے مختلف غزلیات میں اس کا اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک غزل

---

[1] چنانکہ می گفت

دست بکشا دامنِ خود را بگیر — مرہم ایں ریش جز ایں ریش نیست

و در غزل دیگر فرمودہ۔

شمس تبریز خود بہانہ ایست — مائیم بجسن و لطف مائیم (مناقب ص ۲۵۱ نسخہ قلمی)

Marfat.com

میں فرماتے ہیں:۔

عاشقاں را جستجو از خویش نیست — در جہاں جوینده جز او پیش نیست
اے دمت عیسیٰ دم از دوری مزن — من غلام آنکہ دور اندیش نیست
گر بگوئی پس روم، نے پس مرد — ور بگوئی پیش نے رہ پیش نیست[۱]
دست بکشا دامن خود را بگیر — مرہم این ریش جز این ریش نیست[۲]
ہر کہ از جا رفت جائے او دلست — ہیچ دل اندر جہاں جائش نیست
کوس سلطانی زند در ملک خضر — کو ز گنج معنوی درویش نیست

(۸ - ص ۱۵۹)

دوسری غزل میں ارشاد ہوتا ہے۔

ما زندہ بنور کبریائیم — بیگانہ و سخت آشنائیم

.....

شمس تبریز خود بہانہ ایست — ما ئیم بلطف و حسن مائیم

---

[۱] شیخ فریدالدین عطار کے دیوان میں ایک غزل مسلسل اٹھارہ شعروں کی ہے اور اس میں انھیں دونوں شعروں کے مفہوم کو تشبیہات و تمثیلات سے واضح کیا ہے یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ مولانا نے تفصل کا اجمال دو شعروں میں پیش کر دیا ہے، موقع کے اعتبار سے چار شعر یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

پیش رفتن راجو پیشاں بستہ اند — باز گشتن راجو پایاں بستہ اند
پس ز از پس راہ داری نے ز پیش — کز دو سو رہ بر تو حیراں بستہ اند
پس ترا حیراں میان این دو راہ — عالمے زنجیر در جاں بستہ اند

Marfat.com

یا خلق بگو برائے رد پوش — کو شاہ کریم و ما گدائیم
ما را ز چہ شاہی و گدائی — شادیم کہ شاہ را سزائیم
بجویم بنور شمس تبریز — در محو نہ او بود نہ مائیم

(۱۱۔ ص ۴۹۰)

اسی وزن و قافیہ میں ایک دوسری غزل بھی ہے، اس میں بھی کچھ اسی قسم کے اشارات ملتے ہیں۔

ہر گہ کہ ز نور با خود آئیم — وانگہ بخدا کہ با خود آئیم
دائم کہ بجز خدا نہ داند — سر سخنان کہ ما سرائیم
ما ذرہ و دوست آفتاب است — تا ظن نہ بری کز و جدائیم
گر شمس فرود زمانے — ما با تو چو ماہ خوش برائیم

۱۴۔ ص ۵۰۰

اس کے بعد کسی نہ کسی وقت میں مولاناؒ کو حضرت شمسؒ کی وفات کا یقین ہو گیا تھا۔ مختلف اشعار میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے مولاناؒ کے اس یقین کا انکشاف ہوتا ہے۔

چونکہ روح شمس تبریزی مرا — برد با خود جان بے تن میردم

ص ۵۵۱

سلطان ولدؒ کے ایک شعر سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ضرور ایسا یقین

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۵)

چوں رسی در خود شود روشن ترا — پردۂ کز کفر و ایماں بستہ اند

Marfat.com

ہو گیا تھا ؎

گشت غائب زیں جہانِ خاکداں　　بے بدن اندر جہان جاوداں

مولاناؒ کے کلیات میں شمسؒ کا ایک مرثیہ بھی ملتا ہے، نہایت دل دوز و درد انگیز مرثیہ ہے، ایک ایک شعر دل پر تیر و نشتر کا کام دیتا ہے مگر اس میں بھی مولانا نے صراحت کے ساتھ شمسؒ کی وفات کا ذکر نہیں کیا ہے، مجمل اشارات کیے ہیں، غالباً یہ مرثیہ اُس وقت کہا ہے جب شمسؒ کی وفات کا خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔[1] یہ مرثیہ انتیس۲۹ شعروں کا ہے، ذیل میں نو شعر نقل کیے جاتے ہیں :-

قدر غم گر چشم سر بگریستے　　روز و شبہا تا سحر بگریستے

آسماں گر واقفستے زیں فراق　　انجم و شمس و قمر بگریستے

گر گلستاں واقفستے زیں خزاں　　ہر گل و ہر شاخ تر بگریستے

ایں اجل کراست، نالہ نشنود　　ورنہ با خونِ جگر بگریستے

مادر فرزند خوار آمد زمیں　　ورنہ بر مرگ پسر بگریستے

گر جنازہ واقفستے زین کفن　　ایں جنازہ برگذر بگریستے

زیر خاکم آنچناں گر ایں چناں　　شاید از زیر و زبر بگریستے

شمسؒ تبریزی برفت و کو کسے　　تا بر اں فخر بشر بگریستے

---

[1] آگے چل کر خود مولاناؒ کے انتقال کے واقعات میں یہ منقول ہوگا کہ مولاناؒ نے اپنے انتقال کے قریب یہ فرمایا تھا کہ "میرے اصحاب ادھر کھینچتے ہیں اور مولانا شمس الدین ادھر بلا رہے ہیں" اس سے یہ ثابت ہے کہ مولاناؒ کو اپنے انتقال سے قبل حضرت شمسؒ کی وفات کا تیقن ہو گیا تھا۔

Marfat.com

عالمِ معنی عروسی یافت زد　　لیک بے اوایں صور بگریستے

(۲۹ ص ۹۲۱)

تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ۶۴۵ھ کو حضرت شمس الدین کی تاریخ وفات قرار دیا ہے مگر جیسا کہ اوپر کے بیانات سے واضح ہو چکا ہے جن کتابوں کو اصل بنا قرار دیا جا سکتا ہے، ان سے یہ سنہ غیبت و استتار[1] کا قرار پاتا ہے۔ نہ کہ وفات کا، لیکن غیبت و استتار ہو یا وفات تمام تذکروں میں بلا استثنا یہ لکھا ہے کہ ۶۴۵ھ کے بعد پھر حضرت شمسؒ کو کسی نے کہیں نہیں دیکھا، کسی خاص کتاب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے، صرف دولتشاہ نے ایک شوشہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت شمسؒ نے مولانا کے انتقال کے بعد (یعنی ۶۷۲ھ کے بعد) وفات پائی (اس کا ذکر ہو چکا ہے) البتہ فہرست کتب خانہ بانکی پور میں حضرت شمسؒ کا سال وفات ۶۶۰ھ دیا ہے[2] اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ فہرست کتب خانہ شاہانِ اودھ مرتبۂ اسپرنگر ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ "بعض مصنفین آپ کا سال وفات زیادہ صحیح طور پر ۶۶۰ھ میں قرار دیتے ہیں" لیکن اسپرنگر نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مصنفین کون ہیں؟

---

[1] تاریخ الغیبت والاستتار مولانا شمسؒ الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز یوم الخمیس سنہ خمس اربعین وستمایۃ مناقب (نسخہ قلمی)

[2] اگر یہ خود چھاپے کی غلطی نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی فارسی کتاب سے مغالطہ ہوا ہے۔ ایرانی خط میں (　　) اور ٦ (　　) کے ہندسوں میں ایسا خفیف فرق ہے کہ سرسری نظر میں بسا اوقات دھوکہ ہو جاتا ہے اور ٥ کا ہو جانا کچھ دشوار نہیں ہے اس

Marfat.com

[اوپر حضرت شمسؒ کے قتل ہونے کی روایت پر بحث کرتے ہوئے ان دونوں سنین کو پیش کیا گیا ہے مگر صرف بر بنائے فرضی ایسا لیا ہے اگر الحروف انھیں صحیح نہیں تسلیم کر سکتا]

مولاناؒ اور حضرت شمسؒ میں باہمگر جو خلوص و اتحاد تھا اور ایک دل میں دوسرے کی جو قدر و منزلت تھی وہ واقعات مذکورۂ بالا سے خوب واضح و روشن ہو چکی ہے، توضیح مزید کی ضرورت نہیں ہے مگر پھر بھی دونوں بزرگوں کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں، جن سے تخفیفاً یہ عیاں ہو جائے کہ حضرت شمس الدین مولاناؒ کی نسبت کیا خیال رکھتے تھے اور مولاناؒ کے دل پر حضرت شمس الدین کی محبت کا نقش کیسا گہرا جما ہوا تھا۔

سب سے اول خود حضرت شمس الدینؒ کا یک قول ملاحظہ ہو جس سے دونوں بزرگوں کے تعلقات فیما بین کا اظہار نہایت خوبی سے ہوتا ہے مولانا شمس الدینؒ نے ایک روز فرمایا کہ "غواص دریائے معانی مولاناؒ ہیں اور تاجر میں ہوں تجارتی ہمیں دونوں کے درمیان ہے"[1]

اسی معنی میں سلطان ولدؒ کی روایت ہے کہ "ایک مرتبہ مولاناؒ نے حضرت شمس الدینؒ کی مدح میں بغایت مبالغہ فرمایا، میں نہایت ہی مسرور ہوا اور جا کر حضرت شمس الدینؒ کے حجرہ کے دروازے سے سر نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگا، فرمایا کہ یہ کیا مذاق ہے؟ میں نے کہا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸)
طرح ممکن ہے کہ ۴۵ کا ۶۰ ہو گیا ہو فہرست کتب خانہ بہار کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ عبدالمقتدر خاں مرتب فہرست کو اس پر اصرار ہے، وہاں بھی یہی لکھا ہے]

[1] مناقب ص ۱۸۶

Marfat.com

والدؒ نے آج آپ کے اوصاف عظمت بے انتہا بیان کئے ہیں، فرمایا کہ میں تمہارے والدؒ کے دریائے عظمت کا ایک قطرہ ہوں مگر جو کچھ کہا ہے اس سے ہزار گونہ زائد ہوں" سلطان ولدؒ پلٹ کر پھر مولانا کے پاس گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا، فرمایا کہ "اس قول سے حضرت شمس الدینؒ نے اپنی مدح کی ہے اور جو کچھ کہا ہے اس سے سوگونہ زیادہ ہیں"[1]

ایک روز مولانا شمس الدینؒ نے ایک مجمع میں فرمایا کہ "اگر تمہیں یار وفادار نہیں ملا تو مجھے مل گیا ہے" اور حضرت مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ تنہا عالم میں آئے اور تمام عالم سے بازی لے گئے اور سب کو اپنے عشق میں مست کر دیا"[2]۔

حضرت شمس الدینؒ نے ایک مرتبہ مدرسہ میں یہ فرمایا کہ "جو شخص انبیا کو دیکھنا چاہتا ہو وہ مولانا کو دیکھے کہ ان میں سیرت انبیاؑ کی موجود ہے، اگر چاہتے ہو کہ "العلماء ورثۃ الانبیا" کے معنی معلوم ہوں تو مولاناؒ کو دیکھ لو"[3]۔

نیز ایک روز فرمایا کہ "اس وقت اصول، فقہ، نحو، منطق کسی فن میں مولانا سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے، اگر میں سو برس بھی کوشش کروں تو اس حد کو نہیں پہنچ سکتا اور پھر کمال لطف یہ ہے کہ میرے سامنے ان سب کو نادانستہ سمجھتے ہیں"[4]۔

اب اس کے بالمقابل مولاناؒ کے اقوال ملاحظہ ہوں :۔

کسی نے مولانا کی خدمت میں یہ کہا کہ "حضرت دنیا سے فارغ ہیں مگر مولانا شمس الدینؒ کو دوست نہیں رکھتے اگر دوست رکھتے ہوتے تو پھر ایسا نہ معلوم ہوتا"[5]

---

[1] مناقب ص ۲۸۴ [2] مناقب ص ۱۸۵ [3] مناقب ص ۱۷۴

[4] " ص ۱۸۶ [5] " ص ۱۸۶

Marfat.com

ایک شخص نے مولانا شمس الدین تبریزی کی موجودگی میں مولانا سے کہا کہ میں تو آپ کو دوست رکھتا ہوں"
مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر "دوسروں" سے مراد مولانا شمس الدین تبریزی ہیں
تو یہ غلط ہے، اگر تجھے ان کے لئے دوست رکھو تو یہ افضل و بہتر ہے[1]"
ایک روز کوئی شخص مدرسہ کی دیوار میں ایک میخ ٹھونک رہا تھا، مولاناؒ نے فرمایا کہ
"میرا یہ مدرسہ اولیاء اللہ کا مسکن ہے اور یہ حجرہ مولانا شمس الدینؒ کا ہے، لوگوں کو خوف
نہیں معلوم ہوتا کہ اس جگہ میخ ٹھونکتے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ میخ میرے جگر
میں ٹھونک رہے ہیں[2]"
مولاناؒ کا یہ بھی قول تھا کہ علمائے ظاہر واقف اخبار رسولؐ ہیں اور حضرت شمس
الدینؒ واقف اسرار رسولؐ تھے۔

شمس تبریزی تؤئی واقف اسرار رسولؐ　　نام شیرین تو ہر دل شدہ را درماں باد

مثنوی شریف کی تصنیف حضرت شمس الدینؒ کے غائب ہو جانے کے تیرہ چودہ برس
بعد شروع ہوئی ہے، مگر مولاناؒ کے دل میں حضرت شمس الدینؒ کا خیال اس طرح جاگزیں تھا
کہ "شمسؒ" کا اشارہ بھی کہیں آجاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیتاب ہو گئے ہیں، پہلے
دفتر کے اوائل ہی میں یہ شعر آیا ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید از وے رو متاب

ایک لفظ "آفتاب" کی وجہ سے بتیس شعر "شمس" کی مدح میں لکھ گئے اور آخر میں اس

---

[1] مناقب ص۱۸۶

[2] مناقب ص۳۶۰

Marfat.com

طرح ختم کیا جیسے مجبور ہو کر دل کی بات دل ہی میں رہ گئی ہو ؎

فتنہ و آشوب و خونریزی مجو　　بیش ازیں از شمسؒ تبریزی مگو

دفتر دوم غلیت حضرت شمسؒ سے سترہ برس بعد شروع ہوا ہے، اس میں پادشاہ کے دو غلاموں کی حکایت کے ضمن میں یہ شعر آیا ہے ؎

چوں نمی آیند اینجا کہ منم !　　کاندریں غر آفتاب روشنم

یہاں بھی دس شعر لکھ گئے ہیں اور ختم اس طرح کیا ہے۔

تو مرا باور مکن کز آفتاب　　صبر دارم من دیا ماہی ز آب

در شوم نومید نومیدی من　　ہیں صنعِ آفتاب است ای حسن

یہی حال دوسرے مواقع کا ہے اور دیوان کے متعلق تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

حضرت شمسؒ الدین اور مولاناؒ کے اس قسم کے اقوال "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کے مفہوم میں داخل نہیں تھے بلکہ نفس الامر میں دونوں بزرگوں کے خیالات ایک دوسرے کی طرف سے ایسے ہی تھے جس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف استفادۃً نظر کرتے تھے اور اس لئے ہر ایک اپنے کو کمتر اور دوسرے کو برتر سمجھتا تھا، اور یہ بھی رموز اولیا میں سے ایک رمز ہے، اس سوال کے جواب میں کہ ہر ایک مرید اپنے پیر کو سب سے برتر کیوں سمجھتا ہے، کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا کو منظور ہوتا ہے کہ وہ مرید اس پیر سے فائدہ پائے اس لئے اسے جملہ کمالات اپنے پیر ہی میں نظر آتے ہیں، دوسرے میں اسے وہ کمالات نظر نہیں آتے، کچھ ایسی ہی کیفیت مولاناؒ اور حضرت شمسؒ کی بھی تھی کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو سب سے افضل و برتر سمجھتے تھے، اور اس میں شک بھی نہیں کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک ایسا ہی تھا۔

اہل یورپ کے عوائد میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے کوئی خاص خیال، ن

Marfat.com

کے ذہن میں آتا ہے اور پھر اس تصور کو وہ مثل کر لیتے اور اسے واقعہ کی صورت دیدیتے ہیں،
اس قسم کے تصورات ممثلہ بلکہ مجسمہ میں سے ایک تصور یہ بھی ہے کہ حضرت شمس الدینؒ ایک لاعلم شخص تھے۔ اس خیال کی ابتدا ڈاکٹر نکلسن کے دیباچہ "دیوان شمسؒ تبریز" سے ہوئی اور اسکے بعد دوسرے ارباب قلم بھی تا ایندم آمنا و صدقنا کہتے چلے آئے، ان اقوال کو نقل کرکے کتاب کو گندی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ مشرقی تذکرے جو اس باب میں سند ہو سکتے ہیں سب حضرت شمسؒ کی فضیلت علمی کے معترف ہیں۔ سلطان ولدؒ نے مخالفین کی زبان سے جو یہ ادا کیا ہے کہ ع نے ورا علم و نے نسب پیداست، اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ابتداءً مخالفین حضرت شمس کی علمی فضیلت سے آگاہ نہیں تھے اور یہ ابتدائی آمد کا حال تھا، دوسرے موقع پر خود سلطان ولد ہی نے انھیں مخالفین کے قول کو بوجہ دیگر نقل کیا ہے کہ

اینکہ آمد ز اولیں بتر است — اولین نور بود دیں شر است
داشت او ہم بیان و ہم تقریر — فضل و علم و عبارت و تحریر
بیش ازیں خود نبود کان شہ ما — بود ازو بیشتر بعلم و صفا

(رباب نامہ)

مناقب العارفین میں مولانا سے ایک روایت منقول ہے اور اسے اس باب میں قول فیصل سمجھنا چاہیے۔ روایت یہ ہے کہ مولاناؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شمس الدین کو تسخیر نفوس و نسی میں اور سرا سمائے قدس و اسرار اشیا میں ید بیضا حاصل تھا، علم کیمیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ فلکیات و ریاضیات، الہیات، حکمیات، نجوم، منطق اور خلاف (فن بحث) میں ید طولےٰ حاصل تھا، مگر جب مردان خدا کی مصاحبت حاصل ہوئی سب ترک کر دیا (مناقب ص ۳۵۶)

Marfat.com

علی ہذا یہ خیال بھی اہل یورپ میں متوارث چلا آتا ہے کہ حضرت شمس الدین نہایت درجہ تشدد پسند وسخت گیر شخص تھے اور یہی وجہ لوگوں کے آپ سے مخالف ہو جانے کی تھی، یہ بھی جس طرح اہل یورپ سمجھتے ہیں، صحیح نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ آپ صفت جلالی کے زیر اثر تھے اور جو اولیاء اللہ اس صفت کے تحت میں ہوتے ہیں ان کی کیفیت "جمالیوں" سے جداگانہ ہوتی ہے مگر اسے خشونت، تشدد اور سخت گیری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہو تا صرف یہ ہے کہ "جمالیوں" میں لطف عیاں ہوتا ہے۔ جلالیوں میں لطف نہاں، اس میں شک نہیں کہ حضرت شمس الدینؒ کے مزاج میں جلال زیادہ تھا مگر یہ جلال بھی جمال سے خالی نہیں تھا، اس بارے میں ایک شخص کا قول بہت ہی صحیح واقع ہوا ہے۔ "مولانا ہمہ لطف است، مولانا شمس الدینؒ ہمہ صفت لطف است وہم صفت قہر"[1]

امر واقعی یہ ہے کہ مولاناؒ کے بالمقابل اگر حضرت شمس الدینؒ کی صفت جلالی زیادہ نمایاں ہو گئی جو لوگ مولاناؒ کے لطف عمیم کے عادی تھے، ان کو حضرت شمس الدین کا انداز سخت معلوم ہوا ورنہ فی نفسہ حضرت شمس الدینؒ میں کوئی غیر معمولی تشدد پسندی نہیں تھی، بلکہ اس کے برعکس حضرت شمس الدینؒ کے خلاف لوگوں سے جس قسم کی نالائق حرکتیں سرزد ہوئیں اور آپ نے ان پر جس طرح تحمل کیا اس سے آپ کے غایت حلم کا اظہار ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ آپ کے خلاف جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف اس قدر کہ آپ بعض اوقات حد مصلحت سے تجاوز صاف گوئی سے کام لیتے تھے، جس سے لوگوں کے باطنی عیوب و نقائص روشن ہو جاتے تھے اور یہ لوگوں پر گراں ہوتا تھا اور اس کی بھی خاص وجہ ہے، وہ یہ کہ آپ اولیائے مستورین میں سے تھے، مامور للہدایت نہیں تھے اور اس لئے آپ کو ان مصالح پر خیال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی جس کی ضرورت مامورین کو ہوتی ہے۔

ایک "مثنوی "مرغوب القلوب" کے نام سے حضرت شمس الدین کی طرف منسوب ہے، اس میں

---

[1] مناقب ص ۴۲۶ (نسخہ قلمی)

Marfat.com

تقریباً ڈیڑھ سو شعر ہیں جن میں شریعت وطریقت، توبہ وسلوک، وضو، ترکِ دنیا، طلب مرشد، تفرید وتجرید، معرفت، عشق، فنا وبقا، سفر سے متعلق صوفیانہ اشعار ہیں، یہ مثنوی چھپی ہوئی عام طور پر ملتی ہے[1] کتب خانہ آصفیہ میں اس کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔

شمارہ (۵-۹) میں تاریخ تصنیف ۹۷۸ھ دی ہے۔

زہجرت نہ صد و ہفتاد و ہشت است　　حساب حاسباں تاریخ وقت است

شدہ اتمام دیں منظوم موزوں !　　بہ مرغوب القلوب اتمام اکنوں

مرقوم سلخ ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ از نصف حضرت شمس تبریز ، اس کا انداز یہ ہے کہ اول ایک شعر ہے اس کے بعد اس کی مناسبت سے کوئی آیت قرآنی یا کوئی حدیث نبوی دی ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مطالب اشعار کو آیات قرانی واحادیث نبوی سے ثابت کیا جائے۔

شمارہ (۹۷۹) میں شعر آخر یہ ہے :-

زہجرت سی صد و پنجاہ و ہفت

تمام مختصر منظوم شد خوب　　کہ مثل او بخود آورد مرغوب

شمارہ (۹۲۳) کے آخر میں اردو کا بھی ایک شعر ہے اور لکھا ہے کہ سید مخدوم علی بادشاہ حسینی (ساکن شاہ علی نگر عرف السور ؟) نے اقوال صوفیہ سے جمع کیا اور ۱۲۸۳ھ میں اتمام کو پہنچایا۔ اس میں احادیث وغیرہ کے مطالب کو نثر میں مفصلاً بیان کیا ہے

---

[1] مطبع نولکشور میں ۱۲۹۵ھ میں بار سوم) یہ مثنوی "گنجینہ عرفان" کے شمول میں طبع ہوئی ہے جس میں چار مثنویاں اور ہیں اس کا طرز یہ ہے کہ اول ایک یا دو شعر دیئے ہیں، اس کے بعد اسی کے حسب خواہ آیات واحادیث نقل کئے ہیں (کتب خانہ آصفیہ کے نسخہ شمارہ (۹۰۵) اور شمارہ (۹، ۹) کا بھی یہی انداز ہے)

Marfat.com

مطبوعہ نسخوں میں سے طبع نولکشوری میں ہے کہ

دریں رہ کار ہر مہ بود براصل — مرتب کرد شمس الدین بدہ فصل

ز ہجرت ہفت صد و پنجاہ ہفت است — حساب حاسباں تاریخ وقت است

طبع مجیدی میں شعر اول نہیں ہے اور شعر دوم اس طرح ہے

ز ہجرت ہفت صد و پنجاہ و ہفت — حساب حاسباں تاریخ درو ثبت

ان تاریخوں میں سے کتب خانہ آصفیہ کی شمارہ (۹۷۹) کے ۷۵۳ھ کو قطعاً یہ سمجھنا چاہیے کہ ہفت صد کے بجائے سی صد لکھا گیا ہے، صحیح ۷۵۷ھ ہے مگر ۹۵۷ھ کی کوئی توجیہ صریح نہیں ہو سکتی

بہر حال یہ مثنوی ۹۵۷ھ کی تصنیف ہو یا جیسا کہ متعدد نسخوں سے پایا جاتا ہے کہ ۷۵۷ھ کی تصنیف ہو، کسی صورت میں بھی حضرت شمس الدینؒ تبریزی کی جانب اسے منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ حضرت شمس الدینؒ کا زمانہ ساتویں صدی کے اواسط میں تھا نہ کہ آٹھویں صدی کے نصف آخر میں۔ اس تضاد تاریخی کے علاوہ کسی مستند کتاب میں بھی اسکا ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا، پس اسے بالکل خارج از بحث سمجھنا چاہیے۔ یہ چند سطریں صرف اس ضرورت سے لکھی گئیں کہ یہ مثنوی جو عام طور پر عموماً انکے دوست حضرت شمس الدینؒ کی جانب منسوب ہو گئی ہے یہ غلط ہے۔

[اولیاء اللہ کے تذکروں میں بہت جستجو کی کہ اواسط آٹھویں صدی میں کسی شمس الدین کا پتہ چلے مگر اس نام کا کوئی شخص نہ ملا۔ البتہ آٹھویں صدی کے اواسط میں ایک شاعر شمس الدین محمد عصار تبریزی ہوئے ہیں۔ یہ سلطان شیخ اویس کے مداحوں میں تھے، جس کا عہد حکومت ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء سے ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء تک رہا

مطبع مجیدی کانپور میں (۱۳۳۲ھ) یہ مثنوی حضرت فریدالدینؒ عطار کی ایک مختصر مثنوی کے ساتھ طبع ہوئی ہے اس میں ہر شعر کا اردو ترجمہ دیا ہے، آیات و حدیث نہیں دیئے ہیں۔

Marfat.com

ہے، اور خود ان شمسؒ کا انتقال ۷۸۴ھ ۱۳۸۲ء میں ہوا ہے، ان کی ایک مثنوی "مہر و مشتری"[1]، جس کا سنہ تصنیف ۱۷۸۷ء یا ۷۴۸ھ ہے۔ باغلب وجوہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ "مرغوب القلوب" بھی انھیں شمس الدین تبریزی کی تصنیف ہے اور غلطی سے حضرت شمس تبریزؒ کی جانب منسوب ہو گئی ہے، یہ غلطی صرف اہل ایشیا سے نہیں ہوئی بلکہ ریویو[2] نے لکھا ہے کہ فلوگل[3] نے بھی غلطی سے اسے حضرت شمسؒ تبریز کی جانب منسوب کر دیا ہے، لیکن خود ریویو نے اس کا کوئی اشارہ نہیں کیا ہے کہ آخر یہ مثنوی

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۶۔

[1] اس تلاش میں ۷۵۷ھ سے قریب ترین زمانہ کے بزرگوں میں شمس الدین یحییٰ ہیں جنھوں نے ۷۴۷ھ میں انتقال کیا، پیچھے ہٹ کر شیخ شمس الدین صفی اردبیلی میں جن کا سال وفات ۷۳۵ھ ہے، اس کے بعد امیر خسرو کے بھانجے خواجہ شمس الدین کا زمانہ ہے جن کا انتقال ۷۲۲ھ میں ہوا، ان کے علاوہ یہ ترتیب سنین شمس الدین کے نام کے مفصلۂ ذیل بزرگوں کا ذکر کتابوں میں ملا مگر ان میں سے کسی کے زمانہ کی تطبیق اس کتاب سے نہیں ہوتی، العلم عند اللہ۔

(۱) سید شمس الدین عبد العزیز (فرزند شیخ عبد القادر جیلانی) ۵۸۹ھ۔

[2] خواجہ شمس الدین محمد کوسوی م ۸۶۳ھ

[3] شیخ شمس الدین طاہر م ۸۸۱ھ

[4] مولانا شمس الدین محمد رومی م ۹۰۴ھ [5] شاہ شمس الدین قادری لاہوری م ۱۰۲۱ھ

[1] فہرست کتب قلمی فارسی دار النوادر برطانیہ جلد دوم ص ۷۲۶ فہرست کتب خانہ بہار، کلکتہ ص ۲۴۶

[2] حسب بالا ص ۸۷۴

[3] فہرست کتب خانہ دائنا جلد اول ص ۵۲۶

Marfat.com

کس کی ہے]

حضرت شمس الدینؒ کے ذکر کو ختم کرنے سے قبل مناسب ہے کہ آپ کے چند اقوال نقل کر دیئے جائیں جن سے آپ کے اخلاق اور آپ کے پُراز حکمت خیالات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

آپ کا قول تھا کہ "مرید کو تین طرح پر میرا قرب حاصل ہوتا ہے، اول مال سے، دوم حال سے، سوم نیاز و ابتہال سے[۱]" (مگر مال سے مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ خود مال لے لیتے تھے بلکہ غرض یہ تھی کہ اس سے مرید کے حُبِّ مال کا امتحان ہو جاتا تھا۔ واقعۂ حضرت حسام الدین ملاحظہ ہو،

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ "سچا دوست وہ ہے جو کردہات اور تمام برائیوں کے متحمل ہونے میں خدا کے مانند محرم ہو۔ خدا تمام عیوب و نقائص کو دیکھتا ہے۔ اور پھر بھی بندہ پر شفقت و رحمت کرتا ہے[۲]۔

ایک روز کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا کہ شیخ سے سوال کرنا بدعت ہے، پھر ارشاد ہوا کہ "توحید یہ ہے کہ تمام چیز مِلک خدا ہے اور خدا سے ہے اور خدا کے ساتھ ہے اور خدا کی طرف جانے والی ہے"، پھر ہر ایک کی تشریح کی کہ مِلک خدا اس وجہ سے ہے کہ "للہ ملک السمٰوٰت والارض وما فیھن" خدا سے اس وجہ سے کہ "وما بکم من نعمۃ فمن اللہ، فلکل من عند اللہ" خدا کے ساتھ اس وجہ سے "ان تقوم السمٰوٰت والارض بامرہ" "خدا کی طرف جانیوالی اس وجہ سے کہ الی اللہ ترجع الامور، والیہ ترجع الامر کلہ والیہ المصیر[۳]۔

---

[۱] مناقب ص ۳۷۸

[۲] مناقب ص ۳۸۳

[۳] ایضاً ص ۳۹۰

Marfat.com

ایک مرتبہ کچھ لوگ قدم عالم پر بحث کر رہے تھے حضرت شمس الدین نے فرمایا کہ "قدم عالم سے تمہیں کیا غرض، یہ معلوم کرو کہ تم قدیم ہو یا حادث، جو کچھ تھوڑی بہت عمر ہے اسے اپنے تفحصِ حال میں خرچ کرو، قدم عالم کے تفحص میں نہ خرچ کرو"[1]

موت کے آپ اس درجہ شائق تھے کہ ایک روز ایک جنازہ سامنے سے گزرا تو فرمایا کہ "اسے کہاں لئے جا رہے ہیں، میں سالہا سال سے اس فکر و حسرت میں خون جگر کھا رہا ہوں (کہ) یہ مراد حاصل نہیں ہوتی۔

مرگ اگر مرد است، آید پیش من — تا کشم من در کنارش تنگ تنگ
من از و جانے برم بے رنگ و بو — او ز من دستے ستاند ز نگ زنگ[2]

جب کسی سے رنجیدہ ہوتے تو دعا کرتے کہ "خداوندا! اس کی عمر دراز کر اور اسے مال زیادہ دے"[3]۔

سلطان ولدؒ کی روایت ہے کہ اکثر اپنے مریدوں سے خربزہ منگاتے، وہ لوگ شیریں خربزہ لاتے، آپ کھاتے جاتے اور چھلکے ان لوگوں کے سروں پر پھینکتے جاتے اور فرماتے کہ یہ کیا لائے ہو، اس سے مریدوں کو عجب کشف غیب و خرق حجب حاصل ہوتا ہے[4]

---

[1] مناقب ص۴۲۹ (نسخہ قلمی)
[2] " ص۳۸۹
[3] " ص۳۸۶
[4] " ص۳۸۹

Marfat.com

دمشق سے دوسری مرتبہ واپس آنے کے بعد مولاناؒ کچھ دنوں ساکن رہے۔ اس کے بعد آپ نے شیخ صلاح الدین کو اپنا ہمراز و خلیفہ بنایا[1]۔ اس حیثیت میں حضرت صلاح الدین کی ملاقات مولاناؒ سے دس برس رہی، شیخؒ کا انتقال ۶۵۷ھ میں ہوا ہے، پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۶۴۷ھ میں مولاناؒ نے آپ کو اپنا جلیس خاص بنایا اور حضرت شمس الدینؒ کے بجائے آپ کو اپنا معین و مساز قرار دیا ؎

شہ صلاح الدین زبعد شمسِ دینؒ — گشت او را اندراں ورزش معین

حال و قالش از وجودش میفزود — سرّ ہائے نادر از وے می شنود

موقع کے اعتبار سے مناسب ہے کہ یہاں شیخ صلاح الدینؒ کے کچھ مختصر حالات درج کر دیئے جائیں تاکہ مولاناؒ کے ساتھ آپ کے تعلقات پوری طرح واضح ہو جائیں۔

شیخ کا اسم گرامی فریدون تھا اور آپ کے نام کے ساتھ بعض کتابوں اور خود مناقب العارفین[2] میں "بن باغستان" لکھا ہے۔ اس سے زیادہ آپ کے اسلاف کا کچھ پتہ نہیں چلتا مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ غریب والدین کی اولاد سے تھے اور آپ کے والدین قونیہ کے قریب ہی ایک گاؤں میں رہتے تھے اور حوالی قونیہ میں ماہی گیری کیا کرتے تھے، شیخ جب قونیہ میں آکر ٹھہرے تو آپ نے خود زرکوبی کا پیشہ

---

[1] مولاناؒ نے جس شان و انداز سے اپنے اصحاب کی مدح کی ہے، اس سے ہر وہ شخص جو مولاناؒ اور آپ کے اصحاب کے مراتب باہمی سے واقف نہو، مغالطہ میں پڑ جائے گا اور بالضرور یہی سمجھے گا کہ مولانا ان حضرات کے مرید تھے۔ چنانچہ بعض تذکرہ نویس بھی اس مغالطہ میں پڑ گئے ہیں، آتشکدۂ آذر (صفحہ ۲۲۲) میں صاف لکھا ہے کہ حضرت مولانا حسام الدینؒ اور شیخ صلاح الدینؒ کے مرید تھے اور نظم وقار میں بھی یہی درج ہے بلکہ اسی اس ترتیب سے لکھا ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں اصحاب سے مرید ہونیکے بعد حضرت شمس الدینؒ

Marfat.com

اختیار کر لیا اور ابتدائے حال سے امانت و دیانت میں مشہور تھے، اور مناقب العارفین سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کا کاروبار وسیع تھا، آپ کا سلسلۂ باطنی (بقول لطف علی آذر) شیخ ابو نجیب سہروردی سے ملتا ہے[1]، سید برہان الدینؒ جب قونیہ میں آئے تو آپ ان کے مرید ہو گئے اور سید کی نظروں میں آپنے اس حد تک اختصاص پیدا کر لیا کہ بقول فاطمہ خاتون (بنت شیخ صلاح الدینؒ) سید نے یہ فرمادیا کہ "عالم را بہ مولانا جلال الدینؒ بخشیدم و عالم را بہ شیخ صلاح الدینؒ دادم"

سید جب قیصریہ گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ قیصریہ چلے گئے، سید کے انتقال کے بعد اپنے والد سے ملنے آئے، یہاں آپ کا عقد ہو گیا، مولاناؒ کے ایک وعظ میں شریک ہوئے اور اس درجہ متاثر ہوئے کہ اسی وقت مولاناؒ سے تجدید بیعت کی،

شیخ مولاناؒ کے پیر بھائی تو پہلے ہی سے تھے، اب قونیہ کے مستقل قیام اور خود مولاناؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے سلسلۂ آمد و رفت بڑھا،

مولانا واقف تھے کہ سیدؒ کے نزدیک شیخ کا رتبہ کیا تھا، مولانا نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپ سے صحبت گرم رہنے لگی، جب حضرت شمس الدینؒ قونیہ تشریف فرما ہوئے تو شیخ انکی صحبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) سے ملاقات ہوئی، یورپی تذکرہ نویس بھی اس مغالطہ سے نہیں بچے، چنانچہ سرگور اوسلی نے بھی اپنے تذکرۂ شعرائے فارسی (ص ۱۱۴ و ۱۱۵) میں یہی سب کچھ لکھا ہے، اس کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ قیاسات مشرقی ہوں، یا مغربی ہر حال میں غلط ہیں، حضرت شمس الدینؒ کو مولاناؒ کا پیر کہہ سکتے نہ مرید، شیخ صلاح الدینؒ اگرچہ سید برہان الدینؒ کے مرید تھے، مگر مولاناؒ سے بھی بیعت کی تھی اور چلپی حسام الدینؒ تو خاصۃً مولاناؒ ہی کے مرید تھے، اور بعد میں آپ کے جانشین ہوئے

[1] آتشکدۂ آذر ص ۳۲۳ یہ تو ظاہر ہے کہ شیخ صلاح الدینؒ شیخ ابو نجیب کے زمانہ سے بہت بعید ہیں ممکن ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی جب غالباً ۶۲۲ھ یا ۶۲۳ھ میں) روم آئے اور قونیہ میں کچھ دنوں فروکش رہے ہیں،

Marfat.com

سے بھی مستفید ہوئے بلکہ مرید بھی ہو گئے، انتقال سے دس برس قبل مولانا سے آپ کو وہ قرب حاصل ہوا، جس کا اشارہ قبل ازیں ہو چکا ہے تفصیل آئندہ آتی ہے، اس وہ سالہ مدت میں آپ مولانا کے خلیفہ خاص رہے، مولانا نے اپنے فرزند سلطان ولد کی شادی شیخ کی دختر فاطمہ خاتون سے کر دی تھی اور اس طرح قرابت داری بھی قائم ہو گئی، شیخ نے یکم محرم ۶۵۷ھ (۲۸ دسمبر ۱۲۵۸ء) کو انتقال فرمایا،

غرض شیخ صلاح الدین مولانا کے مرید اور زمرۂ اصحاب میں نو بہت پہلے سے تھے، مگر اب جو درجۂ خاص مولانا کی صحبت میں آپ کو حاصل ہوا، اُس کا واقعہ[1] اس طرح مذکور ہے کہ مولانا ایک روز کچھ عجیب عالم استغراق میں تھے، اسی حالت میں شیخ کی دوکان کیطرف سے گذر ہوا، شیخ حسب عادت ورق کوٹنے میں مشغول تھے، مولانا ہتوڑی کی آواز پر وجد میں آگئے، شیخ نے بھی ہاتھ نہ روکا، بہت کچھ سونا خراب ہو گیا مگر کچھ پرواہ نہ کی، تھوڑی دیر بعد مولانا شیخ کو لئے ہوئے باہر آئے، اور کچھ دنوں مولانا کی صحبت میں رہنے کے بعد شیخ نے جب اپنی حالت میں تغیر دیکھا تو سمجھ لیا کہ مولانا کے اثر سے ہے، اور آخر کاملین سے ہو گئے،[2]

یہ بیان سپہ سالار کا ہے، افلاکی سے اس قدر اضافہ ہوتا ہے، کہ مولانا جب شیخ کی دکان پر پہونچے اور وجد میں آئے ہیں، تو شیخ خود باہر نکل آئے اور مولانا کے ساتھ وجد میں شریک ہو گئے اور اپنے شاگردوں کو اشارہ کر دیا کہ کتنا ہی سونا چاندی ضائع ہوتا جائے، ہاتھ نہ روکیں، یہ حالت ظہر سے عصر تک قائم رہی، اسی اثنار میں کچھ قوال آگئے، اور مولانا

[1] اکثر کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح آیا ہے، گویا شیخ صلاح الدین سے مولانا کی یہ پہلی ملاقات تھی، مگر واقعۃً ایسا نہیں تھا، بیان مذکورۂ بالا سے واضح ہو چکا ہے، کہ شیخ اس سے بہت قبل مولانا کے زمرۂ اصحاب میں داخل ہو چکے تھے، [2] سپہ سالار ص ۷۰،

Marfat.com

نے یہ غزل شروع کی،

یکے گنجے پدید آمد ازیں دکانِ زرکوبی
زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

شیخ نے دیکھا کہ ساری دکان ورقِ زر سے بھری ہوئی ہے، آلات تک سونے کے ہوگئے ہیں، آپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، دکان لٹادی، اور مولاناؒ کے ساتھ روانہ ہوگئے،

اس وقت سے مولاناؒ نے حضرت شمس الدینؒ کے بجائے شیخ صلاح الدینؒ کو اپنا خلیفہ خاص بنالیا، سلطان ولدؒ فرماتے ہیں کہ ؎

گفت آں شمسِ دیں کہ می گفتم
باز آمد بما چرا خفیتم

او بدل کرد جامۂ او آمد
تا نماید جمال و نجرامد

اب شیخ صلاح الدینؒ کی صحبت سے مولاناؒ کی طبیعت میں سکون پیدا ہوگیا، ؎

شورشِ شیخ گشت از و ساکن
واں ہمہ رنج و گفت گو ساکن

جو درجہ مولاناؒ کی نظر میں حضرت شمس الدینؒ کا تھا، وہی درجہ اب شیخ صلاح الدینؒ کا ہوگیا، سلطان ولدؒ پر مولاناؒ کی نظرِ عنایت سب سے زیادہ تھی، آپنے انھیں بلا کر فرمایا کہ بس اب شمس الدینؒ یہی ہیں، انہی کو سب کچھ سمجھو اور ان کی نظرِ کیمیا اثر سے فائدہ اٹھاؤ، سلطان ولدؒ نے صدقِ دل سے قبول کیا اور مدارجِ ترقی میں برابر بڑھتے گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲) ؎۵ یہ وقت شیخ صلاح الدین کے حال میں درج ہے، (نسخہ قلمی) خود مولینا کے مناقب میں ص ۲۵۸ پر مندرج ہے کہ یہ حالت صبح تک رہی، اس کے سوا دونوں روایتوں میں کچھ خفیف سا جزوی فرق اور بھی ہے، مگر وہ چنداں قابلِ اعتنا نہیں،

؎۵ مناقب ص ۲۵۸،

Marfat.com

جانِ من بود قطرہ دریا شد　　دلم از پست سوئے بالا شد
فکرہا در زماں مصور گشت　　روح صافی بہ شکل پیکر گشت[1]

مولانا نے اب پھر کسی قدر انقطاع اختیار کیا، شیخ صلاح الدین کے سوا اور کسی کی طرف آپ کو التفات نہیں تھا، اور ہمہ وقت ان ہی سے صحبت گرم رہتی تھی اس سے پھر لوگوں میں برہمی پیدا ہوئی، سلطان ولد نے اس تمام کیفیت کو نہایت تفصیل سے تحریر فرمایا ہے[2]، یہ تمام اشعار سپہ سالار نے نقل فرمائے ہیں، اور سپہ سالار ہی سے دوسری کتابوں میں بھی نقل ہوئے ہیں،

کل اشعار نہایت ہی دلچسپ ہیں، فصل ششم میں دیکھنا چاہئے، یہاں نفس مطلب درج کیا جاتا ہے:-

مریدوں نے یہ دیکھکر کہ مولانا شیخ صلاح الدین کے سوا اور کسی طرف التفات نہیں فرماتے اور ان کی عزت و وقعت حد سے زیادہ کرتے ہیں پھر شورش برپا کرنا چاہی، کہنے لگے کہ شمس کے

---

[1] ملخص رباب نامہ،

[2] باز منکران غریو افتاد　　باز در ہم شدند اہل فساد
باز آغاز کرد جوشِ حسد　　زانکہ بودند غرقِ نفس و جسد
.....　　.....
.....　　.....

(رباب نامہ)

Marfat.com

نکل جانے کے بعد ہم نے تو یہ سمجھا تھا کہ اب رہائی ملی مگر دیکھتے ہیں تو اسی بلا میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ اب جو صاحب آئے ہیں یہ تو پہلے سے بھی بدتر ہیں۔ ان میں تو علم و فضل بھی تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مولاناؒ علم و فضل میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، یہ صاحب تو یہیں کے رہنے والے ہیں، سب جانتے ہیں کہ ایک عامی آدمی ہیں، فاتحہ تک درست نہیں پڑھ سکتے ہیں، عمر بھر ورق کوٹتے رہے، اب مولاناؒ کے رفیق بنے ہیں، حیرت ہے کہ مولانا اس رتبہ و پایہ کے باوجود ایک ایسے شخص کی تعظیم و تکریم میں یہ مبالغہ کرتے ہیں، غرض آپ کی شان میں اسی طرح کے ہفوات بکا کرتے تھے، آخر سب نے مل کر یہ رائے قرار دی کہ ایک دن ان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے، ان میں سے ایک مرید نے آکر مولاناؒ سے کہہ دیا کہ یہ لوگ ایسا ارادہ فاسد رکھتے ہیں، شیخ صلاح الدین نے سنا تو بہت ہنسے اور فرمایا کہ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ بے حکم خدا ایک پتی بھی نہیں ہلتی، پہاڑ کیسے ہلے گا، یہ لوگ مجھے قتل کیسے کر سکتے ہیں، یہ میری رحمت ہے کہ میں خاموش ہوں ورنہ بامر خدا ایک سانس میں سب کو ہلاک کر دوں، ان لوگوں کو ملال اس کا ہے کہ مولانا نے مجھے سب میں مخصوص کیوں کر لیا ہے، مگر اصل بات کو نہیں سمجھتے کہ مولاناؒ خود اپنے پر عاشق ہیں، میں تو محض ایک حیلہ ہوں ؎

عاشق او بر جمال خوب خود است　　بر دگر کس گماں مبر کہ بداست

میں ہر طرح پر ان لوگوں کی خیر خواہی کرتا ہوں اور یہ لوگ اس کے عوض میں مجھے تکلیف دینا چاہتے ہیں۔

غرض مولاناؒ اس طرح کی گستاخیوں سے کشیدہ خاطر ہو گئے۔ اور شیخ کے سوا سب سے ملنا چھوڑ دیا، حکم خدا سے ان لوگوں کے باغ اور کھیت وغیرہ سب خشک ہو گئے، دل نور معرفت سے خالی ہو گئے، مولاناؒ کی زیارت سے بھی محروم ہو گئے، پھر تو گھبرائے کہ اگر یہی

Marfat.com

حال رہا تو انجام کیا ہوگا، آخر مولانا کی خدمت میں آکر توبہ کی، مولاناؒ نے معاف کر دیا اور سب نے شیخ صلاح الدین کے سامنے سر جھکا دیئے، شیخ نے ہر طرح کی عطا و بخشش سے انھیں سرفراز کیا[1]

اس خلش کے رفع ہو جانے کے بعد پھر کوئی نئی شورش نہیں پیش آئی اور دس برس تک شیخ صلاح الدینؒ مولاناؒ کی خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

"سلطان ولدؒ جب حد بلوغ کو پہونچے[2]" تو مولاناؒ نے یہ چاہا کہ شیخ صلاح الدینؒ کی دختر فاطمہ خاتون سے سلطان ولدؒ کا عقد کر دیں تاکہ "اختصاص باطنی کے ساتھ ظاہری تعلقات بھی مستحکم ہو جائیں[3]"

شیخ صلاح الدینؒ کی دو لڑکیاں تھیں، فاطمہ خاتونؒ اور ہدیہ خاتونؒ، یہ دونوں شیخ کی زوجہ لطیفہ خاتون کے بطن سے تھیں جنکی نسبت مولانا کا یہ قول تھا کہ ان کی ذات آئینہ خدا ہے، فاطمہ خاتون کو خود مولاناؒ نے کتابت اور قرآن شریف کی تعلیم دی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ "فاطمہ خاتون میری داہنی آنکھ ہے اور ہدیہ خاتون بائیں آنکھ"

غرض مولاناؒ کی تجویز کے بموجب یہ عقد ہو گیا اور اس عقد سے مولاناؒ کو جیسی مسرت اور شادمانی ہوئی، اس کا اظہار کچھ آپ کی ان غزلوں سے ہوتا ہے جو اس موقع پر کہی ہیں، عقد کے دن یہ غزل ارشاد فرمائی۔

---

[1] ملخص رباب نامہ [2] یہ بیان افلاکیؒ کا ہے، صفحہ آئندہ پر اس کے متعلق دیکھنا چاہیے۔

[3] سوانح مولاناؒ روم ص۲۲ [چوں از روے باطن خداوندگار را با شیخؒ تعلق و مواصلتے تمام بود در ظاہر بہ نسبت خواست کہ مواصلت متصل گردد ..... سپہ سالار ص۶۲]

Marfat.com

باد امبارک در جہاں سور و عروسیہائے ما
سور و عروسی را خدا ببریدہ بر بالائے ما

زہرہ مقارن با قمر طوطی قریں شد با شکر
ہر شب عروسی دگر از شاہ خوش سیمائے ما

بسم اللہ امشب بر تو اے سوئے عروسی میروی
وا مادخوباں میشوی اے خوب شہر آرائے ما

رقصے کنید اے عارفاں پر خے زنید اے صوفیاں
در دولت شاہِ جہاں آں شاہ جاں افزائے ما

(۱۵۔ صـ۴۰)

اس کے بعد دوسرے روز یہ غزل کہی

مبارکی کہ بود در ہمہ عروسیہا
دریں عروسی ما باد اے خدا تنہا

مبارکے شب قدر و ماہ روزہ و عید
مبارکے ملاقات آدمؑ و حواؑ

مبارکے ملاقات یوسفؑ و یعقوبؑ
مبارکے ملاقات وامق و عذرا

مبارکے دگر کاں بگفت و ناید
نثار شادیٔ اولاد شیخ و مہتر ما

ندیدہ چشم عروسی چنیں عروس لطیف
جہاں شگفتہ شدہ است و جہانیاں شاد

(۱۲۔ صـ۹۴)

کسی بیان سے یہ صاف معلوم نہیں ہوتا کہ یہ عقد کس سنہ میں ہوا۔ خواے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت شمسؒ کے بعد شیخ صلاح الدینؓ کو مولاناؒ نے اپنا مخصوص ہمراز و دمساز بنالیا تھا اس کے بعد یہ عقد ہوا ہو مگر دو امور کسی قدر اس قیاس کے خلاف واقع ہوتے ہیں، اول تو ۶۴۲ھ تک سلطان ولدؒ کی عمر پچیس برس سے متجاوز ہو چکی تھی اور اس زمانہ کے عام تمدن کے اعتبار سے عقد میں اس قدر تاخیر زیادہ معلوم ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ ان دونوں غزلوں کے مقطع میں مولانا نے شمسؒ کا ذکر اس طرح سے کیا ہے گویا وہ موجود تھے۔ غزل اول کا مقطع ہے۔

Marfat.com

شمس الحق تبریز من، ایں شہد شکر ریز من　　صد شور و شر انگندۂ اندر دلِ شیدائے ما

دوسری غزل میں اس سے بھی زیادہ صاف فرماتے اور خود شمسؒ کو مبارک باد دیتے ہیں ؎

عزیز مفخر آفاق شمس تبریزی　　ترا رسد عشرت از دم گیرا

پس اگر شمسؒ کی موجودگی میں یہ عقد ہوا ہے تو لامحالہ ۶۴۵ھ قبل ہونا چاہیے لیکن اگر ایک دوسری روایت سے قیاس قائم کیا جائے تو تاریخ عقد کو ۶۴۸ھ سے بھی آگے بڑھانا پڑے گا، شیخ کے حالات میں ابھی یہ مذکور آچکا ہے کہ خود شیخ صلاح الدینؒ نے سید برہان الدینؒ ترمذی کے انتقال کے بعد عقد کیا تھا اور سیدؒ کا انتقال ۶۳۷ھ میں ہوا ہے، پس شیخ کی دختر فاطمہ خاتون کی عمر ۶۴۸ھ تک نو دس برس سے زیادہ نہ رہی ہوگی، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ مناقب العارفین کے یہ الفاظ کہ "چوں حضرت سلطان ولدؒ مراہق شد و بدرجہ بلوغ رسید[1] " رسماً لکھ گئے ہیں یا یہ کہ فاطمہ خاتونؒ کا عقد زیادہ کم عمری میں ہو گیا تھا۔

[سلطان ولدؒ کے عقد کے نسبت کوئی خفیف سا اشارہ بھی اس امر کا نہیں ملتا کہ مولاناؒ نے اس موقع پر کسی قسم کی شان ظاہری کا بھی اظہار فرمایا ہو، مگر جب ہدیہ خاتون کے نکاح کا وقت آیا تو مولاناؒ نے ظاہری شان و تجمل کو بھی روا رکھا، ہدیہ خاتون مولانا ہی کے مکان میں رہتی تھیں، سلطان ولدؒ اور حسام الدین چلپی یہ چاہتے تھے کہ ان کا عقد سلطان الکتاب مولانا نظام الدین خطاط سے ہو جائے مگر شیخ صلاح الدینؒ کے پاس جہیز کا سامان کم یا زیادہ کچھ بھی نہ تھا، آخر حضرات مذکور نے یہ معاملہ مولانا کے گوش گزار کیا، آپ نے اسی وقت کرجی خاتون (ملکۂ سلطان وقت) کے وہاں سے استاد خاتون کو بلوایا جو ایک ولیہ و عالمہ اور شہر کی دیوں کی معلمہ تھیں اور فرمایا کہ جاکر کرجی خاتون سے صورت حال بیان کرو اور کہو کہ شیخ

---

[1] مناقب (نسخہ قلمی)

Marfat.com

صلاح الدینؒ کی عنایت سے مستفید ہونے کا موقع یہی ہے، استاد خاتون نے محل شاہی میں جاکر کیفیت عرض کی، سب نے مولانا کے اس اشارۂ امداد کو ایک احسان عظیم سمجھا اور بلا توقف اتنا سامان جمع ہو گیا کہ صرف چاندی کے سامان کی قیمت ستر ہزار درم سے زیادہ تھی، مولاناؒ بغایت خوش ہوئے اور شیخ بھی مسرور ہوئے اور ان لوگوں کے حق میں دعائیں کیں، مولاناؒ نے فرمایا کہ کل سامان کا دو حصہ کر کے نصف فاطمہ خاتون کو دیدو اور نصف ہدیہ خاتونؒ کو۔

غرض ہدیہ خاتونؒ کا عقد مولانا نظام الدینؒ کے ساتھ پورے ساز و سامان کے ساتھ ہو گیا.

مولاناؒ نے اس موقع پر جو غزل مبارک باد ارشاد فرمائی اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

مبارکباد مارا این عروسی — نجستہ باد مارا ایں عروسی

چو حوران بہشتی باد خنداں — ابد امروز فردا ایں عروسی

نشان رحمت و توقیع دولت — ہم آنجا دہم ایں جا عروسی

نکو نام و نکو روئے و نکو فال — چو ماہِ چرخ خضرا ایں عروسی

(۷۔ ص ۸۴۷-۸۴۸)

شیخ صلاح الدین کو مولاناؒ کی صحبت و خدمت میں جب اس طرح دس برس گزر گئے۔ تو آپ ناگہاں بیمار ہو گئے، سپہ سالارؒ نے اس بیماری کی وجہ یہ لکھی ہے کہ کوئی واردات قلبی آپ کو پیش آئی تھی اور اس سے آپ کی حالت میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا کہ برابر بڑھتا گیا، اسی میں بیمار ہو گئے، بیماری نے طول پکڑا، مولاناؒ برابر عیادت فرماتے رہتے تھے، آپ کی صحت کے لئے ایک غزل دعائیہ بھی لکھی تھی ؎

رنج تن دور از تو باد، ای راحت جانہائے ما — چشم بد دور از تو باد، اے دیدہ بینائے ما

صحتِ تو صحتِ جان و جہان است ای قمر — صحت جسم تو بادا، اے قمر سیمائے ما

Marfat.com

عافیت یارا دا تنت را اے تنِ تو جاں صفت — کم مبادا سایۂ لطفِ تو از بالائے ما
گلشن رخسارِ تو سرسبز یارا تا ابد — کاں چراگاہ دل است و سبزہ و صحرائے ما
رنج تو بر جان ما بادا، مبادا بر تنت — نابود آں رنجِ تو چوں عقل جان آرائے ما

(۵۔ ص ۶۱)

شیخ کی تکلیف جب زیادہ بڑھی تو آپ نے مولاناؒ سے یہ استدعا کی کہ اب دنیا سے نقل کرنے کی اجازت ہو، مولاناؒ نے اسے قبول کیا اور اب کے جو آپ کے پاس سے اٹھ کر گئے تو دو تین روز تک عیادت کو نہیں آئے، شیخ نے سمجھ لیا کہ اب دارِ فنا سے نقل کرنے کا وقت آگیا ہے ؎

اینکہ نامد اشارتست کہ رو — اہل دل را بشارتست کہ رو

مولاناؒ اس اثنا میں شیخؒ کے لئے دعا میں مشغول رہے[1]۔

آخر یکم محرم ۶۵۵ھ[2] کو آپ نے نہایت طمانیت قلب کے ساتھ اس "دارِ غرور سے دارِ سرور" کی طرف سفر کیا، انتقال سے قبل یہ وصیت کر گئے تھے کہ میرے جنازے کو باجا بجاتے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے قبرستان کو لے جانا تاکہ معلوم ہو کہ اولیا اللہ شاداں و خنداں دنیا سے جاتے ہیں۔

شیخ فرمود در جنازۂ من — دہل آرید و کوس با دف زنن
سوئے گورم برید رقص کناں — خوش و شاداں و مست دست افشاں

---

[1] پرسالار ص ۷۲

[2] سوانح مولانا رومؒ ۱۲۲

تا بدانند کاولیائے خدا　　شاد و خنداں روند سوئے بقا[1]

آپ کی وصیت کے بموجب عمل کیا گیا، اور اسی شان سے آپ کا جنازہ تربت سلطان العلماء کی جانب روانہ ہوا اور آپ حضرت بہاء الدینؒ کے جوار میں دفن ہوئے۔

حضرت شمسؒ کے بعد مولاناؒ نے شیخ صلاح الدینؒ کی زندگی میں اپنے غزلیات میں زیادہ تر آپ ہی کو مخاطب کیا ہے اور مقطعوں میں پہلے جس طرح حضرت شمسؒ کی مدح کیا کرتے تھے اسی طرح اس زمانہ میں شیخؒ کی مدح کرتے رہے۔ چند مقطعے اس قسم کے حصۂ دوم میں نقل کئے گئے ہیں، یہاں مولاناؒ کے اس مرثیہ کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جو آپ نے شیخؒ کے انتقال کے بعد لکھا تھا، یہ مرثیہ بھی دلگیری میں فرد ہے ؎

اے زہجرانت زمین و آسماں بگریستہ　　دل میان خوں نشستہ جان و دل بگریستہ

چوں بعالم نیست یک کس مر مکانت را عوض　　در عزائے تو مکان و لامکاں بگریستہ

---

[1] رباب نامہ۔

شیخ صلاح الدینؒ کے اس مقصود کو مولاناؒ نے ایک غزل میں اسطرح بیان فرمایا ہے۔

زخاک من اگر گندم برآید　　ازاں گرماں پزی مستی برآید

خمیر و نانوا دیوانہ گردد　　تنورش بیتِ مستانہ سرآید

اگر بر گور من آئی بہ زیارت　　ترا خرپشتہ ام رقصاں نماید

میا بے دف بگورم اے برادر　　کہ در بزم خدا غمگیں نشاید

. . . . . .

(۱۱ ۔ صـ۲۲۵)

Marfat.com

جبرئیل وقدسیاں را بال و پر ارزق شدہ　　انبیاؑ و اولیا را دیدگاں بگریستہ

.....

شہ صلاح الدینؒ اے ہمائے گرم رد　　ہم کسے باید کہ داند بر کساں بگریستہ

بر صلاح الدینؒ چہ داند ہر کسے بگریستن　　از کمان جستی چو تیر و داں کماں بگریستہ

(۱۴۔ص ۵۶۷)

مولاناؒ کی نظر میں شیخؒ کی جو وقعت تھی اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی غلط لفظ بھی شیخؒ کی زبان سے نکل جاتا تو خود مولانا بھی اتباعاً وہی غلط لفظ استعمال کرتے، شیخ قونیہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے عربی یا فارسی آپ کی مادری زبان نہیں تھی، ایک مرتبہ آپ نے "قفل" کو "قلف" کہدیا، مولانا نے بھی یہی لفظ استعمال کیا، کسی نے کہا کہ "قفل" کہنا چاہیے مولانا نے فرمایا کہ بیشک موضوع یوں ہی ہے مگر ایک عزیز کی رعایت خاطر سے میں نے ایسا کہا، اسی طرح شیخ نے ایک روز "مبتلا" کے بجائے "مقتلا" فرمایا، ایک دن خم کو خنب کہدیا مولاناؒ نے بھی ایسا کہا، کسی نے کہا کہ خم صحیح ہے، آپ نے گو ناگواری کے ساتھ جواب دیا کہ میں بھی اتنا جانتا ہوں مگر جب شیخ صلاح الدینؒ نے یوں کہا تو ادلی یہی ہے[1]، دیوان و مثنوی تک میں خم کے بجائے خنب نظم کر دیا ہے۔

تو آں خنبے کہ من دیدم ندیدی　　مرا خنبک مزن اے یار میرو

ایں چنیں مے را بخورزیں خنبہا　　مستیش نبود ز کوتہ دنبہا

---

[1] سپہ سالار ص ۱۷، مناقب نسخہ قلمی حالات شیخ صلاح الدینؒ

Marfat.com

زانکہ ہر معشوق چوں خنب است پرُ　　آں یکے درد و دگر صافی چو دُر

مولانا کو شیخ کا پاس خاطر اس درجہ تھا کہ آپ کی دختر فاطمہ خاتون کے لئے خاص ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ سلطان ولد اور فاطمہ خاتون میں کسی قدر شکر رنجی سی ہو گئی تھی، مولانا نے ایک طولانی خط فاطمہ خاتون کو لکھا، اس میں ارقام فرماتے ہیں کہ

"خدائے را جل جلالہ، بگواہی می آرم وسوگندی خورم بذات پاک قدیم حق تعالیٰ کہ ہرچہ خاطر آں فرزند مخلص ازاں خستہ شود دہ چنداں غم شما غم ماست و اندیشۂ شما اندیشۂ ماست وحقوق واحسان وخداوندیہا سلطان المشائخ مشرف انوار حقائق صلاح الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز بگردن اس دعی ذمم است کہ ہیچ شکر ہیچ خدمتے نتواند گزاردن، شکر اینہا ہم خزینہ حق تعالیٰ تواند ساخت، توقع من ازاں فرزند آنست کہ ازیں پدر ہیچ پوشیدہ ندارد از ہر کہ رنجد تا منت دارم و در یاری بقدر امکان انشاء اللہ تقصیر نکنم، اگر فرزند عزیز بہاء الدین در آزار شما کوشد، حقا ثم حقا دل ازو برکنم و سلام او را جواب نگویم و بجنازہ نخواہم دہیمیں غیر او ہر کہ باشد .....

اس سلسلہ میں اگر شیخ صلاح الدین کے چند اقوال نقل کر دیئے جائیں تو بے محل نہ ہوگا، آپ کے اقوال سراسر حال ہوتے تھے، اہل قال کو ان میں قیل و قال کی گنجائش نہیں تھی، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "اس ولایت میں کوئی ہے جو میری باتوں کو سمجھے" مولانا نے فرمایا کہ ہیں اور "شکستگان و درویشاں" ہیں (مراد اس سے اپنی ذات سے رہی ہوگی)

ایک روز حضرت سلطان ولد سے فرمایا کہ "میرے سوا اور کسی شخص پر نظر نہ کرد، شیخ زاہدیں میں ہوں، دوسروں سے نقصان پہونچے گا۔ تمہارے لئے میری نظر مثل آفتاب کے ہے، دوسروں کی نظر مثل سایہ کے ہے، پتھر آفتاب سے لعل بنتا ہے، سایہ سے لعل نہیں بنتا" (رباب نامہ ۳۷ ب)

ایک روز فرمایا کہ "اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ ولی خدا کا ان رحمت ہوتا ہے، تمام لوگ ذوق،

Marfat.com

رحمت وراحت اسی کے وجود شریف سے حاصل کرتے ہیں اور اسی کے نور سے زندہ رہتے ہیں اور اس کا نور کم نہیں ہوتا" جس میں یہ صفت نہ ہو وہ ولی خدا نہیں ہے"۔

شیخ صلاح الدین کے انتقال کے بعد مولانا نے چلپی[1] حسام الدین ابن اخی ترک کو اپنا نائب وخلیفہ

---

[1] "چلپی" ایک ترکی لفظ ہے مگر اسکا اشتقاق نہایت ہی مختلف فیہ ہے، علمائے مشرق نے تو بہت کم لکھا ہے مگر علمائے مغرب نے بہت موشگافیاں کی ہیں، تاہم متفق اللفظ ہوکر کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکے ہیں، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد اول صفحہ ۸۳۱-۸۳۲) میں اس لفظ کے متعلق ایک طولانی مضمون موجود ہے۔ اس میں احمد واقف پاشا کی رائے بھی درج ہے، میں نے اس کل مضمون کی نسبت ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی سے دریافت کیا تو موصوف نے فرمایا کہ "احمد واقف پاشا نے جو کچھ لکھا ہے وہ درست معلوم ہوتا ہے" مضمون مذکور کا ملخص ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس میں احمد واقف پاشا کی رائے بھی شامل ہے، لیکن لفظ کا اشتقاق اور اس کے معنی لغوی جو کچھ بھی قرار پائیں، اس قدر مسلم ومتفق علیہ ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال حضرت حسام الدینؒ ہی کے نام کے ساتھ ہوا اور اس کے بعد تمام سجادہ نشینانِ سلسلہ مولویہ اس لفظ سے ملقب ہوتے آئے۔ خلاصۂ مضمون ملاحظہ ہو:۔

"مولانا قاسم انوار (م ۸۳۵ھ/۱۴۳۲ء) کے تصانیف میں لفظ "چلپی" معشوق کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، جس سے مراد معشوق حقیقی ہے "خلاصہ عباسی" میں "صاحب قلم" کے معنی میں آیا ہے۔ احمد واقف پاشا نے "لہجہ عثمانیہ" میں اس کی تائید کی ہے اور اس کے ماخذ کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چنگیز خاں کے زمانہ میں تاتاریوں اور مشرقی ترکوں نے عیسائی مسیحیوں سے تعلیم حاصل کی تھی، انھیں

Marfat.com

بنایا، چلبی حسام الدین مولاناؒ کے ممتاز مریدوں میں سے تھے، اور مولاناؒ کے انتقال کے بعد گیارہ برس مولاناؒ کی خلافت کے فرائض انجام دیئے۔

آپ اصلاً ترک اور وطناً ارموی تھے اور روم کے مشہور و ذی اثر خاندان اخی[1] سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے، تمام اکابر و اعیان آپ کی دلداری کرتے تھے، کیونکہ روم کے تمام معزز

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴

سے لفظ "چلیپا" "صلیب" لیا اور اسے خدا کا اسم قرار دیا اور اس معنی میں ان قسیسوں کو "چلپی" یعنی خدا پرست کہنے لگے۔ دوسری صاف و صریح توجیہ یہ ہے کہ کردی زبان میں "جلب" (جس کا تلفظ ایشائے کوچک میں "چلپ" ہوتا ہے) خدا کے معنی میں ہے۔ پس "چلپی" کے معنی اہل اللہ کے ہوے۔ یہی توجیہ سب سے زیادہ صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی) تک شہزادوں، اعلیٰ مذہبی عہدہ داروں (خاصکر درویشوں کے شیوخ) اور مصنفوں کے ناموں کے ساتھ تعظیمی لفظ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مگر اب اس کے بجائے آفندی مستعمل ہو گیا ہے اور چلپی کا لفظ غیر مسلموں سے مخصوص ہو گیا ہے۔ مگر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ مولویہ کے شیوخ بدستور "چلپی" کہلاتے ہیں۔"

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں "ذکر سلطان قل حصار" کے تحت میں اس لفظ کی مختلف تشریح اور بقدر حاجت نہایت جامع تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

سلطان محمد چلپی و چلپی (بجیم معقودہ لام مفتوحین و باء موحدہ و یاء تفسیر بلسان الروم "سیدی"

رحلۃ ابن بطوطہ جزو اول ص ۲۱۷

(المطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۲۲ھ)

[1] "اخی" ایک خاندان کا لقب ہو گیا تھا، خود مناقب العارفین میں متعدد ناموں کے ساتھ یہ اضافت آئی

Marfat.com

اشخاص آپ کے آباد اجداد کے تربیت یافتہ تھے، حضرت حسام الدینؒ سب کی صحبتوں کا اندازہ کر کے مولاناؒ کی خد آئے، آپنے تمام ملازموں اور غلاموں کو حکم دیدیا کہ اپنے طور پر کام کریں. آہستہ آہستہ اپنا کل مملوکہ مولاناؒ کی خدمت میں صرف کر دیا۔ آخر میں غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ مولاناؒ کا پاس ادب اس قدر ملحوظ رکھتے کہ مولاناؒ کے وضو خانہ میں کبھی وضو نہ کرتے، سخت سے سخت سردی ہوتی، برف پڑتی ہوتی مگر گھر جا کر وضو کر کے آتے تھے، دوسری طرف مولاناؒ بھی آپ سے اس طرح پیش آتے تھے کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا تھا کہ مرید ہیں[۱]۔ آخر مولاناؒ کی خدمت میں آپ کو یہ قرب حاصل ہوا کہ جو کچھ فتوح مولاناؒ کو حاصل ہوتی سب آپ کے پاس بھیجدیتے مگر آپ کا بھی یہ حال تھا کہ اس میں سے ایک گھونٹ پانی نہ پیتے، سب کچھ مریدوں کے مصارف میں خرچ کر دیتے، اتفاقاً یہ حال تھا کہ جب زیارت تربت شیخ کے لئے آتے تو پانی ساتھ لاتے تھے اور اسی سے وضو کرتے اور اسی میں سے پیتے تھے، اس پانی کو کام میں نہ لاتے تھے جو وقف مزار سے خریدا جاتا تھا.

حضرت شمس الدین تبریزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی آپ کو ارادت تھی، اور ان بزرگوں کے فیض سے بھی آپ بیش از بیش متمتع ہوئے تھے۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۳۵

ہے اور رڈہاؤس نے لکھا ہے کہ "یہ ایک بہت ہی بااثر خاندان تھا جو قونیہ اور ایشیائے کوچک کے دوسرے شہروں میں بھی سکونت پذیر تھا" اس لفظ کی ترکیب میں قدرے امکان اختلاف ہے "اخ" تو مسلم طور پر عربی لفظ ہے اور بھائی کے معنی میں ہے، غور طلب ہے "ی" رڈہاؤس نے اسے فارسی کی یائے نسبت قرار دی ہے اور اس کے معنی "بھائی سے قرابت رکھنے والا" بتایا ہے مگر خود ترکی میں "ی" غائب کا فائدہ بھی دیتی ہے، اگر اس "ی" کو ترکی فرض کیا جائے تو اس کے معنی ہوئے "آپ کا بھائی" لیکن صاف یہ ہے کہ اس "ی" کو عربی کی "ی" قرار دینا چاہیے اور لفظ کے معنی "میرے بھائی" کے سمجھنا چاہیے۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کے لاحقے غیر زبان والوں کے نزدیک اپنے اصلی معنی پر قائم نہیں رہتے، چنانچہ

Marfat.com

حضرت چلپی حسام الدینؒ مذہبًا شافعیؒ تھے۔ ایک روز مولاناؒ سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی اقتدا کروں کیونکہ خداوندگارؒ کا مذہب یہی ہے، فرمایا کہ نہیں بدستور شافعی مذہب پر رہو، لیکن میرے طریقہ پر چلو اور لوگوں کو میرے جادۂ عشق پر چلاؤ۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چلپی حسام الدینؒ حضرت مولاناؒ کی زندگی ہی میں ایک خانقاہ کے شیخ بھی ہوگئے تھے، وہ روایت سب ذیل ہے۔

خواجہ نفیس الدین سیواسی کی روایت ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے جو دو خانقاہوں کے شیخ تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو امیر تاج الدین نے یہ چاہا کہ وزیر ضیاء الدین کی خانقاہ کا شیخ حضرت حسام الدینؒ کو بنادیں، سلطان سے اس مقصد کا فرمان بھی حاصل کر لیا، ایک اجلاس عظیم منعقد کیا اور مولاناؒ کو اطلاع دی کہ خانقاہ ضیاء الدین کا تعلق چلپی حسام الدینؒ سے ہوگا۔ مولانا اپنے تمام اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے، نفیس الدین حضرت چلپی کا سجادہ اپنے کندھے پر لئے ہوئے تھے، مولاناؒ نے ان سے لے کر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ جب خانقاہ میں پہنچے اور چاہا کہ سجادہ صدر میں بچھادیں تو اخی احمد نے (جو ان حساد کا سرگروہ تھا جو چاہتے تھے کہ چلپیؒ اس خانقاہ کے شیخ نہوں) کہا کہ ہم ایک ایسے نوجوان شخص کو شیخ نہیں بناتے اور سجادے کو لپیٹ کر ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا، سخت فتنہ برپا ہوگیا اور اخی ترک اور اخی شارو کے خاندان کے لوگوں نے تلواریں کھینچ لیں، مولاناؒ خاموش رہے کچھ نہ بولے، آخر میں یہ فرمایا کہ "یہ لوگ کفران نعمت کرتے ہیں اور اس نعمتِ بے نقمت کی قدر نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶،

(جیسا کہ شروع کتاب میں ذکر ہوچکا ہے) ہماری زبان میں مولانا کا لفظ موجود ہے کہ "نا" کے ہوتے ہوئے لوگ "ہمارے مولانا" کہتے ہیں، پس اسی طرح "اخی" بھی ایک لفظ بن گیا اور ایک خاندان کا لقب ہوگیا تھا، علہ سپہ سالار صفحہ ۷۴

Marfat.com

جانتے، اس تعصب کا کچھ نتیجہ نہ ہوگا سب پائمال ہونگے، اور میرا سلسلہ سب پر غالب رہے گا۔ یہ کہہ کر وہاں سے پا برہنہ روانہ ہوگئے، لوگوں نے ہرچند روکا نہ رکے، سلطان کو جب اس واقعہ کی خبر پہونچی تو اس نے اخی احمد کو قتل کی سزا دینا چاہی مگر مولاناؒ نے اسے روا نہ رکھا، مولاناؒ سے لوگوں نے اس کی سفارش کی مولاناؒ نے فرمایا کہ وہ ہماری جنس سے نہیں ہے، لوگوں نے اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور آخر میں دیوانہ وار حالت میں وہ انتقال کر گیا، (اس کا بیٹا اخی علی باخلاص تمام سلطان ولدؒ کا مرید ہوگیا) انجام کار میں چلپی حسام الدین ہی اس خانقاہ کے مستقل شیخ مقرر ہوئے۔

ترتیب حالات کو سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شیخ صلاح الدینؒ کے انتقال کے بعد ہی مولانا نے حضرت حسام الدین کو اپنا خلیفہ بنا لیا تھا[1] مگر اس کے قبول کرنے میں ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ سلطان ولدؒ نے نظم و نثر دونوں میں صاف طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسام الدینؒ نے مولانا کی زندگی دس برس کار خلافت انجام دیا۔

در بیان مصاحبت کردن چلپی حسام الدین قدس اللہ سرہ مدت دہ سال تنگا تنگ با حضرت مولاناؒ قدس اللہ سرہٗ بروجہ و یاران و اصحاب از حضرت ہر دو بے حد مستفید شدن و بعد ازاں نقل فرمودن مولاناؒ قدس اللہ سرہ العزیز۔

.....

حوس ہمیں بود ہمچنیں دہ سال — پاک و صافی مثال آب زلال
بعد ازاں نقل کرد مولاناؒ — زیں جہانِ کثیف پُر ز عنا

---

[1] چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں یہی لکھا ہے کہ "حضرت حسام الدینؒ ۶۵۷ھ/۱۲۵۸ء میں مولانا کے مددگار خاص ہوگئے۔

Marfat.com

پہ سالار نے اس مدت کو ایک جگہ نو ہی برس قرار دیا[1] ہے مگر دوسرے موقع پر انھوں نے بھی دس لکھا ہے۔[2]

افلاکی نے بھی دس برس لکھا ہے۔

"دہ سال تمام بے انقطاع وانقضاع تنگا تنگ مصاحبت میکردند"

مولانا کا انتقال ۶۷۲ھ میں ہوا ہے، پس اس طرح چلپی حسام الدینؒ کی خلافت کا آغاز ۶۶۲ھ سے ہونا چاہیئے مگر شیخ صلاح الدینؒ کی وفات ۶۵۷ھ میں واقع ہوئی تھی، پس حل طلب یہ رہ جاتا ہے کہ اس پانچ برس کے درمیانی زمانہ میں حضرت حسام الدین کی حیثیت کیا تھی؟

یہ مسلّم ہے کہ مثنوی شریف کی تصنیف کی تحریک حضرت حسام الدین کی جانب سے ہوئی۔ اور اس کا آغاز باغلب وجوہ ۶۵۸ھ سے ہوا ہے، اس سے یہ ثابت ہے کہ اس زمانہ میں حضرت حسام الدینؒ کو اختصاص خاص حاصل تھا۔

پس تمام روایات کی تطبیق کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ شیخ صلاح الدینؒ کے انتقال کے بعد مولاناؒ نے اپنی صحبت و ہمنشینی کے لئے حضرت حسام الدینؒ کو مخصوص کر لیا تھا مگر آپ کو اپنا مستقل خلیفہ ۶۶۲ھ میں بنایا[3]

---

[1] سپہ سالار ص ۳۰۳

[2] " " ص ۳۰۵

[3] غالباً اسی سے بعض اشخاص کو مغالطہ ہو گیا ہے چنانچہ مولوی عبد الماجد حنفی ثم الصوفی نے "فیہ مافیہ" کے دیباچہ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ شیخ صلاح الدینؒ کا انتقال ۶۶۲ھ میں ہوا (الناظر لکھنو)

Marfat.com

مولاناؒ نے جب حضرت حسام الدینؒ کو اپنا خلیفہ بنایا تو جملہ مریدوں کو یہ نصیحت کی کہ تمام وکمال ان کی اطاعت کریں، مریدوں کو سرکشی کا تجربہ پہلے متعدد بار ہو چکا تھا، اس لئے اس مرتبہ کسی نے چوں چرا نہ کی اور سب نے سر جھکا دیئے۔

خوردہ بودند زخمہا ز انکار — ہمہ کردند ازاں خطر احراز
زاولیں ضربت قوی خوردند — درد وم فتنہ کمتر کردند
درسوم نرم وبا ادب گشتند — بے حسد رام مرد رب گشتند
کس ازاں قوم سرکشی نہ نمود — ہر یکے امر را ز جاں بشنود
سالہا شادماں بہم بودند — کامراں جملہ بے ستم بودند

سلطان ولدؒ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے کہ مولاناؒ کے کسی مرید نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے تینوں نائبوں میں سے اعلیٰ کون تھا، مولاناؒ نے جواب دیا شمسؒ بمنزلہ آفتاب کے تھے، صلاح الدینؒ بمنزلہ ماہتاب کے اور حسام الدینؒ بمنزلہ ستارہ کے ہیں لیکن حقیقت میں تینوں صاحبوں کو یکساں سمجھنا چاہیئے ؎

ہمہ را یک شناس چونکہ ترا — می رسانند ہر یکے بخدا
دامن ہر یکے کہ گیری تو — زندہ گردی، دگر نمیری تو

لیکن حق یہ ہے کہ مثنوی شریف میں مولاناؒ نے حضرت حسام الدینؒ کی مدح جس شان سے کی ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے، اگر حالات واقعیہ سے واقفیت نہ ہو تو ان مدائح کو پڑھ کر

بقیہ حاشیہ صـ ۲۳۹

اور ان کا ماخذ بظاہر "سوانح مولانا روم" ہے کیونکہ اس میں بھی ۶۶۲ھ کو شیخ صلاح الدینؒ کے انتقال کا سنہ قرار دیا گیا ہے (صـ ۲۲-۲۳)، مگر یہ قطعاً غلط ہے۔

Marfat.com

کوئی شخص یہ گمان بھی نہ کرے گا کہ مولاناؒ پیر اور حسام الدینؒ مرید تھے بلکہ اس کے برعکس کا یقین اور یقین قطعی دل میں پیدا ہو جائے گا، چنانچہ بعض تذکرہ نویسوں تک نے مغالطہ کھایا ہے (جیسا کہ شیخ صلاح الدینؒ کے حال میں اوپر مذکور ہو چکا ہے)

چلپی حسام الدینؒ کی اصابت رائے اور حقیقت شناسی کی نسبت مولاناؒ کا جو کچھ خیال تھا اس کا اندازہ روایت ذیل سے ہو سکتا ہے۔

چلپی حسام الدین کی ایک عجیب عادت یہ تھی کہ غیروں کے سامنے ایسے لوگوں کی تعریف کرتے جو فسق و فجور میں مشہور ہوتے اور کہتے کہ یہ لوگ بڑے زاہد و متقی ہیں اور جو لوگ زہد و تقویٰ میں مشہور ہوتے ان کی نسبت کہتے کہ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں، اس سے لوگوں کو سخت حیرت ہوتی، ایک دفعہ لوگوں نے مولاناؒ کے سامنے یہ ذکر کیا کہ چلپی حسام الدینؒ ایسا کہتے ہیں، فرمایا کہ حق ہے، وہ جن فاسقوں کی مدح کرتے ہیں وہ ظاہر میں فاسق و بے ادب ہیں مگر باطن میں طاہر و مؤدب ہیں اور زاہدوں کی جس جماعت کی قدح کرتے ہیں وہ باطن میں منافق و فاسق ہیں۔

یہ اسی قسم کے خیالات کا اثر تھا کہ مولاناؒ نے یہ معمول کر لیا تھا کہ امرا و ملوک اور اکابر و مریدان متمول جو کچھ اسباب و اموال دنیاوی بھیجتے تھے، آپ سب کا سب فی الفور چلپی حسام الدینؒ کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک روز امیر تاج الدین نے آقسرا سے سات ہزار دینار بھیجے اور لکھا کہ یہ وجہ حلال سے ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ لے لو اور چلپی حسام الدینؒ کے پاس لے جاؤ، حضرت سلطان ولدؒ نے عرض کیا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور جو کچھ آتا ہے سب حسام الدینؒ کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، ہم لوگوں کا کام کیسے چلے، مولاناؒ نے فرمایا کہ "بہاء الدین واللہ باللہ اگر لاکھ زاہد کامل متقی حالت مخمصہ میں پڑے ہوں اور میرے پاس

Marfat.com

ایک روٹی ہو تو بھی کسی کا خیال نہ کروں گا اور اسے بھی حسام الدین ہی کے پاس بھیجدوں گا۔ خواہ ان کے پاس دنیا بھر کا مال جمع ہو کیونکہ وہ مرد خدا ہیں اور ان کا سارا کام خدا کے لئے ہے، ان کو مال دنیا سے نقصان نہیں ہوتا، ان کو مال دنیا میں تصرف حلال ہے، اور دوسروں کو حرام کیونکہ دوسروں میں یہ بات نہیں ہے[1]۔"

(یہ رقم حضرت حسام الدینؒ کے پاس پہونچی تو اس میں سے ہزار درم سلطان ولدؒ کے پاس ہزار درم کرا خاتون کے پاس، اور پانچ سو درم چلپی امیر عالمؒ کے پاس بھیجے اور خود کچھ نہ لیا)

مولاناؒ کے اس زمانہ کا سب سے بڑا کارنامہ مثنوی شریف کی تصنیف ہے۔ اور اس میں حضرت حسام الدینؒ کی تحریک کو بہت بڑا دخل ہے بلکہ یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ مثنوی شریف کا وجود میں آنا آپ ہی کی وجہ سے ہوا[2]۔ اسکی مفصل بحث مثنوی شریف کے تبصرے کے تحت میں آئے گی، یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ مولاناؒ کی زندگی کے آخری چودہ برس (ایک مختصر وقفہ کے علاوہ) تصنیف مثنوی شریف میں صرف ہوے، اس زمانہ میں غزل کی طرف التفات کم رہا، اور یہی وجہ ہے کہ دیوان میں حضرت حسام الدین کا نام بہت کم آیا ہے مگر مثنوی شریف میں مولاناؒ نے جس زور و شور سے حضرت حسام الدین کی مدح کی ہے، اس نے اس کمی کی تلافی ضرورت سے زائد کر دی ہے۔

اس فصل کے تمام کوائف کو اول سے آخر مطالعہ کرنے کے بعد ایک خاص اثر دل پر یہ پڑتا ہے کہ مولاناؒ کو کسی نہ کسی رفیق کے بغیر راحت نہیں ملتی تھی شمس الدینؒ کے بعد صلاح الدین اور صلاح الدین کے

---

[1] مناقب ذکر چلپی حسام الدینؒ

[2] تمامت مثنویات بالتماس ایشاں مؤلف گشتہ است، سپہ سالار ص۷۳

Marfat.com

بعد حسام الدینؒ آپ کے ہمراز و دمساز رہے بلکہ سلسلۂ خیال کو اگر اور آگے بڑھایئے تو صاف نظر آتا ہے کہ سید برہان الدین ترمذی بھی اسی زمرے میں داخل تھے، اگرچہ دوسری حیثیت سے تھے اور سید موصوف کے انتقال اور شمسؒ کی آمد کے درمیان پانچ برس کا زمانہ مولاناؒ نے اس طرح گزارا گویا اس دوران میں آپ کچھ کمی سی محسوس کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولاناؒ کے باطن میں جو کمالات مخفی تھے ان کے اظہار کے لئے کسی نہ کسی محرک کی ضرورت تھی، دیوان و مثنوی انھیں اصحاب کی تحریک باطنی کے شواہد ظاہری ہیں، صرف حسام الدین کی عدم فرصت کی وجہ سے مثنوی شریف کی تصنیف دو برس معلق رہی، مولاناؒ خود اس تاخیر کی توجیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

این سخن شیراست در پستان جاں　　بے کشندہ خوش نمی گردد رواں

ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے کہ ہر نبی کیلئے ایک ابوبکرؓ لازم ہے ۔

سلطان ولدؒ نے اس نکتہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ "چنانکہ موسیٰ یاقوت نبوت، وعظمت رسالت جویائے خضر گشتہ بود مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نیز باوجود چندیں فضائل وخصائل ومقامات وکرامات وانوار واسرار کہ در دور وطور وجود بے نظیر بود وشمل نداشت طالب شمس الدینؒ تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ گشتہ بود۔"

غرض اسے مولاناؒ کے خصوصیات میں سے سمجھنا چاہئے کہ آپ کو بغیر کسی نہ کسی رفیق کے راحت نہیں ملتی تھی، اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان رفقا کے انتخاب میں کیا خاص نکتہ مدنظر رہتا تھا، اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نکتہ بہت صاف عیاں ہے۔

مولانا نے جن اصحاب کو اپنی ہمنشینی خاص کے لیے منتخب کیا، ان کے انتخاب کی وجہ کشف وکرامات نہیں تھی، آپ کا قول اور مسلک یہ تھا کہ محبت کا سبب جنسیت ہوا

Marfat.com

کرتی ہے، شیخ صلاح الدینؒ مولاناؒ سے برابر یہ کہا کرتے تھے کہ میں نے عجیب عجیب نور دیکھ
اور اس اس رنگ کے نور دیکھے، سلطان ولدؒ نے مولانا سے سوال کیا کہ شیخ صلاح الدینؒ
کو آپ اسی وجہ سے دوست رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے انوار کا تفرج کرتے ہیں، فرمایا نہیں
بلکہ مناسبت جنسیت کی وجہ سے انھیں خاص طور پر دوست رکھتا ہوں، اس کے بعد
اس کی متعدد مثالیں بیان کیں اور فرمایا کہ جو محبت مناسبت کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا
نتیجہ پشیمانی نہیں ہوتا اور اگر نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہو تو وہ محبت تدویر ہے جو غرض و غرض پر مبنی
ہوتی ہے کیونکہ حقیقی محبت و مناسبت سے دنیا و آخرت کہیں بھی پشیمانی نہیں ہوتی، چنانچہ
اہل غرض دوستوں کو آخرت میں یہ تمنا ہوگی "یا لیتنی لم اتخذ فلاناً خلیلاً" محبان متقی کی صفت
یہ ہوگی کہ "الاخلاءُ یومئذٍ بعضھم لبعض عدو الا المتقین"، خود مولانا نے مثنوی شریف میں جا بجا
اس پر زور دیا ہے۔

چیست جنسیت یکے نوع نظر　　کہ بداں یابندہ در ہمدگر

موجبِ ایماں نباشد معجزات　　لیک جنسیت بود جذبِ صفات

ہم ز جنسیت شود یزداں پرست　　چون بہشتی جنس جنت آمدہ است

مولاناؒ کے زمانہ (۶۲۶ھ - ۶۷۲ھ) میں قونیہ و روم میں جو سیاسی واقعات پیش آئے
مثلاً مغلوں کا حملہ، سلطان رکن الدین کا قتل، پروانہ کی وزارت بلکہ سلطنت، باجو خاں کا محاصرہ
قونیہ (جس کی مدافعت میں مولاناؒ نے بذات خود شرکت کی) یہ سب نہایت اہم واقعات

Marfat.com

ہیں اوران میں سے بعض واقعات سے مولاناؒ کا کچھ نہ کچھ تعلق بھی ہے مگر ان تمام واقعات کو بیان کرکے کتاب کو سیاسی تاریخ بنانا موضوع بحث سے خارج ہے، تاہم یہ واقعات بالکل حذف نہیں ہوگئے ہیں بلکہ مختلف طریق پر اپنے اپنے محل پر بیان کردیئے گئے ہیں، مولاناؒ کے زمانہ کے سلاطین روم کا ذکر یکجائی طور پر لاحقہ دوم فصل اول میں مل جائے گا، باجوخاں کے محاصرے کا حال فصل چہارم میں "امداد اہل اسلام" کے تحت میں مذکور ہے، رکن الدین کے قتل کی تفصیل فصل چہارم نیز حصہ دوم بحث "ترتیب دیوان" میں مندرج ہے اور فصل پنجم (زمان واہل زمان) کی تمہید کو درحقیقت اسی موجودہ فصل کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ ان مواقع پر ان واقعات کا لانا زیادہ بامحل تھا، اس لئے یہاں ان کا ذکر نظر انداز کردیا گیا ہے۔ کیونکہ

در کمر بستن مضمون رنگیں لطف نیست　　کم دہد رنگ ارکسے بند وفا بستہ را

فصل چہارم کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ مولانا نہ صرف تا حد امکان علائق دنیا سے بے تعلق رہتے تھے بلکہ دنیاوی زندگی سے بھی بیزار تھے، کبھی اس زندگی جس سے تعبیر کرتے، کبھی فرماتے کہ مصلحتاً چند روز اس دنیا میں ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ مولاناؒ کی حرم محترم نے کہا کہ "خدا کرے کہ مولاناؒ کی عمر تین چار سو سال کی ہو کہ دنیا حقائق ومعانی سے بھر جائے" فرمایا "کیوں کیوں؟ کیا میں فرعون ہوں؟ کیا میں نمرود ہوں؟ مجھے عالم خاک سے کیا تعلق؟ یہ چند روز کی قید حیات تو صرف اس لئے ہے کہ چند عزیزوں کو جو اس قید خانہ میں قید ہوگئے ہیں خلاص دلاؤں امید ہے کہ جلد تر جنت کی طرف رجوع کروں۔ اگر میرے رہنے میں ان بے چاروں کی مصلحت نہ ہوتی تو اس نشیمن خاکی میں ایک دم بھی نہ ٹھہرتا ؎

ما از برائے مصلحت در حبس دنیا آمدیم　　من از کجا، حبس از کجا، مال کرا دزدیدہ ام[1]

Marfat.com

جب آپ کے وصال کا زمانہ قریب آیا تو آپ پہلے ہی سے اس باب میں کچھ نہ کچھ
اشارات کرنے لگے اور یہ ایک ایسا امر ہے، جس میں مولاناؒ منفرد نہیں ہیں، اکثر
بزرگان دین کی نسبت اس قسم کی روایتیں منقول ہیں۔

اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ مولاناؒ اپنے آخر زمانہ میں اکثر مدرسہ میں گھومتے
پھرتے اور آہ آہ کرتے رہتے، گھر میں ایک بلی تھی وہ سامنے آکر رونے لگی، مولاناؒ
نے تبسم فرما کر کہا کہ "جانتے ہو یہ بلی کیا کہتی ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں، فرمایا "کہتی ہے
کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ اپنے وطن اصلی کو جا رہے ہیں، میں غریب کیا کروں گی" لوگ
رونے لگے (مولاناؒ کے انتقال کے بعد اس بلی نے سات روز تک کچھ کھایا پیا نہیں اور آخر
مر گئی)[1]

کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انتقال سے قبل مولاناؒ کتنے دنوں علیل رہے
فراش رہے مگر مختلف بیانات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ زمانہ علالت کچھ طولانی رہا
سپہ سالارؒ کا قول ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونیہ میں چالیس روز تک
آتا رہا، افلاکیؒ کا بیان ہے کہ مولانا ہنوز صاحب فراش تھے کہ سات روز برابر زلزلہ
تمام لوگ عاجز آگئے، مولاناؒ سے طلب امداد کی، فرمایا کہ "زمین بھوکی ہو گئی ہے لقمہ چاہتی ہے، جلد کامیاب ہو جائے گی اور یہ زحمت تم لوگوں سے رفع ہو جائے گی"

حاشیہ ص ۲۴۵
[1] مناقب ص ۳۴۷
[2] " " ص ۳۴۸
[2] " " ص ۵۸۰

Marfat.com

اسی زمانہ میں یہ غزل ارشاد فرمائی ؎

با ایں ہمہ مہر و مہربانی — دل می دہدت کہ خشم رانی
ویں جملہ شیشہائے جاں را — در ہم شکنی بہ لَن ترانی
در زلزلہ است دارِ دنیا — کز خانۂ تو رخت کشانی
نالاں ز تو صد ہزار رنجور — بے تو نہ زنید ہیں تو دانی[1]

مگر حضرت سلطان ولدؒ نے لکھا ہے کہ مولاناؒ کے انتقال کے بعد زلزلہ آیا تھا۔ ؎

لرزہ افتاد[2] در زمیں آں دم — گشت نالاں فلک در آں ماتم

(ممکن ہو دونوں صورتیں واقع ہوئی ہوں یا سلطان ولدؒ کا قول بطور استعارہ کے ہو)

جب مولاناؒ کی طبیعت میں کسر و اضمحلال بڑھا تو اکمل الدین اور عضنفر کہ اپنے وقت کے جالینوس تھے، علاج کی فکر میں ہوئے نبض دیکھ کر باہر آتے اور کتابوں کی طرف رجوع کرتے تیقن کے لئے جب پھر جاکر نبض دیکھتے تو نبض کی حالت بالکل ہی دوسری پاتے، آخر تشخیص سے عاجز آگئے اور خود مولاناؒ سے استدعا کی کہ اپنا حال بیان فرمائیں مگر مولاناؒ نے کچھ بیان نہ کیا، سمجھ لیا کہ اب کچھ اور ہی ارادہ ہے[3]،

---

[1] سپہ سالار صـ۵۵ [2] سپہ سالار نے اس مصرع کو اس طرح نقل کیا ہے: ع چشم تو خمے چنیں رسید آں دم
مگر رباب نامہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکاری عالی میں یہ مصرع اسی طرح ہے جس طرح اوپر نقل ہوا ہے،
[3] اس موقع پر "حیات وارث" سے چند سطریں نقل کر دینا بے موقع نہ ہوگا، جن سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی حالت اس معاملہ میں بھی دوسرے لوگوں کی حالت سے جداگانہ ہے،

(۱) حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ کی آخری علالت میں آپ کی نبض کی جو حالت تھی اس کی نسبت (صـ۲ حصہ دوم) پر رقم ہے کہ "ابتدائی بیماری سے کسی وقت نبض کی رفتار بالکل ضعیف ہو جاتی

Marfat.com

چلپی حسام الدینؒ کی روایت ہے کہ "ایک روز شیخ صدر الدینؒ اکابر درویشوں کے ساتھ مولاناؒ کی عیادت کو آئے تھے، مولاناؒ کی حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ خدا شفائے عاجل عطا فرمائے، امید ہے کہ صحتِ کلی حاصل ہو جائیگی"، مولاناؒ نے فرمایا "اب شفا آپ ہی کو مبارک ہو، عاشق و معشوق میں بال کا پیراہن رہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور سے مل جائے"

گفت لبش گر ز شعر شستر است　　اعتناقِ بے حجابے خوشتر است
من شدم عریاں ز تن، او از خیال　　می خرامم در نہایات الوصال"

شیخ اور تمام اصحاب روتے ہوئے چلے گئے اور مولاناؒ نے یہ غزل شروع کی،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم　　بخ زرینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم[1]

مولاناؒ کے ایام علالت میں شہر کے تمام امرا و شیوخ عیادت کے لئے آتے اور حالت دیکھ دیکھکر افسوس کرتے تھے، ان ہی میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جانشینی کے لئے موزوں کون ہے اور کسے مقرر فرمایا ہے؟ فرمایا کہ خلیفۃ الحق جنید الزماں چلپی حسام الدینؒ، تین مرتبہ سوال کیا اور تینوں مرتبہ یہی جواب ملا، چوتھی مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مولانا بہاء الدینؒ کے متعلق کیا ارشاد ہے، فرمایا کہ وہ پہلوان ہے، اسے وصیت کی حاجت نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۷) تھی، اور کبھی وقت ایسی رفتار ہوتی تھی کہ کسی اچھے جوان کی بھی ایسی قوی نبض نہ ہوگی"، اس کیفیت کو خود مولاناؒ نے بیان فرمایا ہے،

نبض عاشق بے ادب بر می جہد　　خویش را در کفِ نشہ می نہد

(۲) حاجی صاحب کے اسی سلسلۂ علالت میں حکیم عبد العزیز مرحوم نے دواؤں کا اثر نہ دیکھ کر کہا کہ "نہیں معلوم حضور کو کیا منظور ہے، جو دوا کا اثر تک نہیں ہونے دیتے، اس کا اثر ہی بالکل اڑا دیا ہے" (ص۳۵)، [1] مناقب ص۳۴۸ و ۳۴۹،

Marfat.com

ولدؒ را نیست حاجت لاف و دعوے[1] کہ در سیمائے او چوں خور عیان است[1]

آخر ایام میں حضرت بہاء الدین ولدؒ کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی، کئی راتوں سے سوئے نہ تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ "میں اچھا ہوں تم جاکر سو رہو اور ذرا آرام کر لو"

جب وہ سو رہے تو مولاناؒ نے یہ غزل شروع کی، حسام الدینؒ چلپی لکھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے[2]

رو، سر بنہ ببالیں تنہا مرا رہا کن — ترکِ من خراب شبِ گرد مبتلا کن
مائیم و موج سودا، شب تا بروز تنہا — خواہی بیا بخشا، خواہی برو جفا کن
بر شاہ خوبریاں واجب وفا نباشد — ای زرد روئے عاشق تو صبر کن وفا کن
خیرہ کشیست ما را در دل چو خار ما را — بگذار کسے نہ گوید تدبیرِ خوں بہا کن
در دلیست غیرِ مردن او را دوا نباشد — پس من چگونہ گویم کیں درد را دوا کن
در خواب دوش پیرے در کوئے عشق دیدم — با دست اشارتم کرد کہ عزم سوئے ما کن

آخری غزل یہی ہے[2]

انتقال سے کچھ دن قبل ایسا ہوا کہ تین روز تک کسی سے گفتگو نہ کی اور نہ کسی کو یہ ہمت ہوئی کہ کچھ گفتگو کرے، آخر مولاناؒ کی حرم محترم نے آکر پوچھا کہ انقباض کا باعث کیا ہے۔ فرمایا کہ "موت کے خیال میں ہوں کہ کس طرح واقع ہوتی ہے[3]۔"

---

[1] مناقب ص۳۵۱

[2] ایضاً ص۳۵۲ گرسپہ سالار نے لکھا ہے کہ جب زلزلہ کے رفع ہونے کی خبر آئی تھی اسوقت میں یہ غزل کہی تھی اور ان دنوں فرجی سرخ پہنے ہوئے تھے ص۵۸۔ [3] مناقب ص۳۴۸

Marfat.com

آخر وقت میں مولاناؒ پر پچاس دینار قرض تھے، فرمایا کہ جو کچھ ہو دیگر قرضخواہ سے معاف کرالیں۔ اس نے قبول نہ کیا اور قرض معاف کر دیا۔ فرمایا الحمد للہ اس عقبہ سہناک سے بھی رہائی ہوئی۔[1]

آخری لمحات۔

انتقال سے کچھ قبل قاضی سراج الدین زیارت کو آئے ہوئے تھے، اسی اثنا میں چلپی حسام الدینؒ نے شربت کا پیالہ مولاناؒ کے سامنے پیش کیا کہ شاید ذرا سا پی لیں، مگر کچھ توجہ نہ کی، انھوں نے پیالہ قاضی صاحب کو دیا کہ شاید ان کے ہاتھ سے پی لیں، پھر بھی کچھ التفات نہ کیا، قاضی صاحب کے جانے کے بعد مولاناؒ صدرالدین آئے اور پیالہ چلپی حسام الدین کے ہاتھ سے لے کر پیش کیا اس وقت ذرا سا نوش فرمایا۔[2]

چلپی حسام الدینؒ نے پوچھا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا، فرمایا 'مولانا صدرالدینؒ اولیٰ تر ہیں'۔[3]

عین انتقال کے قریب فرمایا طشت پانی سے بھر کر لاؤ، پانی پیشانی پر ملتے تھے اور فرماتے تھے کہ[4]

---

[1] مناقب ص ۲۴۸

[2] " " "

[3] مناقب ص ۲۵۵

[4] درحقیقت یہ بھی سنت نبوی کی پیروی تھی، آنحضرت صلعم کی نسبت بروایات صحیحہ منقول ہے کہ عین عالم نزاع میں آپ پانی کے پیالے میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور پانی چہرہ پر ملتے تھے (سیرۃ النبیؐ)

Marfat.com

گر مومنی و شیریں ہم مومنست مرگت — ور کافری و تلخی، ہم کافراست مردن

اسی حال میں قوال آگئے، اور انھوں نے یہ رباعی شروع کی،

دل از تو گمان ببرد و دور از تو — وان نیز ز ضعف خود برد دور از تو

تلخی بدہاں بر دلِ صفرائے — خود بر تو شکر حسد برد دور از تو

فرمایا کہ "میرے احباب ادھر کھینچتے ہیں اور مولانا شمس الدین ادھر بلا رہے ہیں"

اجیبوا داعی اللہ وآمنوا — اللہ کی طرف بلانے والے کو مانو اور

اس پر یقین لاؤ،

بہ،

ناچار جانا ہے[1]"

اپنے مریدین و متعلقین کی تسکین خاطر کے لئے یہ فرمایا کہ

"اس دنیا میں میرے دو تعلق ہیں، ایک تم سے اور ایک اپنے جسم سے اور جب خدا کی عنایت سے اس جسم سے بھی مجرد ہو جاؤں گا اور عالم تجرید و توحید میں پہونچ جاؤں گا تو پھر وہ دوسرا تعلق بھی تمہارے ہی لیے ہو جائے گا[2]"

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۰)

[حصہ اوّل مجلد دوم ص۱۴۳ (معارف)] خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (ص۵۲۰ دلگداز)

[1] مناقب ص۳۵۲،

[2] مناقب ص۳۴۹،

Marfat.com

انتقال کے قبل مولاناؒ نے اپنے اصحاب کو جو وصیت فرمائی تھی، وہ حسب ذیل ہے،

" اوصیکم بتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ وبقلۃ الطعام وقلۃ المنام وقلۃ الکلام ومجانبۃ المعاصی والآثام ومواظبۃ الصیام ودوام القیام وترک الشھوات علی الدوام واحتمال الجفاء من جمیع الانام وترک مجالسۃ السفھاء والعوام ومصاحبۃ الصالحین والکرام وان خیر الناس من ینفع الناس وخیر الکلام ما قل ودل والحمد للہ وحدہٗ،

(نفحات الانس مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، ص ۴۱۲)

(میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ سراً و علانیۃً خدا سے ڈرتے رہو کھانے، سونے اور گفتگو میں کمی کرو، گناہوں سے دور رہو، روزے برابر رکھو، قیام شب کی مداومت کرو، شہوتوں کو ہمیشہ ترک کرتے رہو، ہر طرح کے لوگوں کی جفاؤں کو برداشت کرو، نادانوں اور عامیوں کی ہمنشینی چھوڑ دو، نیکوں اور بزرگوں سے مصاحبت رکھو، بہترین شخص وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہونچائے، اور بہترین کلام وہ ہے جو قل و دل ہو، ے

سر ز ہوا تافتن از سر دریست
ترک ہوا قوتِ پیغمبریست،

تمام تعریف و توصیف خدائے واحد ذوالجلال کے لئے ہے اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو،

Marfat.com

آخر الامر ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ[1] کو بوقت غروب آفتاب حقائق و معارف بیان فرماتے ہوئے[2] انتقال فرمایا۔

پنجم ماہ در جمادی آخر — بود نقلان آں شہ فاخر
سال ہفتاد و دو بدہ بعدد — شصد از عہد ہجرت احمدؐ[3]

پس انتقال کے وقت مولاناؒ کی عمر ساٹھ برس تین ماہ کی تھی۔[4]

رات میں تجہیز و تکفین کا سامان درست کیا گیا، مولانا امتیاز الدین نے غسل دیا۔ جنازہ کو جب باہر لائے قیامت کا ازدحام برپا ہوا، ہر قوم و ملت کے لوگ ساتھ تھے اور سب روتے جاتے تھے، یہودی و عیسائی توریت و انجیل پڑھتے جاتے تھے۔ مسلمان ان کو ہٹاتے وہ باز نہیں آتے تھے، فساد کا اندیشہ ہوا، جب یہ خبر پردانہ کو پہونچی تو اس نے راہبوں اور قسیسوں سے پوچھا کہ تمہیں اس امر سے کیا تعلق

---

[1] ۱۷ر دسمبر ۱۲۷۳ء (براؤن ص ۴۱۸ حاشیہ)

۱۷ر دسمبر ۱۲۷۳ء (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا)

"فہرست کتب خانہ بہار" (مشمولہ ایشیاٹک لائبریری کلکتہ) میں تاریخ وفات ۱۰ر رجب ۶۷۲ھ دی ہے، یہ سلطان ولدؒ کی وفات کی تاریخ ہے، غلطی سے اسے مولاناؒ کی تاریخ وفات قرار دیا۔

مراۃ الخیال (مصنفہ شیر خاں لودی) میں ہے کہ وفات مولوی در شہور ستہ احدے وسبعین وستمائۃ (۶۷۱ھ) و بقولے در سنہ اثنا وسبعین وستمائۃ در زمان ایغاخان بن ہلاکو خان واقع شد، "نور اللہ مرقدہ" تاریخ وفات اوست (ورق ۲ ص) ۶۷۱ھ قطعی غلط ہے (سرگور اوسلی اور بعض دوسرے اشخاص نے بھی اس کی اقتدا کی ہے)، ایک دوست کے پاس ایک نہایت ہی نادر الوجود کتاب "مشاہد الاصفیا" مصنفہ محمد ہاشم بن محمد قاسم ہروی ہے، اس میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر سنہ کے تحت میں ان بزرگوں کے نام

Marfat.com

انھوں نے کہا کہ ہم نے انبیائے سابقین کی حقیقت کو انھیں کے بیان سے سمجھا اور اولیائے اکمل کی روش کو انھیں کی روش سے جانا، اگر وہ مسلمانوں کے محمدؐ وقت تھے تو ہمارے موسیٰؑ وقت اور عیسیٰؑ زماں تھے، مسلمان جس درجہ ان کے مخلص و محب ہیں ہم اس سے زیادہ ہیں، غرض، وہ لوگ اسی طرح تابوت کے ساتھ رہے، ہجوم کی حالت یہ تھی کہ تابوت مبارک صبح سویرے مدرسہ سے روانہ ہوا تھا اور شام کے قریب قبرستان میں پہونچا، راستہ میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ توڑ کر تبرک کے طور پر لے گئے۔[۱]

جنازہ جب نماز کے لئے رکھا گیا تو معرف نے شیخ صدرالدینؒ کے لئے آواز دی، اور حسب عادت "ملک المشائخ" کے لفظ سے خطاب کیا، مولانا اکمل الدین نے فرمایا کہ ادب

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۵۳)

دیئے ہیں جن کا انتقال اس سنہ میں ہوا ہے، اس میں سنہ سبعین وستہ مایۃ کے تحت میں مولاناؒ کا اسم گرامی بھی درج ہے، "سبعین وستہ مایۃ۔ عین العرفاء الکبار ینابیع العلوم والاسرار مولانا المعظم جلال الدین محمد البلخی ثم الرومی کان ولادیۃ یلخ فی ستہ اربع وستہ مائیۃ ووفاتہ بقونیہ وبہا دفن ولہ، مصنفات منظومۃ ومنثورۃ وکلہا مشہورۃ۔" (مجھے اس کتاب پر بہت وثوق ہے مگر ۶۷۰ھ میں مولاناؒ کے انتقال کی تاریخ غلط ہوگئی ہے۔)

[۲] "در بیان تقریر حقائق و معارف" پہ سالارؒ صـ ۵۹ [۳] پہ سالار صـ ۶۰ از رباب نامہ [۴] ۶۹ برس (سرگورادسلی صـ ۱۱۶)

[۱] مناقب صـ ۲۵۴، سپہ سالارؒ (صـ ۶۹) نے لکھا ہے کہ تابوت جب مختلف محلوں سے گزرتا تھا تو لوگ اسے بدلتے تھے، یہ نہیں لکھا کہ تابوت کتنے بار بدلا گیا۔

Marfat.com

کو نگاہ رکھو، ملک المشائخ مولانا ہیں، شیخ صدرالدینؒ جب نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، آخر قاضی سراج الدین نے نماز پڑھائی [شیخ صدرالدین سے لوگوں نے جب اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں جب آگے بڑھا تو دیکھا کہ ملائکہ صف باندھے کھڑے ہیں اور نماز و زیارت میں مشغول ہیں، اس ہیبت سے میرے ہوش زائل ہو گئے][1] آخر بوقتِ شام یہ آفتاب فقر و تصوف دیدہ ظاہر سے نہاں ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

چالیس روز تک زیارت کا سلسلہ جاری رہا ؎

ہمچناں ایں کشید تا چہل روز — ہیچ ساکن نشد ایں تف و سوز

بعد چہل روز سوئے خانہ شدند — ہمہ مشغول ایں فسانہ شدند

روز و شب بود گفت شاں ہمہ ایں — کہ شد آں شیخ زیر خاک دفین

(رباب نامہ)

مولاناؒ کے اصحاب اور شعرائے وقت نے مولانا کے مرثیۂ بیعت کچھ کہے ہونگے مگر وہ محفوظ نہیں ہیں، قانعی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مولانا کا مرثیہ کہا تھا، لیکن ان کا کلیات عنقا صفت ہے، ہاتھ نہ آ سکا کہ کچھ نقل کیا جاتا، پسہ سالارؒ نے صرف ملک الادبا بدرالدین تکیؒ کے مرثیے سے دو شعر نقل کئے ہیں وہ حاضر ہیں ؎

کو دیدہ کہ در غم تو نمناک نشد — یا جیب کہ در ماتم تو چاک نشد

---

[1] پسہ سالارؒ ص ۵۹-۶۰، مناقب ص ۲۱۰ پر یہ روایت درج ہے کہ شیخ صدرالدینؒ جب نماز پنجگانہ پڑھانے کیلئے آگے بڑھے اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئے، تو پھر بعد چندے نماز پڑھائی (تا ساعتے بعد ازاں نماز کرد) مگر پسہ سالارؒ کی روایت زیادہ مسلّم ہے۔

Marfat.com

سوگند بردے تو کہ از پشت زیں　　بہتر ز توئی در شکم خاک نشد

پسہ سالار ہیؒ نے لکھا ہے کہ ایک عزیز نے یہ دو شعر موزوں کئے تھے اور انھیں پڑھا کرتے تھے ؎

کاش آں روز کہ در پائے تو شد خار اجل　　دست گیتی بردے تیغ ہلاکم بر سر

تا دریں روز جہاں بے تو ندیدے چشمم　　ایں منم بر سر خاک تو کہ خاکم بر سر

مرثیہ کا مقصود اصلی یہ ہوا کرتا ہے کہ اس ذریعے سے مرنے والے کی کچھ یادگار باقی رہے مگر یہاں دیوان اور مثنوی کے ہوتے ہوئے کسی اور یادگار کی حاجت ہی کیا ہے۔

بہر حال شعرائے وقت نے مولانا کے مرثیے کہے ہوں یا نہ کہے ہوں وہ محفوظ ہوں یا نہ ہوں، مگر مولاناؒ خود اپنے انتقال کے متعلق "مرثیہ" نہیں بلکہ "تہنیت" لکھ گئے ہیں، جس سے بدرجۂ اتم یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عارف حقیقی کا "مرثیہ" کیسا ہوا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

بروز مرگ چوں تابوت من روان باشد　　گماں مبر کہ مرا درد ایں جہان باشد

برائے من مگری و مگو "دریغ دریغ"　　بدام دیو درافتی دریغ آن باشد

جنازہ ام چو ببینی مگو "فراق فراق"　　مرا وصال و ملاقاتِ آں زمان باشد

مرا بگور سپاری مگو "وداع وداع"　　کہ گور پردۂ جمعیتِ جنان باشد

فرو شدن چو بدیدی بر آمدن بنگر　　غروب شمس و قمر را چرا زیاں باشد

ترا غروب نماید دلے شروق بود　　لحد چو حبس نماید، خلاص جاں باشد

کدام دانہ فرو شد در زمیں کہ نرست　　چرا بداند انسانت ایں گماں باشد

کدام دلو فرو شد کہ پر بروں نامد　　ز چاہ یوسفِ جاں را چرا فغاں باشد

Marfat.com

ترا چناں کہ بنماید من بخاک شدم | بزیر پائے من ایں ہفت آسماں باشد
دہان چو بستی ازیں سوئے آنطرف میکشائے | کہ ہائے ہوی در جو لامکاں باشد
جمال مفخر آفاق شمس تبریزی | کہ نور دیدہ و عقل و دل و رواں باشد[1]

(۱۱ - ص ۳۲۷)

مولاناؒ اپنے والدؒ کے مقبرے کے اندر ہی مدفون ہوے۔ مولاناؒ کے انتقال کے بعد علم الدین[2] قیصر نے یہ ارادہ کیا کہ مولاناؒ کی تربت مقدس پر ایک نادر عمارت بنائیں، مشورۃً سلطان ولدؒ سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کس قدر رقم ہے، عرض کیا تیس ہزار درم، فرمایا اسمیں کیونکر سرانجام ہوگا، عرض کیا خداوندؒ گا غیب سے دینگے، فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو صدق تمام اور اخلاص تام سے ارادہ کردو، علم الدینؒ نے اسی شب میں سلطان کے بالاخانہ پر جاکر اسقدر مناجات آمیز و عشق انگیز اشعار پڑھے کہ پروانہ اور کرجی خاتون بے حد خوش ہوے، صبح کو علم الدین کو بلاکر بہت تعریف کی اور اسی ہزار درم عطا کئے اور محاصل قیصریہ سے پچاس ہزار درم مقرر کئے کہ تربت مبارک کی عمارت تیار کریں۔ غرض اس طرح علم الدین نے عمارت کو انجام کو پہونچایا اور اس کے

---

[1] سلطان ولدؒ نے بھی اسی وزن و قافیہ میں تیرہ شعروں کی ایک غزل کہی ہے، پانچ شعر اس کے بھی نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلطان ولدؒ نے ہر امر میں مولاناؒ کے اتباع کو کس حد تک پہونچا دیا تھا ؎

بروز مرگ کہ جاں از تنم جہاں باشد | ورائے ملک جہانم دو صد جہاں باشد
بہر جہاں کہ رسی شادماں درو گوئی | زہے جہاں کہ درو عیش جاوداں باشد

Marfat.com

بعد مولاناؒ کے اصحاب کو بہت کچھ شکرانہ دیا۔ چھ ہزار درم سلطان ولدؒ کو دیئے اور اسی قدر چلپی حسام الدینؒ کی خدمت میں پیش کئے۔

مناقب العارفین صـ۸۸ میں ایک روایت کے ضمن میں یہ فقرہ آیا ہے کہ "بدرالدین تبریزی کہ معمار معمورہ تربت مبارک بود" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت بدرالدین تبریزی کے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔]

بعد میں جس قدر زمانہ گزرتا گیا اس مقبرے کی عمارت اور اس کی شان اعلیٰ وارفع ہوتی گئی۔

مولاناؒ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ "میرے دوستو میری تربت کو بلند بنانا تاکہ دور سے دکھائی دے، جو لوگ میری تربت کو دور سے دیکھ کر اعتقاد لائیں گے اللہ تعالےٰ ان پر رحمت کرے گا اور ان کے مقاصد دینی و دنیاوی بر آئینگے[1] چنانچہ مولانا کی تربت مقدس تمام ممالک عثمانیہ میں اس وقت تک سب سے زیادہ مرجع انام ہے، اسی طرح ایک روز فرمایا کہ "میری تربت کو سات مرتبہ بنائیں گے آخری مرتبہ ایک متمول ترک اس

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۵۷)

جہاں ورائے جہانست ایں جہان مجیب — ورائے خورد جانست ایں جاں باشد

بروں ز ساحل تن چوں رسی دریں دریا — ز جوش جان تو ہر موج درفشاں باشد

دگر نمیرم من درون گور رو م ! — دلم چو مرغ پراں سوے آشیاں باشد

[1] علم الدین بہت بڑے پایہ کے امرا میں سے تھے، ہلاکو خاں نے جب ۶۵۷ھ میں حلب میں قتل عام کیا تو جن چند اکابر کے مکانوں میں پناہ لینے والوں کیلئے امن کا اعلان کیا ان میں ایک علم الدین قیصر الموصلی بھی تھے۔ حلب کی تباہی کے بعد وہاں کے اعاظم و اکابر جو بچ رہے انمیں سے اکثر روم میں چلے گئے تھے، انھیں میں علم الدین قیصر بھی تھے (ابوالفدا جلد سوم صـ۲۰۱)

علہ مناقب صـ۲۴۳

Marfat.com

کی تعمیر کرے گا اور میری تربت کے گرد ایک بڑا شہر آباد کرے گا اور تربت شہر کے وسط میں ہوگی اور اس زمانہ میں مثنوی شیخ کا کام دے گی"[1]

اس پیشین گوئی کا لفظاً لفظاً ثابت کرنا قدر دشوار ہے مگر "انسائیکلوپیڈیا برنکیا" میں قونیہ کی تعمیر و تخریب کا جو حال دیا ہے اس سے بالاجمال اس کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کی عبارت کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"شہر کے جنوب جانب عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے جو قبر مولویہ کا خاص مستقر ہے۔ .....

سلجوقی سلطنت کے شکست ہونے اور عثمانی سلطنت کے قائم ہونے پر قونیہ پر زوال آگیا، اس کی آبادی گھٹ گئی اور قدیم شاندار عمارتیں تباہ ہوتی گئیں۔ حصار شہر اور محل انیسویں صدی کے آغاز تک اچھی حالت میں تھے، مگر تعمیر کی ضرورت سے ان کا ملبہ کام آتا گیا، تا آنکہ ۱۸۸۲ء میں دیوار کا ایک مختصر حصہ باقی رہ گیا اور محل بالکل تباہ ہو گیا، اس زمانہ میں اور اس کے کچھ زمانہ بعد تک قونیہ کا ایک بڑا حصہ مردوں کے شہر کے مانند تھا مگر ۱۸۹۵ء میں اناطولیہ ریلوے کے بننے سے اس کی خوش حالی پھر قائم ہو گئی، فرید پاشا نے جو اس زمانہ میں اس ولایت کے والی تھے، آب نوشیدنی کا وافر سامان کیا جو متبرک عمارتیں اور مسجدیں بالکل تباہ نہیں ہوئی تھیں، ان کی مرمت کی۔ ۱۹۰۴ء میں اناطولیہ ریلوے کے کچھ حصص کے بن جانے کے بعد شہر کی حالت بہتر ہو گئی"[2] اور اب

---

[1] مناقب ص ۲۴۵

[2] جلد ۱۴ ص ۲۷۲

Marfat.com

اس ریلوے کا سلسلہ حلب و دمشق ہوتا ہوا مدینہ منورہ تک پہونچ گیا ہے اور قونیہ جنکشن بھی ہو گیا ہے، نقشہ کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ریلوے شہر کے جنوبی جانب سے آگے بڑھی ہے اور اس طرح جدید آبادی کی وجہ سے مولانا کی تربت مقدس شہر کے ایک جانب میں ہونے کے بجائے آبادی کے وسط میں آجائے گی اور یہ پیشین گوئی پوری ہو جائیگی کہ تربت کے گرد ایک بڑا شہر آباد ہوگا اور تربت شہر کے وسط میں ہوگی۔

یورپ کی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) کے بعد جب ترکوں نے مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں بمقام نوزان کامیاب صلح کی اور خلافت کو اسلام کی ایک فرسودہ نشانی سمجھ کر اپنے ملک سے خارج کر دیا اور قابو یافتہ فریق نے اپنے استبداد کو یورپ کی محبوبۂ عام "جمہوریت" کے لباس میں نمایاں کر کے دنیا کو اپنی شائستگی کا یقین دلانا چاہا اس وقت سے "اصلاح" کے نام سے تمدن اسلامی کو ظاہراً و باطناً نیا بنیا کرنے کی جو سرگرم کوششیں شروع ہو گئیں، انھیں کوششوں میں ایک کوشش خانقاہوں کے مسدود کرنے کی بھی تھی، یورپ اور بالخصوص یورپ کے پروٹسٹنٹ ممالک میں اب خانقاہوں کا وجود باقی نہیں رہا ہے اس کا اقتدا بھی ضروری تھا، چنانچہ ایک حکم عام سے تمام خانقاہوں کی جائدادیں ضبط کر کے انھیں ویران و تباہ کر دیا گیا، اس تباہی عام سے مولانا کا مزار مقدس بھی محفوظ نہ رہ سکا، اس مزار کے متعلق ایک مضمون البشیر[1] میں بحوالہ ہمدرد طبع ہوا ہے، اس کے ضروری اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں جن سے مزار کی گزشتہ و موجودہ حالت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

---

[1] مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۲۶ء

Marfat.com

"قونیہ میں کئی مزار نہایت اہم خیال کئے جاتے ہیں ..... ان میں مولانا رُوم کا مزار سب سے زیادہ متبرک خیال کیا جاتا تھا، لاکھوں کی جائداد اس کے متعلق تھی، اس کی نذر و نیاز کی آمدنی بھی سالانہ کئی لاکھ پونڈ تھی، پانچ ہزار درویش اس آمدنی پر گزارہ کرتے تھے اور متولی و سجادہ نشین تو ترکی کے بڑے رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے، ان کا جلوس جب نکلتا تھا تو اچھا خاصہ بادشاہ کا سا جلوس معلوم ہوتا تھا، ان کا اثر بھی ایک گورنر کے اقتدار سے کم نہ تھا، یہانتک کہ خانقاہ کے متعلق ان کے کچہریاں بھی موجود تھیں جہاں ان کے نائب اپنے طریقے پر مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر اس فیصلہ کے بعد بھی کوئی عدالت سرکاری میں جانے کا ارادہ کرتا تھا تو اس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔

اب تمام املاک متعلقہ پر حکومت نے قبضہ کر لیا ہے ..... متولیوں کے تھوڑے تھوڑے وظائف مقرر کر دیئے گئے ہیں، لیکن ان میں سے جو لوگ سابقہ حالت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے کوشاں ہوئے اور اس بنا پر موجودہ حکومت کے خلاف سازش میں شریک ہوئے، ان کے وظیفے ضبط کر لئے گئے۔ اب صرف تھوڑے ہی باقی رہ گئے ہیں جن کو وظیفہ ملتا ہے۔

مزار کی متعلقہ عمارات میں کئی عجائب خانے اور ایک مدرسہ قائم ہوا ہے، ایک عجائب خانہ میں صرف وہ چیزیں رکھی گئی ہیں جن کا تعلق حضرت مولانا روم مرحوم کی یادگار سے ہے، مثلاً حضرت کی استعمال کردہ بعض اشیاء ہیں جن سے مولانا علیہ الرحمۃ کی طرز زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے، آپ کے پانی پینے کے مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا ہے جو اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ ایک آپ کا کرتہ ہے اور اسی قسم کی بعض دیگر اشیا ہیں جو اس

Marfat.com

بزرگ ہستی کی یادگار ہیں۔ دوسرے عجائب خانہ میں وہ اشیاء متبرکہ ہیں جن کا تعلق صاحب مزار کی ذات سے نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی طرح وہ زمانہ گزشتہ میں خانقاہ کی تحویل میں آگئی ہیں، مثلاً صحابہ کرامؓ کے بعض قرآن کے پارے ہیں، بعض رسول کریم صلی اللہ وسلم کی یادگار ہیں۔ یہ قیمتی تحفے ایک عجائب خانے میں جمع کر دیئے گئے ہیں، ایک کتب خانہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ جس میں ایک حصہ حضرت مولاناؒ رومؒ کے متعلق کتابوں پر مشتمل ہے، اس وقت سات سو چھیاسٹھ کتابیں موجود ہیں جن میں دنیا کی تمام زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔

ایک مدرسہ قائم ہوا ہے جس میں علوم دینی و دنیوی دونوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ حدیث کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام ہوتا ہے اور تصوف کی تعلیم کا بھی انتظام ہے لیکن اس تصوف میں اور قبل از جنگ والے تصوف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

[تصوف میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے، معلوم نہیں حدیث میں بھی فرق ہوا ہے یا نہیں؟]

یہ تو قوت مادی کا مظاہرہ ہے، اب قوت باطنی کا مکاشفہ بھی ملاحظہ ہو، سلطان ولدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن میں اپنے والدؒ کے ساتھ عیدگاہ کو جا رہا تھا، جس کوچہ و محلہ سے گزر ہوتا تھا لوگ جوق جوق آکر سلام کرتے، سوار جو راستہ میں ملتے سواری سے اتر پڑتے تھے، والدؒ کی اس عظمت کو دیکھ کر میں حیران ہو گیا، والدؒ کا دامن پکڑے ہوئے چل رہا تھا اور دل میں کہتا جاتا کہ خدایا یہ کیسے بزرگ شخص ہیں اور ان کی قوت و قدرت اس قدر ہے، والدؒ نے پوچھا کہ بہاء الدین یہ حالت تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہے؟ عرض کیا کہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے فرمایا کہ بتو بخشیدم، از تو میراث بفرزندانت خواہد رسیدن و تا روز قیامت مسجود

Marfat.com

عالمیان خواہند بودن" پھر فرمایا کہ

خیال شاہ خوش خویم، تبسم کرد، برادرم — چنیں شد نسل برنسلم چنیں فرزند فرزندم

افلاکی اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "الحمد للہ عالمیان بندہ مرید ایشانند"[1]

افلاکی کے ان الفاظ کو چھ سو برس گزر گئے ہیں اور اب بھی یہی کیفیت ہے، حکومت اسباب و املاک دنیاوی کو ضبط کر سکتی ہے، دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتی، اس کے ساتھ مولانا کی اس پیشین گوئی کو ملا لیجئے کہ "اس زمانہ میں مثنوی شیخ کا کام دے گی" تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ

از پس صد سال آنچہ آید برو — پیر می بیند معین مو بمو

---

[1] مناقب ص ۲۸۰

Marfat.com

Marfat.com

مولانا کی جانشینی

مولاناؒ کے بعد آپ کے اولین جانشین حضرت حسام الدینؒ چلپی ہوئے، ان کے بعد سلطان ولدؒ نے اس سجادہ کو زینت بخشی[1]، اور پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اسی خاندان کے افراد فرقہ مولویہ کے شیوخ ہوتے رہے۔ پس خاص جانشینی کے مسئلے میں صرف چلپی حسام الدینؒ کا نام لینا کافی ہے، آگے سلسلہ خاندانی رہا۔ حضرت حسام الدینؒ کے حالات اس سے قبل ضروری تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکے ہیں یہاں صرف جانشینی کے واقعہ کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے۔ اس واقعہ کو سلطان ولدؒ نے پوری تفصیل کے ساتھ نظم فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ

---

[1] ہیفلڈ نے لکھا ہے کہ مولاناؒ کے انتقال کے بعد سلطان بہاء الدینؒ ولد آپ کے خلیفہ ہوئے (دیباچہ) ظاہر ہے کہ ہیفلڈ سے یہاں قدرے تسامح ہوا، سلطان بہاء الدین ولدؒ مولانا کے خلیفہ ہوئے کر جانشین نہیں ہوئے

Marfat.com

"مولاناؒ کے انتقال کے بعد[1] چلپی حسام الدینؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنے والدؒ کی جگہ کے آپ ہی سزاوار ہیں اور اب آپ ہی ہم لوگوں کے پیشوا و امام ہیں، میں نے جواب دیا کہ نہیں، میں والدؒ کو زندہ سمجھتا ہوں، والدؒ کی زندگی میں آپ ہی فرائض خلافت انجام دیتے رہتے، اب بھی اسی طرح اس کام کو انجام دیجئے۔ چلپی حسام الدین نے ہر چند عذر کیا مگر میں بھی اصرار پہ قائم رہا، آخر از راہ لطف و کرم میری التجا کو قبول کیا اور ہم سب نے ان کے زیر سایہ بارہ[12] سال نہایت امن سے گزارے۔"

سپہ سالارؒ نے یہ لکھا ہے کہ "مولاناؒ کے انتقال کے بعد اصحاب میں اختلاف واقع ہوا۔ بعضوں کی رائے تھی کہ چلپی حسام الدینؒ بدستور خلیفہ رہیں، اور بعض یہ کہتے تھے کہ مثل مشہور ہے کہ "الشبل فی المنجر مثل الاسد" (بچہ شیر خصلت میں شیر ہی کے مانند ہوتا ہے) حضرت مولاناؒ بہاء الدین ولد مولانا کے وارث علمی و صلبی اور کاشف امور حقائق و شارح معارف و دقائق ہیں، آپ خود مولاناؒ کے زمانہ میں یہ اہلیت رکھتے تھے کہ پیشوائے اولیاء کبار ہوتے مگر پاس ادب مانع تھا، اب کوئی وجہ نہیں رہی کہ آپ ہم سب کے امام نہ ہوں، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس کا فیصلہ خود انھیں دونوں بزرگوں پر چھوڑ دینا چاہئے[2]" بعد ازاں وہی صورت پیش آئی جو سلطان ولدؒ نے تحریر فرمائی ہے۔

چلپی حسام الدین کے خلیفہ ہو جانے کے بعد کرا[3] خاتونؒ نے سلطان ولدؒ سے اعراضاً

---

[1] مناقب العارفین ذکر سلطان ولدؒ میں ہے کہ سات روز بعد۔

[2] پسہ سالار ص۵۷

[3] "کرا خاتون" حضرت سلطان ولدؒ کی زوجہ محترمہ کا لقب تھا، مناقب العارفین کے

Marfat.com

کہا کہ "آپ خود اپنے والد کی جگہ بیٹھتے اور ان کی خلافت کا کام انجام دیتے مگر آپ اپنی جگہ چلپی حسام الدین کو دے کر خود فارغ ہو گئے ہیں" سلطان ولدؒ نے فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ چلپی کی آنکھ مثل زنبور خانہ کے ہے کہ ارواح غیبی وہاں آتی جاتی رہتی ہیں اور آپ سبز پوشان غیبی کی ہمراہی سے کسی وقت خالی نہیں رہتے، مجھے شرم آتی ہے کہ ان سے بالاتر بیٹھوں اور ان کی جگہ کی خواہش کروں، اندیشہ یہ ہے کہ اگر ایسا کروں تو یہ خلافت میرے لئے وبال ہو جائے، والدؒ کے آخر دم تک وہ خلیفہ رہے، پس میں بھی والدؒ ہی کے اشارت کی تعمیل کرتا ہوں۔"

چلپی حسام الدین نے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد مجلسِ سماع منعقد کرتے تھے اور تلاوت کلام مجید کے بعد مثنوی خوانی ہوتی تھی۔

چلپی حسام الدین کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک بار قونیہ میں پانی کا سخت قحط پڑا، تمام علماء و شیوخ نے شہر سے باہر نکل کر نماز استسقا پڑھی مگر پانی نہ برسا،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۶)

"بزرگے از محرمات حرم یعنی اعنی کراکار رضی اللہ عنہا" رڈہاؤس نے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "مولانا جلال الدینؒ کے انتقال کے بعد آپ کی بیوہ کہ اخاتون نے اپنے سوتیلے بیٹے سلطان ولدؒ بہاء الدین سے کہا" ص ۱۱۸ "آپ کی بیوہ" اور "سوتیلے بیٹے" کے الفاظ رڈہاؤس نے اپنی طرف سے بڑھا کر اصل مفہوم کو بدل دیا ہے۔

Marfat.com

آخر سب لوگ حضرت حسام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں، آپ اپنے اصحاب کو لے کر مولاناؒ کی تربت پر آئے اور یہاں نماز ادا کی اور دعا مانگی، پانی اس قدر برسا کہ لوگوں نے پھر آپ سے استدعا کی کہ پانی رکنے کی دعا کیجئے۔

چلپی حسام الدینؒ کا انتقال۔

چلپی حسام الدینؒ کے انتقال کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ایک روز اپنے اصحاب عظام کے ساتھ اپنے باغ میں تشریف فرما تھے ایک درویش نے آکر یہ خبر نا مبارک سنائی کہ تربت مبارک کے قبہ کا پایہ گر پڑا اور قبہ میں درز پڑ گئی، چلپی حسام الدینؒ نے ایک آہ کی اور بے خود ہو گئے، اپنے ہاتھ کو کئی مرتبہ زانو پر مارا اور رونے لگے دیگر اصحاب بھی رونے لگے کچھ دیر بعد فرمایا کہ "شیخؒ کی تاریخ رحلت کو دیکھو" دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پورے دس سال ہو چکے ہیں اور اب گیارہواں شروع ہوا ہے، چلپی کے چہرے پر تغیر ظاہر ہوا، فرمایا کہ "بس گھر لے چلو کہ میرا پیمانۂ عمر بھی اب لبریز ہوا چاہتا ہے اور سفر آخرت نزدیک ہے، جب اشارت بشارت حاصل ہوئی تو خوش خوش روانہ ہونا چاہیئے" آپ کو مکان لائے، چند روز بیمار رہ کر چہارشنبہ ۲۲ شعبان ۶۸۳ھ کو انتقال فرمایا، کہتے ہیں کہ جس روز قبہ کا پایہ کا کام اتمام کو پہنچا اسی روز آپ نے انتقال کیا۔

Marfat.com

یہ روایت مناقب العارفین کی ہے مگر خود مناقب العارفین ہی میں سلطان ولدؒ کی نسبت ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ "ہمچناں یازدہ سال تمام حضرت چلپی حسام الدین را قدس اللہ ارواحہم قائم مقام والدؒ خود دیدہ" مولاناؒ نے ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ کو انتقال فرمایا ہے، پس جمادی الآخر ۶۸۳ھ میں چلپی حسام الدینؒ کی خلافت کو گیارہ برس پورے ہوتے ہیں نہ کہ شعبان میں، اصل یہ ہے کہ سنین کے متعلق مناقب العارفین میں جابجا غلطیاں ہو گئی ہیں، اس بحث میں ایک نسخہ میں اصل متن میں مدت خلافت "مقدار شش سال" درج ہے اور حاشیہ پر "دہ سال" لکھا ہے، پسر سالارؒ نے صاف لکھا ہے کہ "دوازدہ سال تمام اورا قائم مقام پدر خویش دانست"[1] اور تاریخ وفات "در شہور ستہ اربع وثمانین وستمایۃ (۶۸۴ھ) میں قرار دی ہے اور آخری قول فیصل سلطان ولدؒ کا ہے۔

بعد دہ سال و دو زناگاہ او گشت رنجور و شد بحضرت ہو

جس سے قطعاً یہ ثابت ہے کہ حضرت حسام الدینؒ نے مولاناؒ کے بعد بارہ برس فرائض خلافت انجام دیئے اور ۶۸۴ھ میں (جیسا کہ پسر سالارؒ نے لکھا ہے) انتقال فرمایا۔

---

[1] رڈہاؤس نے لکھا ہے کہ حسام الدینؒ نے ۱۲۸۴ء میں اپنے پیر کے انتقال کے ٹھیک دس برس بعد انتقال فرمایا (دیباچہ ص ۱۲) رڈہاؤس نے افلاکیؒ کے قول "دہ سال" سے حساب کر کے ۱۲۸۴ء (یعنی ۶۸۳ھ) کو سال وفات قرار دیا ہے مگر اقوال مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ یہ دونوں مفروضات (یعنی دس سال کی مدت خلافت اور ۶۸۳ھ میں انتقال) غلط ہے۔

Marfat.com

سلطان ولدؒ کی خلافت۔

چلپی حسام الدین کے انتقال کے بعد لوگوں نے سلطان ولدؒ سے عرض کیا کہ اس وقت آپ نے ایک عذر پیدا کر لیا تھا، اب وہ عذر بھی باقی نہیں رہا، پس سجادہ خلافت پر رونق افروز ہو جئے، آخر آپ نے قبول فرمایا اور ۷۱۲ھ تک اس خدمت کو کو انجام دیا۔ آپ کے جانشین آپ کے فرزند چلپی عارف ہوے، اور آئندہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔

Marfat.com

اٰل اولاد

گوہر خاتونؒ سے مولاناؒ کے دو فرزند بہاء الدین ولدؒ اور علاء الدین محمدؒ تھے اور کرا خاتونؒ سے[1] ایک فرزند مظفر الدینؒ امیر عالم تھے اور ایک دختر ملکہ خاتونؒ تھیں۔

اس امر کے قطعی تعین میں کسی قدر قیل وقال کی گنجائش نکل آئی ہے کہ مولاناؒ کے خلف اکبر حضرت بہاء الدینؒ تھے یا علاء الدینؒ، پسہ سالارؒ نے ایک موقع پر حضرت بہاء الدین ولدؒ کے متعلق

---

[1] گوہر خاتونؒ کا سنہ انتقال معلوم نہیں ہوا مگر مولانا کے درود قونیہ کے بعد ان کا ذکر مطلق نہیں ہوا ہے، حالانکہ ان کی والدہ کرا خاتون بزرگؒ کا ذکر متعدد بار آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال عقد کے تھوڑے زمانہ بعد ہو گیا تھا، مولانا کی دوسری زوجہ کرا خاتونؒ کے متعلق مناقب العارفین (ذکر چلبی حسام الدینؒ) میں ہے کہ چلبی حسام الدین کے بعد ہی کرا خاتون نے بھی انتقال فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرا خاتونؒ کا انتقال ۶۸۴ھ کے بعد ہوا ہے۔

Marfat.com

لکھا ہے کہ "فرزند مہین خداوندگار بود"[1] اور دوسری جگہ علاء الدین کے متعلق لکھا ہے کہ "فرزند متوسط مولانا خداوندگار بود"[2] اس کے سوا اور بھی جا بجا حضرت بہاء الدینؒ کو خلف اکبر لکھا ہے، صرف ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ "مولانا فرمود کہ بہاء الدین ہفت سالہ بود برادرش علاء الدینؒ ہشت سالہ ....."[3] "لیکن فصل پنجم میں جہاں تخصیص کے ساتھ شجرہ نسب بیان کیا ہے وہاں بالصراحت یہ لکھا ہے کہ "ہمچنان حضرت مولانا جلال الدین قدس اللہ سرہٗ را سہ فرزند و یک دختر بود و فرزند مہین را نام بہاء الدینؒ بود، دوم را نام علاء الدین محمدؒ بود ....."[4] "سخت حیرت ہے کہ رڈہاؤس نے اس قدر صاف و صریح بیان پر اعتماد نہ کیا اور ایک ضمنی روایت پر بھروسہ کر کے قطعاً یہ قرار دیدیا ہے کہ علاء الدین خلف اکبر تھے اور جب ایک مرتبہ رڈہاؤس نے لکھدیا تو اس کے بعد سے تمام محققین یورپ بلا استثنا یہی لکھتے آرہے ہیں کہ علاء الدین خلف اکبر تھے۔ مگر سپہ سالار اور افلاکیؒ کے قطعی بیانات کے مقابلہ میں یہ رائے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی[5] "شواہد و قرائن بھی اس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں چنانچہ افلاکیؒ ہی کی ایک روایت ہے کہ

---

[1] ص ۱۳ [2] ص ۶۸

[3] مناقب ص ۱۷۹ [4] ص ۱۳۴ یہاں رڈہاؤس نے ایک غلطی اور کی ہے کہ بہاء الدین ولدؒ کا نام محمد لکھا ہے حالانکہ آپ کا نام احمد تھا۔ محمد علاء الدین کا نام تھا۔

[5] افلاکیؒ کی جس روایت مذکورہ بالا میں حضرت بہاء الدینؒ کی عمر سات سال اور علاء الدین کی عمر آٹھ سال ظاہر کی گئی ہے وہ ان دونوں بھائیوں کے ختنہ سے متعلق ہے، اسمیں بجائے خود یہ امر قابل لحاظ ہے کہ سات سال کی عمر تک ختنہ ہو جانے کا رواج عام و قدیم ہے، مولاناؒ کے ایسے پابند شرع و سنت شخص نے کیوں علاء الدین کے ختنہ میں غیر ضروری تعویق روا رکھی؟ قرینہ یہ چاہتا ہے کہ یہاں ہشت کے بجائے شش ہوگا

Marfat.com

"ایک روز سلطان ولدؒ کے چند دینار کم ہو گئے تھے وہ دیناران کے بھائی علاء الدین کی کتاب میں ملے، سلطان ولدؒ نے کچھ سخت و سست کہا، مولانا نے فرمایا کہ بہاء الدین علیٰ حرف جر ہے اگر جر (کشش) نہ کرے تو کیا کرے، دونوں بھائیوں میں صفائی ہو گئی[1]"

اس روایت کے الفاظ کا اقتضا یہی ہے کہ علاء الدین چھوٹے تھے۔

بہر حال مولانا کے خلف اکبر و اصغر سے قطع نظر کر کے مولاناؒ کی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی آپ کے "خلف رشید" سلطان ولدؒ ہی تھے، علاء الدین کا ذکر جو کچھ آ گیا ہے۔ وہ صرف شمس الدینؒ کی مخالفت کے سلسلہ میں آیا ہے [چونکہ سلطان ولدؒ کا سلسلہ آگے چلتا رہا ہے اس لئے تسلسل قائم رکھنے کے خیال سے ترتیب بدل دی گئی اور سلطان ولدؒ کا ذکر موخر کر دیا گیا ہے]

علاء الدین کے متعلق افلاکیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ "در قصد مولانا شمس الدینؒ تبریزی روح اللہ روحہ مبادرت نمودہ مبادرت کرد تا ہمرنگ مریدان مرند گشت و گویند او را ایشاں اغوا کردہ بودند و بران داشتہ بودند"

مولاناؒ اسی وجہ سے ان سے بیزار ہو گئے تھے ان کا خیال بھی اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ اور اپنی نظر عنایت صرف سلطان ولدؒ پر محدود کر دی تھی۔ جب علاء الدین نے انتقال کیا تو مولانا ان کے جنازہ پر بھی نہیں گئے۔

علاء الدین کے سنہ انتقال کے نسبت کوئی قطعی روایت نہیں ملتی، یورپی تذکرہ نویسوں نے

---

[1] مناقب ص ۲۶۹

Marfat.com

تو بلا استثنا یہ لکھدیا ہے کہ علاء الدین اس ہنگامے میں مارے گئے جس میں حضرت شمس الدین گرفتار یا قتل ہوئے[1]۔ سپہ سالار نے اس ہنگامہ کا مطلق ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ گرافلاکی نے کچھ لکھا اسی کے ضمن میں علاء الدین کے نسبت یہ لکھا ہے کہ "علاء الدین را کہ بداغ انہ لیس من اہلک، ا عمل غیر صالح موسوم بود، تپ محرق علتے عجب پیدا گشتہ دراں ایام وفات یافتہ و حضرت ازغای انتقال بجانب باغ روانہ گشتہ بجنازۂ او حاضر نشدہ بود"

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت شمس الدینؒ کی غیبت ثانیہ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد علاء الدی نے انتقال کیا ہے، خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ علاء الدین نے ۶۴۵ھ میں بعلت جذام انتقا کیا" دوسرے تذکرے جن میں یہ ذکر آیا ہے ان میں بھی یہی تاریخ ہے۔ گرافلاکی ہی کی ایک دوسر روایت حسب ذیل اور بھی ہے کہ

چلپی حسام الدین کی عادت تھی کہ مولاناؒ کی زندگی میں روزانہ التزام کے ساتھ سلطان العلما بہاء الدین ولدؒ کے مزار کی زیارت کے لئے جاتے اور "شیخ صلاح الدین کی زیارت کے لئے بھی جاتے"[2] ایک روز حسب عادت زیارت کو گئے تھے، اوراد وغیرہ سے فارغ ہوکر جب نکلے تو مع تربت مبارک کی طرف پلٹے اور نعرہ مار کر کہا کہ "نے نے نشاید و مصلحت نیست برون او" ایک لحظہ بعد مسکرائے اور روانہ ہو گئے، استفسار پر فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ فرشتگان عذاب عالم غیب سے آئے اور علاء الدین کو زنجیروں میں باندھ کر لے چلے اور وہ فریاد کرتا تھا، میرا دل جلا اور میں نے شفاعت کی اور قبول ہوئی۔"

یہاں غور طلب یہ ہے کہ زیارت شیخ صلاح الدین سے کیا غرض ہے، سیاق و سباق کلام سے

---

[1] بڑے فرزند علاء الدین اس ہنگامے میں مارے گئے جیسے شمس الدینؒ تبریزی قتل ہوئے" (ردّ ہادس ص ۱۳۴ تقریباً یہی الفاظ تمام دوسرے تذکرہ نویسوں کے بھی ہیں [2] زیارت شیخ صلاح الدین میرف

Marfat.com

یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدینؒ کے انتقال کے بعد حضرت حسام الدینؒ آپ کی زیارت مزار کے لئے جایا کرتے تھے، اگر مفہوم یہی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین کا انتقال ۶۵۷ھ کے بعد کسی سال میں ہوا اور انتقال کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔

بہر نوع مولاناؒ کے سوانح کے سلسلہ میں علاء الدین کا ذکر جو کچھ آیا ہے وہ صرف اس اعتبار سے آیا ہے کہ انھوں نے حضرت شمس الدینؒ کی مخالفت میں شرکت کی اور مولاناؒ کے نزدیک مردود و مقہور قرار پائے۔

علاء الدین کے اخلاف۔

علاء الدین کی اولاد کا کوئی ذکر کہیں نہیں ہے، مگر چلپی عارف کے تذکرے میں ایک روایت یہ منقول ہے کہ ایک روز چلپی عارفؒ اور چلپی علاء الدین آقشہری میں مناظرہ ہوا، علاء الدین خویشاوند نے کہا کہ میں خداوندگار (مولاناؒ) کی نسل سے ہوں، مجھے کیوں آپ بیگانہ سمجھتے اور میری طرف سے بے التفاتی برتتے ہیں، باپ کے گناہ کی وجہ سے لڑکے کی رعایت نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، امیر عارفؒ نے جواب دیا کہ مولاناؒ سے آپ کو کوئی تعلق نہیں اور اس خاندان میں آپ کا حکم عضو مردہ کا ہے، آپ کی شاخ اس درخت سے کٹ گئی ہے اور آپ اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور آپ ہی لوگوں کی شان میں آیت انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح نازل ہوئی ہے[1]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین کے سلسلۂ نسب میں بھی کچھ لوگ تھے مگر مولاناؒ نے ان سے تعلقات قائم نہیں رکھے تھے۔

---

[1] مناقب (ذکر چلپی)

Marfat.com

مناقب العارفین کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ نے علاء الدین کے لئے دعائے مغفرت کی تھی۔ اور وہ دعا مقبول ہوئی، مولانا فخر الدین معلم کی روایت ہے کہ ایک روز مولاناؒ اپنے والدؒ کی قبر کی زیارت کو تشریف لائے تھے، نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر مجھ سے قلم و دوات طلب کی اور اپنے فرزند علاء الدین کی قبر پر آ کر یہ شعر لکھا

پس کجا مالد کجا گرید لئیم　　گر تو نپذیری بجز نیک ای کریم

فی الحال فرمایا کہ میں نے عالم غیب میں دیکھا کہ مولانا شمس الدینؒ نے علاء الدین سے صلح کر لی اور انھیں بخش دیا اور ان کی شفاعت کی اور ان پر رحمت ہوئی۔[1]

مولاناؒ کے تیسرے فرزند مظفر الدینؒ امیر عالم کا کوئی خاص ذکر کہیں نہیں آیا ہے۔ صرف شجرۂ نسب سے ان کے نام کا علم ہوتا ہے۔

مگر دو ایک روایتوں سے ضمناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی معیشت امیرانہ تھی اور غالباً فقر و تصوف میں آپ کو زیادہ انہماک نہیں تھا، ایک روایت مناقب العارفین میں یہ ہے کہ ایک روز سلطان ولدؒ اور ان کے بھائی چلپی امیر عالم اور چند دوسرے اصحاب مولاناؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ناگاہ سلطان اسلام نے ایک کیسۂ زر بھیجا۔ اور استدعائے دعا کی۔ امیر عالم اس زمانہ میں سلطان کے خزینہ دار کے بڑے دوست تھے، مولاناؒ نے فرمایا کہ "یارو اسم اعظم کیا ہے" سب نے کہا کہ حضرت ہی ارشاد فرمائیں" فرمایا کہ اسم اعظم یہی سیم و زر ہے، اسی سے حق تک رسائی ہوتی ہے اور اسی سے باطل کی آراستگی بھی ہوتی ہے۔ اس بغیر نہ دنیا معمور ہے، اور نہ

---

[1] مناقب ص ۲۱۵

Marfat.com

اہل آخرت مسرور ہیں[1]۔" پھر فرمایا کہ "امیر عالمؒ کے اخراجات بہت ہیں ان کو زیادہ دو۔"

ایک دوسری روایت مولاناؒ کے حمام میں جانے کے متعلق فصل چہارم میں آ رہی ہے، وہاں یہ منقول ہے کہ امیر عالمؒ نے کسی کو بھیج کر حمام سے سب لوگوں کو خارج کر دیا تھا۔

مناقب العارفین کی ایک اور روایت سے امیر عالمؒ کی امیرانہ معیشت کی پوری توثیق ہوتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلطان عزالدین مولاناؒ کی ملاقات کو آیا، مولاناؒ نے امیر عالمؒ سے فرمایا کہ قل ہو اللہ پڑھو، انھوں نے پڑھا، مولاناؒ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ماں، باپ، فرزند و مانند شریک و شبہ نہیں ہے۔ یہ وقت طاعت و عمل کا ہے، جہانتک ہو سکے طاعت میں کوشش کرو، مجھ پر بھروسہ نہ کرو، کیونکہ مردان خدا خدا صفت ہوتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی "فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساءلون" چلی امیر عالم جب مولاناؒ کے پاس سے باہر آئے تو اصحاب مولاناؒ اس اشارت سے بہت رنجیدہ ہوئے اور بہت روئے، مولاناؒ نے فرمایا کہ "نہیں نہیں اس حد تک نہیں" میرا مطلب یہ تھا کہ ہمارا امیر عالم

---

[1] سلطان ولدؒ نے اسے اس طرح ادا فرمایا ہے۔

نشاط مرداں از زر و سیم است — خوشی ہائے جہان از زر و سیم است
رہی بر باب مقصود اے ولد زد — ترا گر نر دبان از زر و سیم است

(سلطان ولدؒ)

Marfat.com

بالکل کاہل نہ ہو جائے اور تا امکان کوشش کرے کیونکہ خدائے تعالیٰ مردم کاہل و عاطل و اہل کسل کو دوست نہیں رکھتا ۔[1]

اس پر افلاکیؒ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "حضرت چلپی امیر عالم تا بود در عبادت و تقوے و زہد و سخاوت مشغول بود "

مناقب العارفین میں دو چار جگہ اور بھی آپ کا نام آیا ہے مگر ان سے کچھ مزید حالات منکشف نہیں ہوے ۔

بہر حال ان روایات سے مستنبط ہوتا ہے کہ امیر عالمؒ زمرۂ اہل فقر سے نہیں تھے اور امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔

مولاناؒ کی دختر ملکہ خاتون کو لوگ "خندولہ" (یعنی خداوندگار زادی) کہا کرتے تھے ،[2] ان کی نسبت رڈہاؤس نے لکھا ہے کہ "ان کا نکاح کسی شہر کے شہزادے سے ہو گیا تھا اور وہ قونیہ سے چلی گئی تھیں"[3] افلاکیؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ خاتون کا عقد خواجہ شہاب الدین سے ہوا تھا ،[4] مگر خود خواجہ شہاب الدین کا کچھ زاید حال کہیں سے نہیں معلوم ہوتا لیکن اس روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ شہاب الدین کوئی متمول شخص تھے کیونکہ ملکہ خاتون نے ایک مرتبہ مولانا سے انکی شکایت ان الفاظ میں کی ہے کہ "در خانہ خود تنعم ندارد و باوجود چنداں اسباب و اموال کنیزان و غلامان خود را عورد گرسنہ

---

[1] مناقب ص ۱۸۱ [2] مناقب (نسخۂ قلمی)

[3] رڈہاؤس ص ۱۳۴

[4] مناقب ص ۱۹۱-۱۹۲

Marfat.com

میدارد" ممکن ہے کہ رڈہاؤس کا بیان صحیح ہو؛

مقتضائے عنوان کے اعتبار سے مولاناؒ کے خلف اکبر و فرزند رشید سلطان ولدؒ کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے ہونا چاہئے مگر آپ کی ولادت، آپ کا عقد، آپ کا سفر شام، آپ کے فرزند امیر عارف کی ولادت، آپ کے متعلق حضرت شمس الدینؒ شیخ صلاح الدینؒ کے خیالات، خود مولاناؒ کے نزدیک آپ کی وقعت و منزلت، مسئلہ جانشینی، آپ کی تصنیف رباب نامہ، یہ تمام امور اپنے اپنے موقع پر اس طرح بیان ہو چکے ہیں کہ ناظرین کو آپ کے سوانح حیات کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہوگا، سلسلہ مولویہ کی اشاعت کے متعلق آپ کے مساعی کا ذکر فصل چہارم کے آخر میں آئے گا، اس کے بعد اب آپ کے متعلق خاص طور پر لکھنے کے لئے بہت کم کچھ باقی رہ جاتا ہے، تاہم چند روایتیں جن سے آپ کے اوائل عمر کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

مولاناؒ کو آپ سے بچپن ہی سے اس قدر الفت و محبت تھی کہ آپ کو اپنے پاس سلاتے تھے۔ مولاناؒ نماز تہجد کو اٹھتے تو آپ رونے لگتے، مولاناؒ نماز چھوڑ کر آپ کو بہلاتے پھر نماز پڑھتے[1]

سلطان ولدؒ ابھی خورد سال تھے کہ ایک روز مولاناؒ نے اثنائے تقریر میں فرمایا کہ "حضرت موسیٰؑ کا عصا ساحروں کے تمام سانپوں کو کھا گیا اور اس کی جسامت میں ذرا بھی فرق نہ آیا اس کو کس طرح سمجھاؤں" پھر سلطان ولدؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

---

[1] ۱۲

Marfat.com

"تم اس کی کوئی مثال دو" آپ نے فرمایا کہ "اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی وسیع مکان میں تاریکی ہی تاریکی ہو، دفعۃً وہاں ایک شمع لے آئیں اس شمع کا نور تمام تاریکی کو کھا جائیگا۔ اور شمع میں نہ زیادتی ہوگی نہ کمی" مولاناؒ نے آپ کو گود میں اٹھالیا اور بے حد مسرور ہوئے۔[1]

سلطان ولدؒ جب جوان ہوئے تو مولاناؒ سے اس قدر مشابہ تھے کہ جب کسی مجلس میں مولاناؒ کے پہلو میں بیٹھتے تھے تو لوگ سمجھتے کہ مولاناؒ کے بھائی ہیں، خود مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ "انت اشبہ الناس لی خَلقًا و خلقًا (یعنی تم باعتبار خلق و خلق مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہو[2]

سلطان ولدؒ کی عمر جب بیس سال کی تھی تو آپ نے حج کا ارادہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارے دین میں یہ بدعت ہے۔ مگر سلطان ولدؒ نے اصرار کیا تو آپ نے اجازت دیدی اور خلوت گاہ کے دروازے کو بند کرادیا، دوسرے تیسرے روز مولانا اور شیخ صلاح الدینؒ اس خلوت گاہ کے قریب آکر مراقبہ کیا کرتے، جب چالیس روز پورے ہوئے تو دروازہ کھلوایا، دیکھا کہ سلطان ولدؒ بالکل نور میں غرق ہیں، تمام اصحاب نے جوش مسرت کے ساتھ سماع کا آغاز کیا۔[1]

---

[1] مناقب [2] مناقب

سلطان ولدؒ کی عمر ۶۴۲ھ میں بیس برس کی ہوئی ہوگی، یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت شمس الدینؒ تبریزی اول بار قونیہ آکر چلے گئے تھے اور ہنوز دوبارہ قونیہ میں واپس نہیں آئے تھے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ صلاح الدینؒ کے خلیفہ ہونے سے بہت قبل سے آپ کو مولاناؒ سے خصوصیت حاصل تھی۔

Marfat.com

آپ کے اخلاق کے متعلق صرف ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ آپ میں مروت و فروتنی کس درجہ تھی، مولانا کے انتقال کے بعد ایک روز مولاناؒ کی حرم محترم کراخاتونؒ حضرت حسام الدینؒ کے وہاں تشریف فرما تھیں کہ سلطان ولدؒ بھی وہاں آگئے، کراخاتونؒ نے کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ مولاناؒ مثل عنقائے مغرب کے سلطان ولدؒ کے سر پر سایہ گستر ہیں اور سلطان ولدؒ جدھر جاتے ہیں مولاناؒ ان پر سایہ افگن رہتے ہیں، حضرت حسام الدینؒ کو اس سے کسی قدر غبطہ ہوا کہ مجھے کیوں نہ دیکھا، سلطان ولدؒ نے اس اثر کو ان کے چہرے پر محسوس کیا اور فرمایا کہ اس خواب کی تفسیر یہ ہے کہ پرندہ اپنے کمزور انڈے کو سیتا اور ہمیشہ پروں کے نیچے دبائے رہتا ہے، جب بچہ نکلتا ہے تو پھر اس کی پرورش کی فکر میں لگا رہتا ہے، جب بچہ بڑا ہو کر اڑنے لگتا ہے تو پھر پرندے کو اس کی فکر نہیں رہتی، پس چلپی حسام الدینؒ اب اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ خود پر و بال کھولے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں اور میں ہنوز وہ بچہ ضعیف ہوں کہ ابھی انڈے سے باہر نہیں نکلا ہوں، اسی وجہ سے خداوندگار میری تربیت میں ہنوز مشغول ہیں، اس تفسیر سے حضرت چلپیؒ خوش ہو گئے اور وہ انقباض جاتا رہا۔

آپ کے مناقب میں بہت کثرت سے روایتیں منقول ہیں مگر یہاں صرف مولاناؒ کا ایک قول درج کر دینا کافی ہے جس کے بعد کسی دوسری تعریف و توصیف کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے، فرمایا ہے کہ "بہاء الدینؒ آمدن من بایں عالم جہت ظہور تو بود، چہ ایں ہمہ سخنان من قولِ من است تو فعل منی"

Marfat.com

سلطان ولدؒ کا انتقال ۔

چلپی حسام الدینؒ کے انتقال کے بعد آپ مولاناؒ کے جانشین ہوئے اور تقریباً انیس سال کی خلافت کے بعد ۱۰ رجب ۷۱۲ھ کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا اور مقبرۂ خاندانی میں مدفون ہوئے ۔

سلطان ولدؒ کی عمر ۔

آپ کی عمر کے متعلق سپہ سالارؒ نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "مدت نود و شش سال عمر یافت[۱]" اور یہ الفاظ ایک ہی صفحہ پر دو جگہ آئے ہیں۔ اسی بنا پر مولانا شبلی مرحوم نے بھی لکھ دیا ہے کہ "انھوں نے (سلطان ولدؒ نے) ۷۱۲ھ میں (۹۶) برس کی عمر میں انتقال کیا[۲]" لیکن مصنف مرحوم خود اس سے قبل تحریر کر چکے ہیں[۳] کہ "سلطان ولدؒ کی ولادت ۶۲۳ھ میں ہوئی" اور سلطان ولدؒ کی ولادت کا یہ سنہ بلا استثنا متفق علیہ ہے۔ پس اس حساب سے ۷۱۲ھ میں سلطان ولدؒ کی عمر ۸۹ برس کی ہوئی نہ کہ ۹۶ برس کی۔ رسالہ سپہ سالار میں نقل در نقل سے کوئی غلطی ہو گئی ہو گی ورنہ یہ مسئلہ اس قدر صاف ہے کہ اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے (اشتباہ کی صرف ایک صورت ہے، سلطان ولدؒ کے فرزند امیر عارفؒ نے ۷۱۹ھ میں انتقال فرمایا ہے، ممکن ہے سہواً ۶۲۳ھ

---

[۱] سپہ سالار ص ۸۵

[۲] " " ص ۷۷

[۳] سوانح مولانا رومؒ ص ۸۸

[۴] " " ص ۵

Marfat.com

کی تخریج ۷۱۹ھ سے کردی ہو اور اس طرح حاصل تفریق ۹۶ کو سلطان ولدؒ کی عمر قرار دیا ہو۔[1])

کتاب کے ابتداہی میں بذیل اسناد یہ بیان ہو چکا ہے کہ سلطان ولدؒ کی تصنیف "رباب نامہ" مولاناؒ کے کلام کی تفسیر ہے۔ افلاکیؒ نے آپ کی بابت یہ لکھا ہے کہ "ہفتاد سال تمام بے انقطاع و انفصام کلام پدر خود را بفصاحت لسان و صباحت بیان تقریری فرمود سلطان ولدؒ نے ۷۱۲ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ مولاناؒ کے کلام کے شارح اسی وقت سے ہیں جب سے مولاناؒ نے شعر کہنا شروع کیا یعنی ۶۴۲ھ سے جبکہ آپ کی عمر صرف انیس برس کی تھی۔

سلطان ولدؒ کا دیوان —

رباب نامہ کے سوا آپ کی یادگار ایک دیوان بھی ہے، آپ بیشتر مولاناؒ کی غزل ہی پر غزل کہا کرتے تھے مگر چونکہ آپ کے دیوان کو شہرت عام نہیں حاصل ہے اور نہ بلحاظ عموم شاعروں کے زمرے میں آپ کا شمار ہے[2]، اس وجہ سے مولاناؒ کے دیوان کی بحث میں، مولاناؒ کی غزلوں سے آپ کی غزلوں کا مقابلہ نہیں کیا اور درحقیقت ایسا کرنا کچھ خلاف شان ادب بھی تھا، اس لئے آپ کی چند غزلوں کے اقتباسات اس موقع پر درج کر دیئے جاتے ہیں کہ ناظرین اس لطف سے بھی محروم نہ رہیں۔

---

[1] اس کی ایک مثال مولاناؒ کی وفات کے متعلق فہرست کتبخانہ بہار سے نقل ہو چکی ہے کہ سلطان ولدؒ کے سنہ وفات کو مولاناؒ کا سنہ وفات قرار دیدیا ہے۔

[2] صاحب مجمع الفصحا نے آپ کا نام لیا ہے۔

Marfat.com

[یہ دیوان کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی میں بعنوان غزلیات "مولانا روم وفرزندش مولانا" دواوین فارسی شمارہ ۳۴۳ پر درج ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے کہ اول ایک غزل مولاناؒ کی دی ہے اور پھر ایک غزل سلطان ولدؒ کی۔ اکثر غزلیں متحد الاوزان والقوافی ہیں، مگر التزاماً ایسا نہیں ہے۔ یہ دیوان حروف تہجی کے اعتبار سے نہیں ہے مگر ڈاؤس نے لکھا ہے کہ دیوان باعتبار حروف تہجی جمع کیا گیا ہے[1]۔ اس میں ابتدا کے دو اوراق غائب ہیں اور آخر سے بھی ناقص ہے، جس سے اول تو کلام ناتمام رہ گیا، دوسرے سنہ کتابت وغیرہ کا بھی کچھ پتہ نہ چلا مگر جو ہے وہ بھی بسا غنیمت ہے۔]

خصوصیاتِ کلام انتخابِ غزلیات سے قبل اول سلطان ولدؒ کے کلام کے چند خصوصیات کا مختصراً بیان کر دینا مناسب ہے۔

(۱) سلطان ولدؒ نے غزلیں تمامتر مولاناؒ کے اتباع میں کہی ہیں اور اکثر مولاناؒ کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں، خود جابجا اس کا اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ صاف لکھا ہے کہ ؎

در پردۂ شہ، گفتیم ایں غزل را ۔۔۔ کاے امتانِ باطل بزماں زنید بزناں

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ؎

دائم ولدؒ و والدؒ گفتہ بہم اے ولدؒ ۔۔۔ ہم بیشہ و ہم شیرے ہم آہو و باہویم

(مصرعۂ ثانی مولاناؒ کے مطلع کا مصرع ہے)

(۲) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزلیں زیادہ تر مولاناؒ کی زندگی ہی میں کہی گئی ہیں، بیشتر ایسا ہوتا رہا ہوگا کہ مولاناؒ اپنے حسب معمول بیخودانہ طور پر کوئی غزل کہہ دیتے ہوں گے، اس کے

---

[1] ص ۱۴۲

Marfat.com

بعد سلطان ولدؒ اور مولاناؒ کے دوسرے اصحاب بھی اسی طرح میں طبع آزمائی کرتے رہے ہوں گے، سلطان ولدؒ نے تو بعض جگہ مولاناؒ کی غزلوں کا اس طرح جواب دیا ہے گویا مولاناؒ کے مفہوم کو مولاناؒ ہی پر پلٹ دیا ہے، چنانچہ مولاناؒ کی ایک غزل ہے۔

چوں ز صورت بر تر آمد آفتاب داخرم — از معانی در معانی تا ردم من خوشترم
در معانی گم شدستم ہمچنیں شیریں تر است — سوئے صورت باز نایم دُرد و عالم ننگرم

سلطان ولدؒ نے بھی اس مفہوم کو اس طرح پلٹا ہے۔

نے تو گفتی من ز ہمت دُرد و عالم ننگرم — ہمچو عنقا پر زنم در ہفت دریا بگذرم
نے نہادی سر بدعوی پیش آں جاناں کہ من — ہر دو دست از جاں بشویم یک چشش بر بشمرم[1]

(یہ دونوں غزلیں آگے چل کر نقل کی جاتی ہیں۔)

(۳) متعدد غزلوں میں ایسا ہوا ہے کہ مولاناؒ کے مطلع کو بجنسہٖ اٹھالیا ہے اور دو ایک لفظ کے تغیر کے ساتھ تو بہت سے مطلع لے لئے ہیں، مولاناؒ کا مطلع ہے۔

بہ بیں دلے کہ نگردد ز جاں سپاری سیر — اسیر عشق نگردد ز رنج و خواری سیر

سلطان ولدؒ نے اس میں صرف ایک لفظ کا تغیر کر دیا ہے۔

زہے دلے کہ.....

یہ کوئی منفرد مثال نہیں ہے بلکہ ایسی مثالیں دیوان میں بکثرت ملیں گی۔

(۴) غزلیات میں جا بجا مولاناؒ اور اصحاب مولاناؒ کی طرف اشارے بھی کئے ہیں۔

الف اشارہ بجانب مولاناؒ

---

[1] اس غزل کے تحت میں حاشیہ بھی ملاحظہ ہو

Marfat.com

بگذر ولد ازیں تن ہمچو "پدر" تو جان شو　　منگر خبر او کسے را گر عاشقی و بینا

آں "والد" ایں ولد را فرمود بین احد را　　گرچہ زروے صنع او اندر صور در آمد

گر ز مولاؒ نارسیدے ایں ولد را جام جاں　　قطرہ اش در بحر معنی درّ بے ہمتا شدے

ب اشارہ بہ شمس الدینؒ تبریزی

نگار کعبۂ جانست اگر نمی دانند　　بہر طرف کہ بگردید، رو بگردانند

حیات جملہ جہانست شمسؒ تبریزی　　ز دل محب وے آیند اگر مسلمانند

ہمیشہ ہمچو ولدؒ گرد او بدور آیند　　چرا بہ ستہ دریں بند و دام دورانند

(یہ غزل گیارہ شعروں کی ہے اور پوری غزل حضرت شمسؒ کی مدح میں ہے۔

جہانہائے آسمانی سرمست شمس تبریزؒ　　بکشائے چشم و بنگر پران شدہ چو ژالہ

ج

د اشارہ بہ حسام الدینؒ

Marfat.com

تختِ حسام دینؓ را شاہنشہِ گزیں را　　در سینہ بیں نہادہ ہم او نشستہ بر سر

(۵) بعض غزلوں میں کچھ ایسا التزام کیا ہے کہ نہ صرف قوافی متحد ہو گئے ہیں بلکہ مولاناؒ ہی کے مضامین کو ایک دوسری شان سے ادا کر دیا ہے، یوں تو یہ کیفیت ہر غزل کے دو چار شعر میں نظر آجاتی ہے مگر ایک غزل میں خصوصیت سے ایسے اشعار زیادہ ہیں، سلطان ولدؒ کی یہ غزل اکیس شعروں کی ہے اور مولاناؒ کی غزل تیئیس شعروں کی ہے، ان میں گیارہ قافیے متحد اور ایک قافیہ سلطان ولدؒ کے وہاں مکرر ہے، یہ بارہ اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں، ان میں سلطان ولدؒ کی غزل کی ترتیب قائم رکھی ہے اور مولاناؒ کی غزل سے متحد القافیہ شعر جہاں سے ملا ہے اٹھا لیا ہے۔

سلطان ولدؒ	مولاناؒ
اے خدائے کہ مفرح بخش غمگیناں توئی	اے خدائے کہ مفرح بخش رنجوراں توئی
درمیان قہر و لطف و نیک و بد پنہاں توئی	درمیان لطف و رحمت ہمچو جاں پنہاں توئی
صد ہزار اشخاص را تو بندۂ شخصے کنی	ہمچو جاں جوید ادرا خود در و پنہاں توئی
رنج دادی جان و تن را تا ترا زاری کند	خستہ کردی بندگاں را تا ترا زاری کنند

Marfat.com

سلطان ولد	مولانا روم
چوں ز رحمت مشتری زاری و افغاں توئی	چوں خریدار تفسیر ولابہ و افغاں توئی
بر مثال درد درماں از تو می جویم ما	روز و شب ما چنیں بر ہمدگر رحمت کنیم
قبلۂ ہر درد و درماں بیشک رحماں توئی	شب ہمہ رحمت رود سوئے تو چوں رحماں توئی
ز احتیاج و آز جملہ گرد دریا می رویم	دردہائے کادمی را بر در خلقاں برد
در میان ماست بودہ اول و پایاں توئی	آں حجاب از اول است و آخر و پایاں توئی
گمرہی از تست و راہ راستی بخشست	دست در طاعت زنیم و چشم در ایماں نہم
ظلمت کفراں ز تست و نور در ایماں توئی	بر امید آنکہ بنمائی کہ خود ایماں توئی
ہم توئی آنکس کہ میگوید توئی و جز تو نیست	ہم توئی آنکس کہ میگوید توئی واللہ توئی
ہم تو گوئے و ہم تو چوگاں شاہ و ہم میداں توئی	گوئے و چوگان و نظارہ گر دریں میداں توئی
آنکہ گفت او خبر تو نے و باز ترساں میشود	وانکہ میگوید توئی زیں گفت و ترساں میشود
گر دلیر است اندر ویش ورنہ ہم ترساں توئی	در میان جان او در پردۂ ترساں توئی
آں یکے بقبول ایں باز او مردود آں	در یکے کار ایں یکے راغب و آں دیگر نفور
چشم بندی از تو است و فتنۂ ایشاں توئی	تو مخالف کردہ شان فتنۂ ایشاں توئی
جسم ما چوں خوانہا و روح ما مہماں دراں	صورت ما خانہا و روح ما مہماں دراں
آں ہمہ نقش اند و پردہ خواں و ہم مہماں توئی	نقش و جانہا سایۂ تو جان آں مہماں توئی
گرچہ بیداریم و غافل غیر تو در کار نیست	غفلت و بیداری ما در توئی ہر کار و بس
جملہ اندر خواب رفتہ در جہاں یقظاں توئی	غفلت ما بے فضولی تر چو خود یقظاں توئی
توبہ کردن با شکستن نیست اندر دست کس	جملہ درماں خواہ و آں درمانشاں خواہان تست
ہر دو را مبدع توئی و ہم کہ این و آں توئی	آنکہ درد و داروے خواست بیشک آں توئی

Marfat.com

تو سلاطین جہاں بنگر بغیرت اے ولدؒ (کو سلاطین جہاں گر شاہ ایواں بودہ اند
گوئے باحق اے خدا سلطان ہر دو راں توئی) پس ندانستیم بیشک کاندریں ایواں توئی)

(۶) جا بجا یہ بیان ہو چکا ہے کہ سلطان ولدؒ درحقیقت مولاناؒ کے کلام کے شارح ہیں اسکی مثال میں مولاناؒ کی ایک غزل جو گیارہ شعروں کی ہے اور اس کے بعد سلطان ولدؒ کی غزل جو اسی وزن وقافیہ میں ہے نقل کی جاتی ہے، دونوں غزلوں کو غائر نظر سے دیکھا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ فی الاصل مولاناؒ کے گیارہ شعروں کے مطالب کو سلطان ولدؒ نے ستائیس شعروں میں پھیلا کر بیان کیا ہے۔

مولاناؒ

چوں زصورت برتر آمد آفتاب داخرم — از معانی در معانی تاردم من خوشترم[1]
در معانی گم شدستم ہمچنیں شیریں تراست — تو کہ صورت باز نایم در دو عالم نگرم
در معانی میگزارم تا شوم ہمرنگِ او — زانکہ معنی ہمچو آب و من در و چوں شکرم
دل نگیرد ہیچکس را از حیاتِ جان خویش — من ازیں معنی زصورت یاد نارم لاجرم
ور من از سختی دل در کار خود سستی کنم — دود از دریا برآرد شعلہائے آذرم

---

[1] جامع دیوان سلطان ولدؒ نے مولاناؒ کی بھی غزل بالمقابل رکھی ہے اور اسی لئے اس غزل کو نقل کیا گیا گر مولاناؒ کے دیوان میں ایک دوسری غزل آٹھ شعروں کی اور ہے اور درحقیقت سلطان ولدؒ کی غزل اسی دوسری غزل کے جواب میں ہے نہ کہ غزل منقولہ بالا کے جواب میں ۔

نے تو گفتی کز جفائے آں جفاگر نشکنم — نے تو گفتی عالمے در عشق او برہم زنم

Marfat.com

می خرامم من بباغ از باغ بار دحانیاں — چو گل سرخم لطیف و تازہ چو نیلوفرم
ہمچو زر خنداں خوشم اندر میان آتشش — آنکہ گر ز آتش برونم ہمچو زر من یفسرم
من ز افسونے چو مارے سر نہادم بر خطش — تا چہ افتد از خط او اے برادر بر کرم
کشتیٔ تن را چو موجم تختہ تختہ بشکند — خویشتن را بگسلم چوں خویشتن را لنگرم
من ز صورت سیر گشتم آمدم سوئے صفات — ہر صفت گوید در آ اینجا کہ بحر اخضرم
بخش از جام لطیفت جرعہ از جام فضل — تا کہ من از نور بمت در دو عالم ننگرم
چو سکندر ملک دادم شمس تبریزی را لطیف — سوئے لشکر ہائے معنی لاجرم سر شکرم

(۱۱ - ص ۵۳۱)

سلطان ولدؒ

نے تو گفتی من ز ہمت در دو عالم ننگرم — ہمچو عنقا پر زنم و از ہفت دریا بگذرم
نے منادی سر بدعوی پیش آں جاناں کہ من — ہر دو دست از جاں بشویم یکجوش بر نشمرم
از خود و عالم برآیم گم شوم اندر عدم — عشق او را قبلہ سازم جز بر ویش ننگرم
ہمچو غواصان بحر نیستی غوطہ خورم — دائماً جولاں نمایم در ہوائے گوہرم
خون خود را جرعہ جرعہ در کشم در جست و جو — گرچہ ہر دم جاں سپارم غیر آں رہ نسپرم
پشت گردانم بعالم پا منم در راہ او — رو نگردانم ز کویش گرچہ راند از درم

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۹)

نے تو دست او گرفتی عہد کردی رو برو — کز پئے آں جان و دل ایں جان و دل را بر کنم

(۸ - ص ۵۳۳)

Marfat.com

گر دو صد تیر حوادث چرخ بر من افگند — چوں ہدف دایم بدارم پیش ہر تیرش برم

در جنوں از حد خود من پاے را افزوں نہم — کز فلک بیزار گردد تا بریزد اخترم

کعبتین پنج و شش در طاس ہفت اختر زنم — گرچہ من زیں چار خاک و باد را آب و آذرم

ایں چہار اضداد را بین چوں ز قدرت یکدلند — ساز وار دیار گشتہ در رضاے دلبرم

چوں بجنس خود رساند عاقبت جان را بجاں — باشد آں آمیختن خوشتر ز شیر و شکرم

پس چہ می تری ز مردن عقل خود را جمع کن — ور نگر تحقیق ایں را تا بداری یاورم

تا کہ از کتم عدم آورد جاں را در وجود — ہر زمان از وے لطیف و تازہ تر شد پیکرم

ہمچنیں چوں باز جاں را در عدم پیدا کند — صد ہزاراں یار گوئی زانچہ بودم خوشترم

در تنے کو نیست پر از خون و آلائش ببیں — چوں ز ذوقش می بگوئی ای چو جاں اندر خورم

پس ترا چوں زیں پلیدی سوے پاکیہا برد — محض ظلمت بودہ ام گوئی و اکنوں انورم

پس براں عہدیکہ کردی گر کنوں ہستی مقیم — از تن و از جاں بباید گشت تنہا لاجرم

نیستی ماہیست تاباں، ہستی تن ابرداں — چوں شوم عریاں ز ہستی رو نماید زیورم

گفتن شعرت ندارد سود ہیں بر خود مجیب — رہ رو از گفتار بگذر تا نماید لنگرم

ہمچنیں غلطاں بپویم سوے آں جنت چرا — خود منم جنت بجویم تا رسم در کوثرم

دارم از جانِ فربہ می نگنجم در جہاں — تا نیفتی در غلط ہاں گر بتن من لاغرم

خیز ساقی در دہ اندر بزم جانان بادہ را — تا بکف گیرم بشادی آب شراب احمرم

خود شراب من منم، ساقی کہ باشد در میاں — چوں بجان و دل شرابم چوں بقا لب ساغرم

طرفہ میرویم از و گہ خار و خس، گہ سرو و گل — در فراقش پائمالم در وصالش سرورم

شمس تبریزی مرا بنما طریق ارتقا — چشم دل را بر کشا کز جاں برویت بنگرم

Marfat.com

اسم اعظم نام تست اندر مکان و لامکاں — میرہد ز آتش جہانے چونکہ نامت میبرم
ہر دمے از جاں ولدؒ گوید کہ بمار و سے خود — زانکہ عشقت ہست دایم ہمچو مغز اندر سرم

(۷) جان سخن پر ستم ہوگا اگر محض پاس ادب کے خیال سے اس امر کو پوشیدہ رکھا جائے کہ اس دیوان میں ایسی بھی غزلیں ہیں، جنمیں بحیثیت مجموعی ولدؒ کی شان والدؒ سے بڑھ گئی ہے اس میں نہ مولاناؒ کی کسر شان ہے اور نہ سلطان ولدؒ کو اس سے ترجیح مطلق حاصل ہو جاتی ہے بلکہ یہ خود مولاناؒ کے لئے باعث فخر ہے کہ اس صنف خاص میں بھی بیٹے نے باپ کی اقتدا کو حد کمال پر پہونچا دیا۔ دیوان میں اس قسم کی متعدد غزلیں ہیں مگر یہاں صرف ایک غزل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ کی ایک غزل سات شعروں کی ہے اور اپنی شان میں فرد ہے، اس کا مطلع بیت الغزل بلکہ مولاناؒ کے خاص منتخب اشعار میں سے ہے، سلطان ولدؒ کی غزل میں اس پایہ کا کوئی شعر نہیں ہے مگر مجموعۂ سلطان ولدؒ کی غزلیں بڑھی ہوئی ہے۔

مولاناؒ

امروز بحمداللہ از دے بتر است این دل — امروز دریں سودا رنگِ دگر است این دل
در زیر درخت گل وی بادہ ہمی خورد او — از خوردن آں بادہ زیر و زبر است این دل
از بسکہ مئے عشقت نالیدہ دریں پردہ — از ذوق مے عشقت ہمچوں شکر است این دل
بند کمرت گشتم اے سبز قبائے من — پابستہ بگرد تو ہمچو کمر است این دل
از پرورش آبت اے بحر جلادتہا — ہمچوں صدف این تن ہمچوں گہر است این دل
چوں خانہ ہر مومن از عشق تو ویراں شد — ہر لحظہ ازیں شورش بر بام و در است این دل
شمس الحق تبریزی تابندہ چو خورشید است — وز تابش خورشیدش ہمچوں سحر است این دل

(۷ صفحہ)

Marfat.com

سلطان ولدؒ

امروز بفضل حق چیزے دگر است ایں دل
امروز بروں از خود اندر سفر است ایں دل

گر بود شکستہ دل از لشکر آب و گل
امروز بفضل حق اندر ظفر است ایں دل

گر بود ستارہ دل بر چرخ سوارہ دل
امروز دریں کیواں صد ماہ و خور است ایں دل

تلخیش شدہ شیریں مانند ز شہد و تین
امروز بمہ جاں قند و شکر است ایں دل

گر از خبر دل نابود ست پری دل را
امروز دریں منزل جملہ خبر است ایں دل

لعلے شدہ سنگ او چوں کرد خود آنورو
زیں در رگِ ایں دریا تاباں گہر است ایں دل

تا بود دریں پیکر بودش تن و پا و سر
اکنوں چوں ہمہ جاں شد بے پا و سر است ایں دل

عالم ہمہ قلابند از قلب ہمی لافند
در آتشِ عشق حق خنداں چو زر است ایں دل

جملہ صدف خالی در نقش و اشکالے
اے عاشق رز چہرہ خوش یم بر ست ایں دل

دادش پر نورانی حق تا شود او جانے
جلوہ بکیوانہا با بال و پر ست ایں دل

بالش حق و پرش حق نے حق شود اکنوں
یک راہ دو چرا گفتم نور نظر است ایں دل

دل نور دروں آمد و ز پوست بروں آمد
دل را چہ دروں بیروں جملہ شرر است ایں دل

گفتی تو ولدؒ از دل رمزے و نشاید ایں
ہم نیز نگفتی او چوں بے اثر است ایں دل

علیٰ ہذا مولانا کی ایک غزل ہے جس کا ردیف "من خانہ نمیدانم" ہے، یہ غزل صرف سات شعروں کی ہے، سلطان ولدؒ نے اسی ردیف کی پابندی کے ساتھ چھبیس شعروں کی غزل کہی ہے جس میں مطلع مولاناؒ ہی کا ہے اور پچیس شعر سلطان ولدؒ کے ہیں۔

Marfat.com

مولانا

اے کردہ تو مہانم در پیش در آجانم　　ز انروے کہ حیرانم، من خانہ نمیدانم

. . . . . .

شمس الحق تبریزم جز با تو نیامیزم　　من رفتم و بے خبرم، من خانہ نمیدانم

سلطان ولد

اے چشم ز تو بینا و اے عقل ز تو دانا!　　رہ رو سوے مولانا من خانہ نمیدانم

زیں خلق ولد باز آ چوں چند نہ باز آیی　　در عشق تو سر بازآ، من خانہ نمیدانم

اس مختصر تبصرے کے بعد اب اس دیوان سے چند غزلوں کے اقتباسات دیے جاتے ہیں مگر ان اقتباسات کو دیوان کا "انتخاب" نہ سمجھنا چاہیے اگر بامعان نظر انتخاب کیا جائے تو اس دیوان سے ایک نادر مجموعہ نہایت بلند و بلیغ اشعار کا مرتب ہو سکتا ہے یہ اقتباسات صرف سرسری اندازے کا کام دے سکتے ہیں اور بس۔

بیا بیا کہ توئی بحر عشق و شوق و صفا　　بیا بیا کہ ترا بر گزیدہ شاہ بقا

بیا بیا کہ شدی بر فلک مثال ملک　　بیا بیا کہ گزشتی ز چرخ و عرش و ملا

بیا بیا کہ چو تو نیست در جہاں دیگر　　بیا بیا کہ توئی فرد در خلا و ملا

بیا بیا و مرادہ شراب از کفِ خود　　کہ باز گردد پیر کہن ز نو برنا

بیا بیا کہ شراب خدا نظر بخشد　　بدہ بدہ مئے جانے کہ دل شود بینا

بیا بیا کہ مشک را بیخ

ولد تو نیز منہ در دہان سگ حلوا

Marfat.com

بخوردم ساغرے چوں نار امشب — شدم مستِ رخِ گلنار امشب
ہمی جویم چو جو در باغ وصلت — یکے دستہ گل بے خار امشب
نگار ماہرو از چہ نشانے — بیابی ہر دمم در تار امشب
تو دل بردی و رخت جاں بیغما — بسانِ لشکر تاتار امشب
بخواہم کرد امشب انچہ خواہم — بگرد از شور من افکار امشب

. . . . . .

چو ما بیروں ز جسم و عقل و جانم — رباب ما بزن بے تار امشب
شراب ما ز نور آمد نہ ز انگور — ازیں مستی بود دیدار امشب
محمدؐ را بہ بیں بر عرش پیدا — اگرچہ شد نہاں در غار امشب
ولدؒ گوید منم دریاے اسرار — ز من بشنو مہا اسرار امشب

دیوانگان عشقم از ما ادب نیاید — جز فتنہ و خرابی ما را دگر نیاید
رندانِ تند و تیزیم ما خون دیو بریزیم — در رزم شیر مرداں ہر سست کے درآید

. . . . . .

خبر جاں خوبے زوں آنجا کیست افزوں — لیلے حسن ما را مجنون عشق باید
لیلیٰ از آن مجنوں، مولیٰ از آن ذوالنون — مولے است کو ز میداں گوئے دلم رباید
گشتی ولدؒ تو حیراں در کار و بار سلطاں — سلطاں شوی اگر آں سلطاں رخت نماید

Marfat.com

امروز بحمداللہ عیش و طرب افزوں شد — بر جا کباب و ناں در کف مے گگوں شد
بے آتش میجوشم، مے بے لب نوشم — حیرانم کایں دولت ناگاہ مرا چوں شد
در مجلس جاں دلبر در داد مے چوں زد — عریان و گدا زیں مے با اطلس و اکسوں شد

. . . . . .

بنگر بولد از جاں آشفتہ و سرگرداں — چوں در طلب وصلش جان و جگرش خوں شد
زر دانہ درختے شد، زر معدنے بختے شد — زر سنگ چو گوہر شد، زر خطرۂ جیحوں شد

ماہِ ہفتم آسمانم، اے پسر بیدار باش — نور عرش و فرشیانم، اے پسر بیدار باش
جان و دل در تن نہاں شد وین عجب کز لطف تن — در دل و در جاں نہانم، ای پسر بیدار باش

. . . . . .

جوئے جانم زرہ بس نقشہا آرد پدید — در نشاں من بے نشانم، ای پسر بیدار باش

. . . . . .

شہر دل عشقست جاں در قلعۂ وصلش مقیم — پیش آں شہ ترجمانم، ای پسر بیدار باش

. . . . . .

گفتہ با تو بے زبانے ایں دلِ در عاشقی — ہمچو مہر و مہ اے پسر بیدار باش

مست عشقم اے پسر با خود نیم — عقلم از سر شد ندانم من کیم
من چہ دانم ہر کسے در چیست و کیست — چوں نمی دانم ز مستی من کیم
ہستی من نیست شد در عشق او — می نمایم چو سراب اما نیم

Marfat.com

چوں مرادِ من مرادِ یار شد — ہر چہ آید بر من از دے راضیم
گوید از مستی ولدؒ اندر فنا — ایں مۓ باقی کہ خوردم باقیم

گر طالب آں یاری رو خانہ تو ویراں کن — واندر عوضش خاں خوش بر سر کیواں کن
گر ہمچو زمستانی از عشق بہارے شو — واں گاہ ز ہر خارے صد گونہ گلستاں کن

. . . . . .

گرچہ کہ نہانی تو، خورشید جہانی تو — چرخے کہ بود جانے پیدا کن و گرداں کن
خواہی کہ شوی زندہ در دولت پائندہ — از جملہ سر خود را گل روئے برخاں کن
بر تخت ولدؒ جنیشیں با دولت و با تمکیں — ہر کہ شود دست بندہ ملکش دہ و سلطاں کن

گر بقدر درد دل افغاں جاں بالا شدے — سقف گردوں در شکستے محو و ناپیدا شدے
ور بقدر سوز سینہ اشک چشم آمدے — ویں زمیں را آب بردے سر بسر دریا شدے
در شدے واقف جہاں از شور و از غوغائے من — در ہم و در شور رفتے، خلق در غوغا شدے
گر دمے عشقم بگشتے آشکارا در جہاں — تر و خشک و زیر و بالا دالہ و شیدا شدے

. . . . . .

با چنیں عشقے بغایت گر شدے معشوق یار — زہر دل چوں شہد گشتے خار او خرما شدے
بحر رحمت جوش کردے جرمہا معفو شدے — زالہ ام مقبول گشتے کار من زیبا شدے
ذرہ ام خورشید گشتے بر چہارم آسماں — پشہ ام بر کوہ قافِ وصل چو عنقا شدے

. . . . . .

Marfat.com

گر ز مولاناؒ رسیدے ایں ولدؒ را جام جاں　　قطرہ اش در بحر معنی در بے ہمتا شدے

سلطان ولدؒ کے ایک فرزند چلپی جلال الدینؒ امیر عارف اور دو دختر مطہرہ خاتونؒ (عابدہ) و مشرفہ خاتون (عارفہ) شیخ صلاح الدین کی دختر فاطمہ خاتونؒ کے بطن سے تھیں، ایک فرزند چلپی شمس الدینؒ امیر عابد ایک سریہ نصرت خاتونؒ سے تھے اور دو فرزند چلپی صلاح الدینؒ امیر زاہد اور حسام الدینؒ امیر واجد ایک دوسری سریہ سنبلہ خاتونؒ سے تھے۔ ان میں سے امیر عابدؒ اور امیر واجدؒ (امیر عارفؒ) کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوے، امیر عارفؒ مولاناؒ کی زندگی ہی میں یوم سہ شنبہ[1] ۸ ذیقعدہ ۶۷۰ھ (۶ مئی ۱۲۷۲ء) کو متولد ہوے تھے، ان کے قبل سلطان ولدؒ (کے بارہ یا تیرہ لڑکے) ہوے اور سب ایام شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گئے، سلطان ولدؒ اس سے متالم تھے، امیر عارفؒ کی ولادت کے قبل ہی مولاناؒ نے آپ کی بشارت دی تھی، مولاناؒ نے شیخ صلاح الدینؒ کے نام پر آپ کا نام فریدون رکھا اور امیر عارفؒ ان کا خطاب اور اپنے لقب پر جلال الدینؒ لقب قرار دیا، اسی زمانہ میں یہ غزل کہی۔

مبارکباد بر ما ایں فریدون　　کہ گردد بادشاہ دیں فریدون

ز مادر زاد او روز سہ شنبہ　　بتاریخ سنہ سبعیں فریدون

بماہ ذوالقعدہ در ہشتم او　　بدو ساعت پس از پیشیں فریدوں

---

[1] افلاکیؒ نے "یکشنبہ" لکھا ہے مگر مولاناؒ کی غزل جو آگے منقول ہے، اس میں "سہ شنبہ" ہے، وزن کے اعتبار سے "سہ شنبہ" کے بجائے "یکشنبہ" آ بھی نہیں سکتا، اس لئے "سہ شنبہ" کو صحیح سمجھنا ناگزیر ہے۔

Marfat.com

چو گردد ہوشیار و سرفراز و | بدیں شعرم کند تحسینِ فریدوں
ہزاراں سال عمرش باد افزوں | تو ہم از جاں بگو آمیں فریدوں

(مناقب العارفین میں گیارہ شعروں کی یہ غزل ہے مگر کلیات میں نہیں ملی) بچپن میں امیر عارف کے گلے میں ورم ہو گیا تھا، کئی روز تک دودھ بھی نہ پی سکے۔ بالکل ناامیدی کی حالت میں سلطان ولدؒ آپ کو مولاناؒ کے پاس لائے، مولاناؒ نے قلم لے کر آپ کے گلے پر سات خط طول میں اور سات خط عرض میں کھینچے اور لکھا کہ "العاقل تکفیہ الاشارہ" اس کے بعد ہی آپ کو صحت ہو گئی، لوگوں نے اس کے معنی اپنے اپنے طور پر قرار دیئے، مگر جب انچاس برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا، اس وقت یہ راز منکشف ہوا کہ مولاناؒ کا اشارہ کس طرف تھا۔

آپ نے سلطان ولدؒ کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی عراق، آذربیجان، روم وغیرہا کے سفر بکثرت کئے اور سلسلۂ مولویہ کی اشاعت و تنظیم آپ کے ذریعہ سے بہت کچھ ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس سلسلہ کا باقاعدہ انضباط اور انتظام آپ ہی کی ذات سے ہوا۔

آپ نے روز شنبہ ۲۴ ذی الحجہ ۷۱۹ھ (۵ فروری ۱۳۲۰ء) کو رحلت فرمائی۔

آپ کے بعد آپ کے بھائی چلپی شمس الدینؒ امیر عابد آپ کے جانشین ہوے اور شعبان ۷۳۴ھ (اپریل ۱۳۳۴ء) میں انتقال فرمایا۔[1] (سپہ سالارؒ نے اپنا رسالہ آپ

---

[1] ۵ محرم ۷۳۹ھ (۲۴ نومبر ۱۳۳۸ء) فہرست کتبخانہ بانکی پور۔

Marfat.com

ہی کے زمانہ میں مرتب کیا تھا) ان کے بعد حسام الدینؒ واجد خلیفہ ہوئے، اور آخر شعبان ۷۴۲ھ / ۱۳۴۲ء میں انتقال فرمایا۔

ان کے بعد امیر عارفؒ کے بڑے صاحبزادے امیر عالم جانشین ہوئے، افلاکی کا سلسلۂ بیان یہاں پہونچکر ختم ہو جاتا ہے اور مولاناؒ کے سوانح کے ذیل میں امیر عارفؒ کے جانشینوں میں سے کوئی مولاناؒ کی زندگی میں متولد نہیں ہوا، لیکن یہ سلسلہ تا ایندم اسی خاندان میں قائم و برقرار ہے اور اس سلسلہ کے شیوخ "چلپی" کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔

Marfat.com

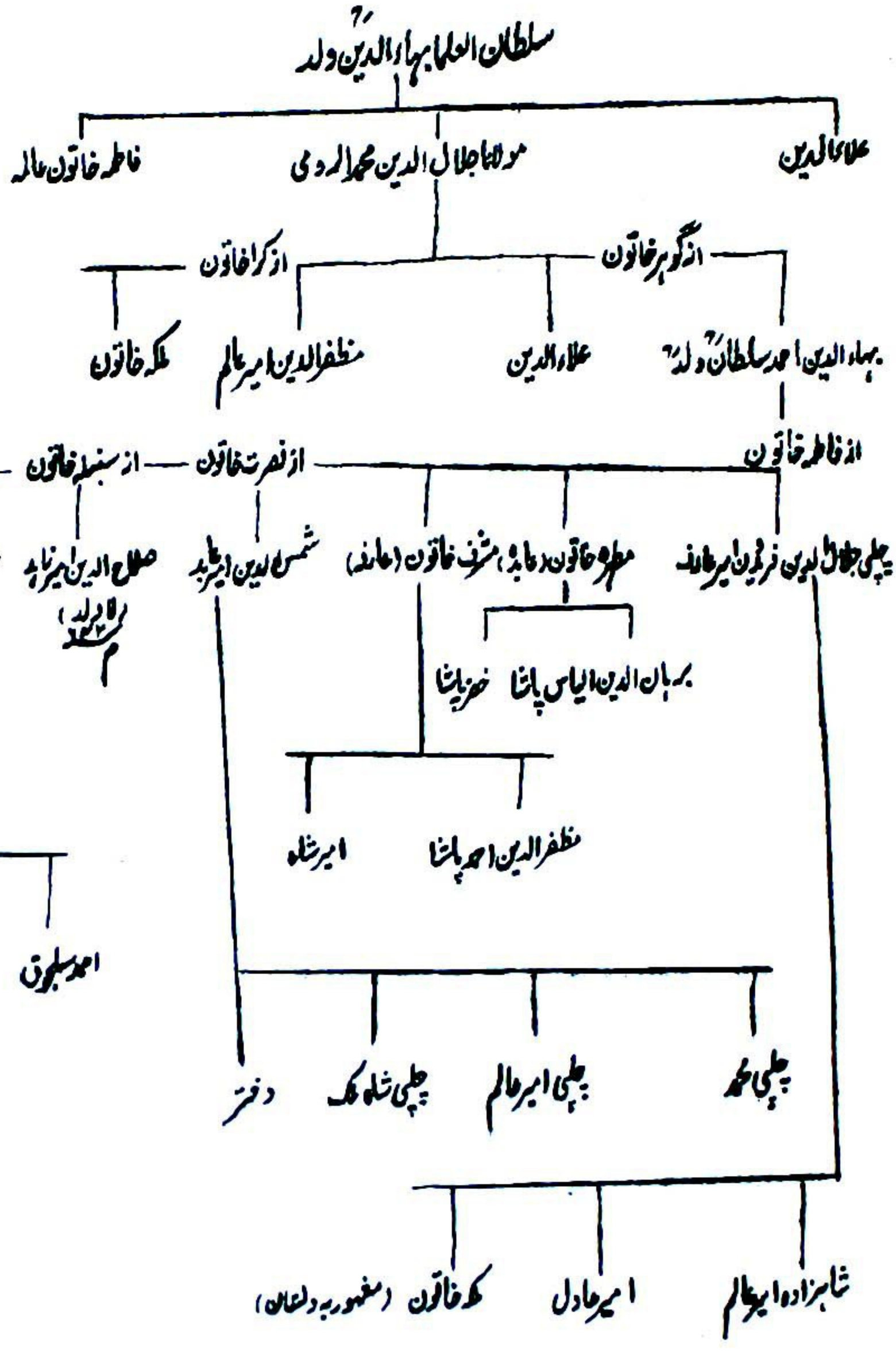
سلطان العلما بہاء الدین ولد
علاء الدین
مولانا جلال الدین محمد الرومی
فاطمہ خاتون عالمہ
از گوہر خاتون
از کرا خاتون
بہاء الدین احمد سلطان ولد
علاء الدین
مظفر الدین امیر عالم
ملکہ خاتون
از فاطمہ خاتون
از نصرت خاتون
از سنبلہ خاتون
چلپی جلال الدین فریدون امیر عارف
مطہرہ خاتون (عابدہ)
شرف خاتون (عارفہ)
شمس الدین امیر عابد
صلاح الدین امیر زاہد
حسام الدین امیر واجد
برہان الدین الیاس پاشا
خضر پاشا
امیر شاہ
مظفر الدین احمد پاشا
چلپی محمد
چلپی امیر عالم
چلپی شاہ ملک
دختر
شاہزادہ امیر عالم
امیر عادل
ملک خاتون (مشہور بہ دلشاد)
احمد سلجوق
دختر

Marfat.com

Marfat.com

فصل چہارم

Marfat.com

شمائل و فضائل

در جہاں گر عاشقے ہست اے مسلماناں منم　　کافرے یا مومنے یارا ہے ہست آن منم

مولاناؒ کے شمائل و فضائل کو تفصیلی اصناف میں تقسیم کر کے بیان کرنا تکلف سے خالی نہیں ہے اور اس کے لئے مواد بھی کافی موجود نہیں ہے۔ پس جو واقعات فراہم ہو سکے ہیں، انھیں اس ترتیب سے پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے کہ ان سے صاحب المثنوی کے چیدہ چیدہ (الف) عادات و خصائل (ب) محاسن اخلاق (ج) کمالاتِ صوری و معنوی پر کسی قدر روشنی پڑ سکے اور اس غلبۂ مادیت و افادیت کے زمانہ میں ایک صاحب باطن و پیرو سیرت محمدیؐ کے حالات سے روحانیت و فنائیت کا کچھ پرتو دلوں پر ضیا فگن ہو سکے

(الف) بعض عادات و خصائل

قد و قامت :- مولاناؒ خلقۃً قوی الجثہ اور زور آور شخص تھے۔ اکمل الدین: بڑی

Marfat.com

کی روایت ہے کہ سفر شام میں آپ نے ساربان کو ایک منزل میں اترنے سے منع کیا، اس نے نہ مانا، آپ نے اسے ایک گھونسہ مارا، وہ گر پڑا اور آپ اس کے دونوں کے ہاتھ باندھ کر اسے ایک فرسنگ تک اٹھا لے گئے اور وہاں قیام کیا، فرمایا کہ تجھے ہم پر رحم نہیں آیا تو اپنے اونٹوں پر بھی رحم نہیں آیا، جس جگہ تو ٹھہرنا چاہتا تھا، وہاں آج مغلوں کا لشکر قیام کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا[1]

فخر الدین دیودست کو آپ نے اپنا ایک پیرہن دیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا دامن تراش کر اپنے جسم کے مطابق بنایا، اگر فخر الدین کوتاہ قامت نہیں تھے تو ضرور ہے کہ مولانا دراز قامت تھے، مگر کثرت ریاضت سے آپ کے جسم میں نہایت ضعف آگیا تھا، ایک روز حمام میں آئے اور اپنے جسم کو ترحم کی نظر سے دیکھتے رہے۔ فرمایا کہ تمام عمر کسی سے شرمندہ نہیں ہوا ہوں مگر اپنے جسم لاغر سے نہایت شرمندہ ہوں "اما چہ کنم کہ آسائش من در رنج اوست" [2]

مثنوی شریف میں اس باب میں اشعار نہایت کثرت سے ہیں (ملاحظہ ہو حصہ دوم لحکم بحث تن و روح) از انجملہ ذیل کے دو شعر شروع ہی میں واقع ہیں۔

صحت ایں حس ز معموری تن — صحتِ آں حس ز تخریبِ بدن
شاہ جاں مر جسم را ویراں کند — بعد ویرانیش آباداں کند

رنگ۔

ایک روز مولانا قلعہ کی خندق کے قریب کھڑے ہوے تھے چند فقہا مدرسہ قراطائی

---

[1] مناقب ص ۲۵۷ [2] مناقب ص ۲۳۷

Marfat.com

سے آرہے تھے، انھوں نے ازراہ امتحان سوال کیا کہ سگِ اصحابِ کہف کا رنگ کیسا تھا؟ فرمایا کہ زرد تھا کیونکہ عاشق تھا اور عاشق کا رنگ زرد ہی ہوتا ہے جیسا کہ میرا رنگ ہے۔ سب نے سر جھکا دیئے[1]۔

مرا گر تو ندانی بپرس از شبہا　　بپرس از رخ زرد و خشکیٔ لبہا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ ریاضت کی وجہ سے مولانا کا رنگ زرد پڑ گیا تھا

خورشید

گرسنگی کو مولاناؒ نے اپنا خاص الخاص مسلک بنالیا تھا، مثنوی میں گرسنگی کے فضائل نہایت کثرت سے بیان فرمائے ہیں اور یہ جو کچھ لکھا ہے درحقیقت اپنا ہی حال ہے، گرسنگی کی حکمت و مصلحت کو جس تکرار کے ساتھ اور جس قدر مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا ہے، اس کے لئے درر الحکم میں گرسنگی کے بحث کو دیکھنا چاہیئے، مناقب العارفین میں (صفحہ ۲۲۱ و ۳۲۲) گرسنگی کے فضائل کے متعلق مولانا کے بہت طول طویل اقوال منقول ہیں جن میں گرسنگی کے فوائد و منافع پر ایک تفصیلی تقریر عربی میں بھی ہے۔ اور اس کے مطالب کو فارسی کیا ہے مگر ان مباحث کے دقیق ہونے اور نیز خوف طول کی وجہ سے انھیں نقل نہیں کیا گیا۔ یہاں صرف ایک غزل کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہوگا کہ دیوان بھی اس ترغیب و تحریص سے خالی نہیں ہے،

زہے حلاوتِ پنہاں دریں خلائے شکم　　مثال چنگ بود آدمی نہ بیش نہ کم

---

[1] مناقب ص ۱۷۲

Marfat.com

چنانکہ گر شکم چنگ پُر شود مثلاً — نہ نالہ آید ازان چنگ نہ زیر نہ بم
اگر ز روزہ بسوزد دماغ اشکم تو — بسوز نالہ برآید ز سینہ ات ہر دم
ہزار پردہ بسوزی بہر دمے زاں سوز — ہزار پایہ برآئی بہ ہمت و بقدم
شکم تہی شود ای نال ہمچو نے بہ نیاز — شکم تہی شو و اسرار گو بسانِ قلم
چو پر شود شکمت در زمان خمر آرد — بجائے عقل تو شیطاں بجائے کبہ منم

(ص ۵۷۲)

اپنے اصحاب کو بھی نہایت ہی شد و مد سے اس جانب توجہ دلایا کرتے تھے سلطان ولدؒ سے تو یہانتک فرمادیا کہ میرا مسلک بس یہی ہے کہ "کم خوردن بلکہ ناخوردن" اکثر کئی کئی دن بغیر کچھ کھائے ہوے سماع میں گزار دیتے تھے، جب کھاتے تھے، اس میں بھی نہایت اختصار مدنظر رکھتے تھے، بسا اوقات صرف دہی پر اکتفا فرماتے تھے اور اس میں چند دانے نمک کے ملا لیا کرتے تھے۔

فاطمہ خاتونؒ (اہلیہ سلطان ولدؒ) کی روایت ہے کہ ابھی میری نئی شادی ہوئی تھی کہ ایک روز مولاناؒ نے آکر پوچھا کہ گھر میں دہی ہے، میں نے کہا کہ ہے مگر نہایت کھٹا ہے، فرمایا لاؤ، میں نے ایک بڑے پیالہ میں لاکر پیش کیا، فرمایا کہ بیس دانے نمک کے کوٹ کر اس میں ملا دو تا لذیذ ہو جائے، پھر نصف شب کو آئے اور وہ دہی طلب کیا، اس میں کچھ باسی روٹیاں ملائیں اور کھانے لگے، میں نے جو اس دہی میں سے ذرا سا زبان پر رکھا تو زبان پر آبلے پڑ گئے، مگر مولاناؒ سب کا سب کھا گئے اور اس کے بعد نماز تہجد میں مشغول ہوے اور فجر تک نماز پڑھتے رہے[1]۔

---

[1] مناقب ص ۲۴۳ ص ۲۶۶

Marfat.com

ایسی ہی ایک روایت بہاء الدین بحری سے منقول ہے کہ مولاناؒ ایک مرتبہ آب گرم کو گئے تھے، میں بھی ساتھ تھا، مولاناؒ دس روز تک اسی آبگرم کے اندر رہے، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اتفاقاً ایک ترکی ایک بڑا پیالہ دہی کا لایا، مولاناؒ نے اس میں نمک ملائے اور اسی کو کھالیا پھر سماع میں مشغول ہو گئے۔ علہ

مولاناؒ اگرچہ خود بھی کم خور تھے اور اپنے مریدوں کو بھی کم خوری کی ہدایت فرماتے تھے۔ مگر کم خوری سے مقصود یہ تھا کہ ترقیِ باطن حاصل ہو، ایک مرتبہ فرمایا کہ غذا جس قدر چاہو کھاؤ مگر اپنے کو نگاہ رکھو کہ تمہاری قوت امور دنیا میں خرچ نہ ہو جائے بلکہ حصول حکمت و استماعِ کلامِ اولیا میں صرف ہو ؎

چونکہ لقمہ می شود در تو گھنہ — تن مزن چندانکہ بتوانی بخور
چونکہ در معدہ شود پاکت پلید — قفل نہ بر حلق و پنہاں کن پلید علہ

مثنوی شریف میں ایک حکایت کے ضمن میں راہِ اوسط کی تعریف کردی ہے۔

(ملاحظہ ہو حکایت تشنیع صوفیاں بر صوفیٔ بسیار خوار، دفتر دوم)

گفت راہِ اوسط ار چہ حکمت است — لیک اوسط نیز ہم بانسبت است
ہر کرا باشد وظیفہ چار ناں — دو خورد یا سہ خورد ہست اوسطاں
در خورد ہر چار دو راز اوسط است — او اسیر حرص مانندِ بط است

ایک روز یہ ذکر ہوا کہ تعجب ہے کہ درویش سے گناہ سرزد ہو، فرمایا کہ درویش کا گناہ

علہ مناقب ص ۲۴۳

علہ ؍ ص ۲۹۸

Marfat.com

یہ ہے کہ بغیر اشتہا کے کھانا کھائے، بے اشتہا کھانا درویش کے لئے گناہ عظیم ہے آدمی اگر انتہائی بھوک کی حالت میں زہر بھی کھالے گا تو وہ بھی گوارا ہو جائے گا اور سیری شکم کی حالت میں شکر بھی زہر کا کام دے گی، حالتِ اشتہا میں صاحبدل کے لئے ہر چیز مباح ہے ؎

تو صاحب نفسی ای عاقل میان لقمہ خون میخور　　کہ صاحبدل اگر زہری خورد آں انگبین باشد [1]

ایک روز فرمایا کہ انسان کے جسم میں تین ہزار سانپ ہیں، ایک لقمہ سے ہزار سانپ زندہ ہو جاتے اور تین لقموں میں سے اگر ایک لقمہ کم کر دو تو ہزار سانپ مرجاتے ہیں۔ [2]

مولاناؒ کی یہ تمام کم خوری و ناگوار خوری ریاضت کی بنا پر تھی، عجز کی بناء پر نہیں تھی، قدرت ولایت کا ایک کرشمہ ملاحظہ ہو۔

نورالدین کی روایت ہے کہ میرے وہاں سماع میں مولاناؒ نے سولہ روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا، عالم وجد میں رہے، پھر کھانا طلب کیا، لوگ لاتے تھے اور مولاناؒ کھاتے جاتے تھے، پچاس پیالے کھا گئے اور حالت میں کچھ فرق نہ ہوا [3]

---

[1] مناقب ص۲۹۸

[2] مناقب ص۲۰۵

[3] " " ص۱۸۹

Marfat.com

وہی کے علاوہ لہسن بھی آپ کو بہت پسند تھا اکثر کچے بھی کھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرتؐ حضرت علیؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ "کل الثوم" شاید اس میں کوئی حکمت ہو گی [1]

"فقاع" بھی آپ کی مرغوب اشیاء میں تھا، اسے آش جو سمجھنا چاہیئے جس میں شربت فواکہ شامل کر لیا گیا ہو۔

ایک روز فرمایا کہ اس عالم سے میں نے تین چیزیں اختیار کر لی ہیں، سماع، فقاع اور حمام [2]

مولاناؒ کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ ہمیشہ ہلیلہ زرد منہ میں رکھتے تھے، لوگوں نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں، چلپی حسام الدین کا خیال تھا کہ آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ منہ کا مزا شیریں رہے [3]

لباس :-

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ شمس الدینؒ کی غیبت ثانی کے بعد مولاناؒ نے لباس کی وہ خاص وضع اختیار فرمائی تھی جو آپ کے فرقہ کا شعار ہو گیا، اس وضع خاص میں قمیص کے آگے سے کھلے ہونے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ راستہ چلتے سائل مل جاتے اور کچھ نہ

---

[1] مناقب ص ۱۱۶ [2] مناقب ص ۲۴۳ منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے دنیا سے تین چیزیں اختیار کر لی ہیں، عورت، خوشبو، اور نماز (وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ) پس مولاناؒ نے اس سے زاید دنیا سے جو کچھ اختیار کیا وہ بھی تین چیزیں تھیں جنہیں حظ نفس کو بہت کم دخل تھا۔
[3] سپہ سالار ص ۴۴۷، مناقب ص ۲۱۰

Marfat.com

ہوتا تو مولانا کپڑے اتار کر دیدیا کرتے تھے اور اسی غرض سے قمیص آگے سے کھلی ہوتی تھی کہ اتارنے میں دقت نہ ہو، اس کے سوا آپ کی عادت میں یہ بات بھی داخل تھی کہ سماع میں جب وجد میں آتے تو کپڑے قوالوں کو دیدیا کرتے تھے، آپ کے مخلصان خاص میں ایک صاحب خواجہ مجدالدین تھے، ان کے پاس جو کچھ تھا سب مولاناؒ پر فدا کر دیا تھا مگر کپڑوں کے کئی صندوق رکھے ہوئے تھے، جب مولاناؒ حالتِ وجد میں کپڑے قوالوں کو دیدیتے تو فوراً دوسرے کپڑے حاضر کر دیتے تھے۔ [1]

برکت اخلاص:۔

مجدالدین کے پاس بکریاں بہت تھیں، مغلوں کی شورش کے زمانہ میں بہت مشوش ہوئے کہ کیا کروں، مولاناؒ سے عرض کیا، فرمایا کچھ فکر نہ کرو، ایسا ہی ہوا کہ مغول حوالی قونیہ سے تمام مویشی ہانک لے گئے مگر مجدالدین کی ایک بکری بھی ضائع نہیں ہوئی۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت سماع میں مولاناؒ اکثر آستین چڑھائے رہا کرتے تھے جس کا خاص مقصود آپ ہی نے بیان فرمایا ہے، چنانچہ ایک روز عین حالت سماع میں آپ نے خواجہ نفیس الدین کا گریبان پکڑ لیا اور پوچھا کہ اگر کوئی تم سے سوال کرے کہ مولاناؒ آستین کیوں چڑھائے رہتے ہیں تو کیا جواب دوگے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ فرمائیں، کہا کہ تمام دنیا مثل خانقاہ کے ہے اور شیخ حقیقی خدائے تعالیٰ ہے تمام انبیا اولیا اور خواص امت مثل مسافر صوفیوں کے ہیں، اگر کوئی مسافر صوفی خانقاہ میں آئے تو دیکھے گا

---

[1] مناقب ص ۱۵۲

Marfat.com

کہ آستین کون چڑھائے ہوئے، سمجھ لے گا کہ یہ خادم ہے، پس اس وقت میں خانقاہ عالم کا خادم ہوں [1]

اثاث البیت :۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ فضول خرچی اثاث البیت وغیرہ میں ہے، کھانے میں فضول خرچی نہیں ہے، پس مولانا جب کھانے تک میں تنوع روا نہ رکھتے تھے تو ساز و سامان میں کب اسے جائز رکھتے، حالت یہ تھی کہ آپ کی محفل میں چراغ کے سوا شمع نہیں جلتی تھی۔ [2]

تکلف سے بیزاری :۔

مولاناؒ کے خورد و نوش، ساز و سامان کی جو حالت تھی وہ بیانات مذکورۂ بالا سے واضح ہو چکی ہے ایسی حالت میں تکلف کی گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے اور اگر کچھ گنجائش ہو بھی تو مولاناؒ خود اس سے بیزار تھے، مولاناؒ اگرچہ اہل دنیا کی آرائش و زیبائش اور اظہار تموّل کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ مصالح مسلمین کے اعتبار سے اسے مفید سمجھتے تھے مگر خود ان باتوں سے کوسوں دور تھے اور اپنے اصحاب خاص کے لئے بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سلطان ولدؒ دستار باندھ رہے تھے، کنارہ ٹھیک نہیں بیٹھا، کھول کر پھر سے باندھنے لگے، مولاناؒ نے فرمایا کہ بہاء الدین دوبارہ نہ باندھو اور تکلف در عوفت میں نہ پڑو، میں نے بھی جوانی میں ایک مرتبہ دستار کو دو بارہ باندھا تھا، حضرت خضر نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا اور مدت تک ان کی صحبت سے

---

[1] مناقب ص ۱۳۲

[2] " ص ۲۰۸

Marfat.com

ضمیمہ دُوم

اقتباس حالاتِ مولانا

از

مثنوی سلطان ولدؒ

Marfat.com

محروم رہا، سلطان ولدؒ پر اس کہنے کا اس قدر اثر ہوا کہ اس کے بعد سے آپ نے اپنے ہاتھ سے دستار کا باندھنا ہی ترک کر دیا، دوسرے لوگ جس طرح باندھ دیتے تھے آپ اسی طرح سر پر رکھ لیتے تھے۔[1]

"حمام" چشمۂ آب گرم۔

سماع کے بعد اگر مولاناؒ کو کسی شئے سے اگر دلی رغبت تھی تو وہ "حمام" تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سماع سے جب فارغ ہوتے حمام میں چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن وہیں گزار دیتے تھے، حقائق و معارف کے بیان کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہتا تھا، بسا اوقات سب سے الگ ہو کر مشاہدات میں غرق ہو جاتے، اس حالتِ استغراق میں کبھی کبھی پانی کے حوض میں جا بیٹھتے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سماع اور شب بیداری کی تھکن رفع کرنے کے لئے مولاناؒ حمام میں جایا کرتے تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ریاضت سے خالی نہیں تھا۔ [اولیاء اللہ کے حالات و عادات بھی کچھ عجیب حیرت افزا ہیں، ایک طرف مولاناؒ کی یہ حالت تھی کہ حمام سے گویا آپ کو عشق تھا اور دوسری طرف خراسان میں ایک دوسرے بزرگ عبداللہ بن المبارک (۱۱۸ھ - ۱۸۱ھ) کا حال یہ تھا کہ ساری عمر کبھی حمام میں نہ گئے]

مولاناؒ جب حمام میں جانے لگتے تو اکثر آپ کی حرم محترم کے خاتون آپ کے اصحاب سے یہ فہمائش کر دیا کرتی تھیں کہ مولاناؒ کا خیال رکھیں کیونکہ خود آپ کو اپنی ذات کی مطلق فکر نہ تھی، احباب قالین اور عرق چین ہمراہ لے جاتے، قالین سردابہ میں بچھا دیا کرتے

---

[1] مناقب ص ۲۶۳

Marfat.com

تھے۔ مولاناؒ کبھی کبھی وہاں آرام کرتے اور کبھی کبھی پیر بھی دبوالیا کرتے تھے لیکن اتنی آسائش بھی گوارا نہیں تھی، ایک روز عین جاڑوں کے موسم میں حمام کے اندر گئے اور فوراً ہی نکل کر باہر چلے گئے، آپ کے احباب پیچھے پیچھے پہنچے، دیکھا کہ برف پر کھڑے ہیں اور سر پر برف رکھے ہوئے ہیں، لوگوں نے فریاد شروع کی، فرمایا کہ "نفسم بدی آموزو گستاخ می شود للہ الحمد دیدنم از آل فرعون نیم از آل پادشاہیم کہ سلطان فقرا بود" فوراً ہی دستار و فرجی پہن کر روانہ گئے[1]۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حمام بھی آپ نے حظ نفس کیلئے نہیں اختیار کیا تھا اور نفس کی تادیب کے نسبت تو جسقدر اشعار مثنوی میں ہیں ان سے ایک پورا دستور العمل بن سکتا ہے اور مولاناؒ نے قولاً جو کچھ کہا ہے عملاً اس سے زیادہ کرتے تھے۔

قونیہ سے قریب آب گرم کا ایک چشمہ تھا، مولاناؒ عادتاً سال میں ایک بار وہاں بھی جایا کرتے تھے، چالیس پچاس دن قیام کرتے[2] اس موقعہ پر آپ کے اصحاب بھی ساتھ ہوتے تھے۔ یہ مختصر سفر و قیام بھی وعظ و تذکیر سے خالی نہیں رہتا تھا۔

چلپی حسام الدینؒ اور بعض دیگر اصحاب کے باغ میں بھی کبھی کبھی تشریف لے جاتے اور ایک آدھ دن قیام فرماتے تھے، اسے اگر تفریح کہا جائے تو آپ کی تفریح جو کچھ تھی بس یہی تھی۔

شہرت سے اجتناب:۔

مولاناؒ کو شہرت اور جاہ طلبی سے نہایت استکراہ تھا، حالاتِ سفر میں ذکر

---

[1] مناقب ص ۷۹-۸۰

[2] " ص ۱۰۸

Marfat.com

ہو چکا ہے کہ حلب سے اسی وجہ سے چلے گئے تھے کہ لوگوں میں شہرت ہو گئی تھی [1] مگر معلوم ہوتا ہے کہ قوانین ولایت میں یہ بھی ایک قانون ہے کہ جو اولیاء اللہ شہرت سے جتنا ہی بھاگتے ہیں اتنی ہی ان کی شہرت زیادہ ہوتی ہے، یہی حال مولانا کا تھا، ایک روز مولانا اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ جب سے میری شہرت ہوئی اور لوگ میرے زیارت کو آنے لگے میں ایک آفت میں مبتلا ہو گیا ہوں، سچ فرمایا ہے آنحضرت صلعم نے کہ "الشہرۃ آفۃ والراحۃ فی الخمول" مگر کروں کیا حکم خدا یوں ہی ہے اپنے اصحاب کو بھی آفت شہرت سے محترز رہنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے [2]

خویش را بخور سازی زار زار　　تا ترا بیروں کنند از اشتہار
کاشتہار خلق بند محکم است　　درّہ ایں از بند آہن کے کم است

مثنوی شریف کے علاوہ دیوان میں بھی نہایت کثرت سے اس جانب اشارہ فرمایا ہے، پچھتر قصیدی غزلوں کے آخر میں خود اپنے نفس سے خاموش رہنے کا خطاب کیا ہے تا آنکہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ "خاموش" مولانا کا تخلص تھا فرماتے ہیں کہ

خاموش نشیں و مستمع باش　　نے واعظِ خلق شو، نہ قاری

(ص ۹۶۶)

یہاں ایک خدشہ یہ لاحق ہوتا ہے کہ جب مولانا شہرت کو اس درجہ ناپسند کرتے

---

[1] مناقب ص ۵۴

[2] " ص ۱۳۳

Marfat.com

تھے تو گوشۂ خمول کیوں نہیں اختیار کر لیتے تھے، یہ بجائے خود ایک نازک مسئلہ ہے۔ جس کا ایک مقبولۂ عام جواب تو یہ ہے کہ اصحاب باطن جب درجۂ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو انھیں اس شہرت و اختلاط سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا، اولیاءُ اللہ کے ذکر میں مولاناؒ نے مثنوی شریف میں خود فرمایا ہے کہ ؎

پیش خلق ایشاں فراز صد کہ اند　　گام خود بر چرخ ہفتم می نہند
پس چرا پنہاں شود کہ جو بود　　کہ ز صد دریا دکہ آنسو بود

دوسرا جواب مسلّمۂ خاص یہ ہے کہ اولیاءُ اللہ کا اظہار و استتار دونوں حکم خداوندی کے تابع ہے، جن افراد سے عام نفع رسانی متصور ہوتی ہے، انھیں اخفا کی اجازت نہیں ہوتی، اگر مخفی ہونا چاہیں تو بھی نہیں ہو سکتے، جن سے خاص نفع رسانی مقصود ہوتی ہے، انھیں پردۂ خفا میں رکھا جاتا ہے اور وہ زمرۂ اولیاء مستورین ہوتے ہیں ؎

قوم دیگر سخت پنہاں میروند　　شہرۂ خلقان ظاہر کے شوند

مولاناؒ صف اول میں تھے، حضرت شمس تبریزؒ صف دوم میں۔

مولاناؒ اگرچہ شہرت سے اس درجہ کارہ تھے مگر خود نفس انقطاع کے متعلق آپ کا جو خیال تھا وہ واقعۂ ذیل سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔

مولاناؒ کے والد سلطان العلماء کے شاگردوں میں ایک صاحب خواجہ فقیہ احمد تھے، ہدایہ پڑھتے تھے۔ ایک روز اسی ضمن میں سلطانؒ العلماء نے ایسے معانی و معارف ارشاد فرمائے کہ فقیہ گھبرا اٹھے، کتابیں آگ میں ڈالدیں اور گورستان کی راہ لی، جبتک سلطانؒ العلماء زندہ رہے قونیہ میں نہیں آئے، آپ کی رحلت کے بعد شہر کے ایک دروازہ میں بیٹھے رہا کرتے تھے، بہت مشہور ہو گئے تھے، مولاناؒ کو جب

Marfat.com

آتے دیکھتے بیساختہ شور مچاتے مگر مولاناؒ نظر بچا جاتے اور فرماتے کہ "وہ اہل اقتدار میں سے نہیں ہیں، مقتدی مخلص وہ ہے جو بجمیع الوجوہ اپنے مقتدا کی متابعت کرے، یہ صاحب یکہ و تنہا اپنی کملی بچالے گئے اور نجات پا گئے ہیں، ایسے لوگوں کو عالم غریب اہل فستور کہتے ہیں" (فقیہ کا جب انتقال ہوا، مولاناؒ کو از روے کشف اس کی اطلاع ہو گئی۔ زبان مبارک سے نکلا کہ "روح پاک فقیہ را ملائکہ کرام بآسماں میبرند" پھر جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھی[1] اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولاناؒ اگرچہ ایسے لوگوں کے منکر نہیں تھے مگر اپنی تنہا جانبری کے بہ نسبت خدمت خلق کو مقدم سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس تمام استکراہ و اجتناب کے باوجود آپ خلق سے کنارہ کش نہیں ہوتے تھے اور ہمہ وقت فیض رسانی عام میں مشغول رہتے تھے۔

ازدحام سے گریز:۔

بایں ہمہ ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے، مولاناؒ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے تا امکان لوگوں سے ملتے مگر جب کثرت ازدحام سے پریشان ہو جاتے تو کہیں روپوش ہو جایا کرتے، اکثر حمام میں جا بیٹھتے تھے، وہاں بھی لوگ جمع ہو جاتے تو خزانہ آب میں گھس جاتے ایک مرتبہ تین دن تک خزانہ آب میں بیٹھے رہے، تیسرے دن چلپی حسام الدینؒ نے بہت عجز و الحاح کی جب باہر نکلے، نہایت ہی کمزور معلوم ہوتے تھے چلپیؒ نے عرض کیا کہ ضعف نہایت ہو گیا ہے ..... اگر ہم بے چاروں کی خاطر سے تقویت کی کچھ فکر فرماتے تو کیا مضائقہ ہے، فرمایا کہ پہاڑ ایک مرتبہ کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا، میرا یہ ضعیف جسم

---

[1] مناقب ص ۲۵۱-۲۵۲

Marfat.com

تین دن کے اندر سترہ مرتبہ کی تجلی کو کس طرح برداشت کرے[1]۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ حالت استغراق میں شراب خانوں میں جا کر بیٹھ رہا کرتے تھے تا لوگوں کو خبر نہ ہو اور وقت خراب نہ کریں مگر جس شراب خانہ میں اس طرح وارد ہونے کا اتفاق ہوتا، امرا و اکابر اسے مسجد بنا دیتے تھے[2]، مولاناؒ نے متعدد غزلوں میں خود اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

در خانۂ خمار و خرابات کہ دیدا ست — معراج و تجلی و مقامات فندی

در کوئے خرابات مرا عشق کشاں کرد — واں دلبر عیار مرا دید نشاں کرد[3]

دیوان میں ایک کثیر تعداد ایسی غزلوں کی ہے جن کا مطلع "باز آمدم باز آمدم" سے شروع ہوتا ہے، یہ غزلیں تمام تر ایسے ہی مواقع پر لکھی گئی ہیں۔

---

[1] سپہ سالار ص۵۳ مناقب ص۲۰۵

[2] جہاں ہم خشتِ خم رکھدیں بنائے کعبہ پڑتی ہے — جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے (ریاض)

[3] سپہ سالار ص۲۴۸۔ یہ آخری شعر ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔

ایک مرتبہ مولاناؒ نے وعظ کا وعدہ فرمایا تھا، لوگ وقت مقررہ پر جمع ہو گئے اور مولانا کا کہیں پتہ نہ تھا، بہت جستجو کے بعد سراغ لگا کہ ایک شراب خانہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، چپی حسام الدینؒ گئے اور وہاں سے لائے، آپ بعد نماز منبر پر تشریف لائے اور یہ دو شعر پڑھے ؎

اے خوشا شب کز وصال یار ارادوش بود — مشتری در طالع و خورشید در آغوش بود

ہر قدح کز مے بمن دادے بگفتے ہوش دار — اے مسلماناں [illegible] حالت چہ جائے ہوش بود

Marfat.com

مولاناؒ کا یہ تمام گریز زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ آپ اپنے حق میں لوگوں کی تعظیم و تکریم کو ناپسند کرتے تھے، ایک روز تنہا کسی طرف کو چلے جارہے تھے، شیخ بدرالدین نقاش اور مولانا سراج الدینؒ تبریزی بھی اسی طرف جارہے تھے مگر مولاناؒ کو تنہا دیکھ کر دور ہی دور رہے، مولاناؒ نے پلٹ کر دیکھا، ان لوگوں پر نظر پڑی تو فرمایا کہ تم لوگ تنہا آؤ، میں کثرت کو پسند نہیں کرتا اور خلق سے میرا یہ تمام گریز شوئی دستبوس اور سر جھکانے کی وجہ سے ہے۔ مولاناؒ اس تعظیم سے بہت رنجیدہ ہوتے تھے لیکن خود لوگوں کی تعظیم و توقیر میں کمی نہیں کرتے تھے [1]

غیرت :-

غیرت کا مادہ مولاناؒ میں بہت زیادہ تھا، مثنوی شریف میں مولاناؒ نے خود اس کی توجیہ فرمائی ہے کہ ع ہرکہ زیبا تر بود در شکس فزوں

جس قدر کمال زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر غیرت بھی زیادہ ہوتی ہے، سلطان رکن الدین کا واقعہ دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ اس نے پہلے مولاناؒ کو اپنا باپ کہا تھا، پھر ایک دوسرے درویش شعبدہ باز کے نسبت ایسا ہی کہا تو مولاناؒ نے اسی وقت فرمادیا کہ انھوں نے دوسرے کو اپنا باپ بنایا ہے تو میں کسی دوسرے

(بقیہ حاشیہ ص۳۱۸)

جذب روحانی کا اثر تھا کہ لوگ انھیں دو شعروں میں مست ہو گئے اور مجلس میں شور و فغاں برپا ہو گیا (آگے چل کر دیوان کی بحث میں معلوم ہوگا کہ مولاناؒ کے اشعار محض خیال آرائی پر مبنی نہیں ہوتے تھے، اکثر و بیشتر غزلیں کسی نہ کسی واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔)

[1] مناقب ص۱۱۸

Marfat.com

کو بیٹا بنالوں گا، اسی طرح جب مولانا کی اہلیہ کرا خاتونؒ بعض دوسرے مستورات کے کہنے سے ایک درویش کے کرامات کا مشاہدہ کرنے گئیں تو مولاناؒ ان سے نہایت ناخوش ہوگئے، اس غیرت ہی کا اثر تھا کہ مولاناؒ کی طبیعت میں یہ مرکوز ہو گیا تھا کہ آپ ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف التفات خاص نہیں رکھتے تھے، اسمیں اس حد تک غلو تھا ایک روز سلطان ولدؒ سے فرمایا کہ شیخ صلاح الدینؒ کے سامنے شمس الدینؒ کا تذکرہ نہ کیا کرو اور چلبی حسام الدینؒ کے روبرو شیخؒ کا تذکرہ درمیان نہ لایا کرو، اگرچہ ان کے انوار میں اتحاد کلی ہے اور کوئی فرق فیمابین نہیں ہے مگر غیرت الٰہی کارفرما ہے، پس ایسا نہ کرنا چاہیئے، ادب شیخؒ اس کا مانع ہے،

غیرت عقل است بر خوبی روح　　پُر ز تمثیلات و تشبیہ ای نصوح

سلطان ولدؒ کی یہ بھی روایت ہے کہ دمشق میں مولاناؒ کے ایک خاص دوست حمید الدینؒ تھے، آپ بھی اولیاء کاملین میں سے تھے، جب مولاناؒ دمشق سے روم کی جانب روانہ ہونے لگے تو میں نے (سلطان ولدؒ) کہا کہ شیخ حمید الدینؒ کو بھی ساتھ لیتا چلوں۔ فرمایا کہ وہاں ہمارے شیخ صلاح الدینؒ موجود ہیں، ان کا وہاں سے چلنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ دو ولی مثل دو شیروں کے ہیں، ایک جگہ نہیں رہ سکتے، میں نے پوچھا کہ تو پھر خود جناب دونوں سے کس طرح نباہ کر سکتے ہیں، فرمایا کہ "پدر مشفق با ہمہ فرزندان خود میتواند ساختن، امّا فرزندان با ہمدگر نسازند"[1]

سخت کلامی :۔ مناقب العارفین کی بعض روایتوں کے پڑھنے سے بادی النظر

---

[1] ذکر شیخ صلاح الدینؒ (نسخہ قلمی ص ۴۳۹)

Marfat.com

میں یہ گمان ہوتا ہے کہ مولانا ایسا اوقات سخت و درشت الفاظ استعمال کیا کرتے تھے مثلاً غرخواہر[1] بے ادب، گستاخ، خربے تمیز، نامرد لیکن اس قسم کی تمام روایتوں کے استقصا سے صاف یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کہیں ایک جگہ بھی اپنے ذاتی معاملہ سے متعلق کوئی سخت لفظ نہیں استعمال کیا ہے، اس قسم کے الفاظ ہمیشہ ایسے ہی مواقع پر آپ کی زبان سے نکلے ہیں جب کسی نے اہل طریقت اور بالخصوص آپ کے اصحاب کے نسبت کوئی ناواجب بات کہی ہے، چونکہ آپ کی طبیعت نہایت زود اثر واقع ہوئی تھی اس لئے جب ایسی باتیں سنتے تھے جوش میں آجاتے تھے اور بیساختہ اس قسم کے الفاظ آپ کی زبان سے صادر ہو جاتے تھے لیکن جب گہری نظر سے دیکھا جائے تو اول تو اس قسم کے الفاظ کہ آنجا مقصود ان کے حقیقی معنی نہیں ہوتے تھے (مثنوی شریف کی بحث تخاطب کو دیکھیں تو بہت سے الفاظ ایسے ملیں گے جو کریہہ و سخت ہیں مگر مقصود ان سے محض خطاب ہے) دوسرے یہ کہ اہل اللہ کی زبان سے اس قسم کے جو الفاظ نکل جاتے ہیں ان کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے ؎

کفر و ایماں نیست آں جائے کہ اوست زانکہ او مغز است ایں دو رنگ و پوست

اولیاء اللہ اس سے بالاتر ہیں کہ کسی پر عیب لگائیں لیکن اگر فی الحقیقت مقصود عیب ہی ہوتا ہے تو یا تو وہ عیب اس شخص میں واقعاً موجود ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے تو اولیاء اللہ کے زبان سے ارادۃً اس قسم کے الفاظ نکل جانے سے لاحق ہو جاتا ہے

---

[1] افلاکی نے لکھا ہے کہ مولانا جب کسی سے رنجیدہ ہوتے اور رنجیدگی حد سے بڑھ جاتی تو اسے "غرخواہر" کہکر مخاطب کرتے جسکی وجہ یہ ہے کہ خراسان میں عام طور پر ایسا ہی کہتے ہیں: مناقب ص ۹۵

Marfat.com

ہر چہ گوید مرد عاشق بوئے عشق — از دہانش می جہد در کوئے عشق
گر بگوید فقر قصہ، آید ہمہ — بوئے فقر آید ازاں خوش دمدمہ
در بگوید کفر دارد بوئے دیں — آید از گفتِ شکش بوئے یقیں

خود مولانا کی نسبت متعدد روایتیں اس قسم کی منقول ہیں کہ آپنے بعض اشخاص کی نسبت بعض الفاظ استعمال کئے، واقعی ان کا وہی حال ہوا ایک بہت تفصیلی روایت شیخ ناصر الدینؒ کی نسبت مناقب العارفین کے صفحہ (۱۱۷) پر منقول ہے کہ انھوں نے مولاناؒ کو دور سے دیکھ کر اپنے مریدوں سے کہا کہ یہ شخص کس قدر تاریک صورت اور باریک طریقت رکھتا ہے، دستار خانی اور فرجی کبود پہن لی ہے، معلوم نہیں سیرت کیسی ہے اور طریقت کیا ہے اور ان کا خرقہ کس شخص تک پہنچتا ہے؟ مولانا کو بھی از روئے کشف معلوم ہوگیا، فرمایا کہ "اے خوبے تیز" ناصر الدین کا حال اسی وقت سے نہایت زبوں ہوگیا۔

شگون :۔

مولاناؒ شگون وغیرہ کے قائل نہیں معلوم ہوتے، جب آپ اظہار اعتقاد علی اللہ کے لئے ایسے امور اپنے اوپر گوارا کر لیتے تھے جو قواعد طبی کے مطابق صریحی مہلک ہوں تو شگون کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہو سکتی تھی، روایت ہے کہ مولاناؒ ایک روز پیراہن پہنے ہوئے تھے اور آپ کی حرم محترم اس میں ایک بند ٹانک رہی تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ کپڑے پہنے ہوئے ٹانکنا نہ چاہئے اگر ایسا اتفاق ہو

Marfat.com

تو کوئی چیز منہ میں رکھ لینا چاہیے، یہ خیال خاتون محترم کے دل میں گزرا، مولاناؒ نے فرمایا کہ خیر فکر نہ کرو، میں نے قل ہو اللہ احد کو منہ میں رکھ لیا ہے [1]

اہل وعیال کی محبت۔

محبت مولاناؒ کے خمیر میں داخل تھی۔ اپنے اصحاب ومریدین کے ساتھ مولاناؒ کو جو انس تھا اس کا بیان دوسرے مواقع پر ہوا ہے، اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھی آپ کی محبت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

سلطان ولدؒ سے آپ کو خصوصیت کے ساتھ جو الفت تھی وہ آپ کے تمام سوانح سے ظاہر ہے، ان کی ادنیٰ آزردگی بھی آپ کو گوارا نہ تھی اور ان کے دل خوش کرنے کے لئے آپ اکثر ایسے دلچسپ پیرایہ اختیار کرتے تھے کہ روتا ہوا آدمی بھی ہنس دے، ادھر منقول ہو چکا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان ولدؒ کے بھائی علاء الدینؒ نے ان کے کچھ دینار نکال لئے تھے، سلطان ولدؒ ان پر ناخوش ہو رہے تھے مولاناؒ نے فرمایا کہ "علیٰ جر نہ کرے تو کیا کرے" [2] (علیٰ حرف جر ہے اور جر کے معنی کشش کے بھی ہیں)

بعض اوقات خود اپنے وقار کا بھی خیال نہیں فرماتے تھے، چنانچہ حضرت سلطان ولدؒ ہی کی روایت ہے کہ ایک روز میں سخت افسردہ تھا، مولاناؒ مدرسہ سے آئے تو فرمایا کہ تم کس سے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر بل پڑے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا کہ

---

[1] مناقب ص ۱۴۹

[2] ص ۲۶۹

Marfat.com

پ کچھ معلوم نہیں کہ کیوں میری یہ حالت ہے؟ اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بھیڑیئے کا چمڑا سر اور منہ پر ڈالے ہوئے نکلے اور میرے نزدیک پہنچکر "بع بع" کرنے لگے، گویا مجھے ڈراتے تھے، مجھے سخت ہنسی آئی، فرمایا کہ "بہاء الدین اگر کوئی شخص ہمہ وقت تمہارے ساتھ رہتا ہو اور دفعتہً اپنی صورت بدل کر آئے اور تمہیں ڈرائے تو ڈر نہ معلوم ہوگا" میں نے کہا نہیں، فرمایا کہ "جو تمہیں ہمیشہ خوش رکھتا تھا کیونکر ہو سکتا ہے وہ تمہیں غمگین کرے" میری طبیعت کشادہ ہوگئی اور پھر مجھے کبھی انقباض نہ ہوا۔

چوں لباس قہر پوشد چو شہر بشناسش — چوں بدیں شیوہ بر ما بارہا مست آمدست[1]

علیٰ ہذا مولاناؒ کی صاحبزادی ملکہ خاتون نے ایک مرتبہ اپنے شوہر خواجہ شرف الدین کے بخل کی شکایت کی، فرمایا کہ اچھا کرتا ہے، اگر ممسک مال جمع نہ کریں تو دنیا کا مال کیسے جمع ہو، پھر ایک دولتمند بخیل کی حکایت بیان کی کہ نماز جماعت کے لئے مسجد میں گیا تھا، اتفاق سے خیال آیا کہ شاید چراغ بے سرپوش رہ گیا ہے، فوراً مکان کو آیا اور لونڈی کو آواز دی کہ دروازہ نہ کھول مگر چراغ پر سرپوش رکھدے، لونڈی نے پوچھا کہ دروازہ کیوں نہ کھولوں کہا دروازہ کی جھول نہ گھسے، لونڈی نے کہا آپ اتنا راستہ طے کرکے آئے آپکے جوتے نہ گھسے، کہا جوتہ بغل میں لیکر آیا ہوں، صاحبزادی یہ سن کر ہنس دیں اور ان کے دل کو اطمینان ہوگیا[2]

فاطمہ خاتونؒ (زوجہ سلطان ولدؒ) کی جس درجہ دلداری کرتے تھے وہ اس خط سے واضح

---

[1] مناقب ص۱۳۰

[2] " ص۱۹۱-۱۹۲

Marfat.com

ہے جو سلطان ولدؒ کی رنجیدگی کے اشتباہ کی حالت میں فاطمہ خاتونؒ کو لکھا تھا،

حبّ وطن۔

مولاناؒ نے (بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت سلطان العلماء نے) بلخ کو ترک کرنے کے بعد قونیہ کو اپنا وطن بنایا تھا اور آج تک آپ کا سلسلہ ظاہری و باطنی وہاں جاری ہے، اس وطن پذیری کے بعد آپ کو اہل روم کے ساتھ بالعموم اور اہل قونیہ کے ساتھ بالخصوص محبت و الفت کا ہو جانا طبعی امر تھا۔ قونیہ کو آپ خاص اپنا شہر سمجھتے اور اسے اپنی "ولایت" میں تصور فرماتے تھے، آگے چل کر کرامات کے ذیل میں ذکر ہوگا کہ باجوخاں کے حملہ کے وقت آپ نے بذات خاص قونیہ کی حفاظت میں مدد فرمائی اور کیقاؤ خاتون کے محاصرہ کے وقت آپ کے روحانی تصرف نے شہر کو بچایا۔

یہ بار بار ذکر ہو چکا ہے کہ "محبت" مولاناؒ کے سرشت میں داخل تھی، پھر کیونکر ممکن تھا کہ اپنے وطن جدید سے آپ کو محبت نہ ہوتی، روم اور قونیہ کا جب ذکر آتا نہایت محبت آمیز الفاظ استعمال فرماتے تھے، مناقب العارفین میں اس قسم کی متعدد روایتیں منقول ہیں اور ضمنی طور پر تو بہت کثرت سے ایسے جملے اور فقرے مل سکتے ہیں جن سے اس ملک و شہر کے متعلق مولاناؒ کے لطف آمیز خیالات کا اندازہ ہو سکے، مگر ان سب کا احصاء دشوار ہے، یہاں صرف چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں جن سے اس باب میں مولاناؒ کے خیالات کا کچھ سرسری اندازہ ہو سکے گا۔

ایک روز مولاناؒ حقائق و معارف کے بیان میں سرگرم تھے، اس ضمن میں فرمایا کہ اہل روم

علہ مناقب ص ۱۵۲-۱۵۴ باجوخاں کے متعلق فصل پنجم دیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

پر خدائے تعالیٰ کی عنایت عظیم ہے اور خطۂ روم دنیا میں بہترین خطہ ہے لیکن اس ملک کے لوگ مالک الملک کے عشق اور ذوق دروں سے بے خبر تھے، مسبب الاسباب نے عالم بے بسی سے ایک سبب پیدا کر دیا کہ ملک خراسان سے ولایت روم میں پہنچایا اور اس خاک پاک کو میرے اعقاب کا ماویٰ بنایا تاکہ ہم اپنے علم لدنی کو یہاں کے لوگوں پر نثار کریں اور یہ لوگ کیمیا بن جائیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ حق کی طرف مائل نہیں ہوتے اور اسرار الٰہی سے محروم ہیں تو میں نے لطائف سماع اور شعر موزوں کے ذریعہ سے معارف وحقائق کو ان کے حسب حال بنا دیا [1]

ایک مرتبہ شیخ صلاح الدینؒ نے اپنے باغ کی تعمیر کیلئے کچھ ترک مزدور مقرر فرمائے مولاناؒ نے سنا تو فرمایا کہ رومی مزدور مقرر کرنا چاہیے، تھا، کیونکہ ترکوں کا کام خراب کرنا اور رومیوں کا کام عمارت کرنا ہے [2]۔

ایک دوسرے موقع پر بھی فرمایا کہ "عاقبت الامر خرابی شہر قونیہ ہم از دست ظلمہ

---

[1] مناقب ص ۱۲۱

[2] یہاں ترکوں سے مراد تاتاری ہیں، آل عثمان کا غلبہ اس وقت تک نہیں ہوا تھا اور آل سلجوق زیادہ تر سلجوقی کہلاتے تھے، خود مولاناؒ کی زبان سے تاتاریوں کی نسبت جا بجا ترکوں کا لفظ منقول ہے ابن خلدون نے نے "ظہور اتسر" کے عنوان کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے "ظہرت ہذہ الامۃ من اجناس الترک" بعض مورخین نے بھی تاتاریوں کو ترکوں ہی کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ثالث ص ۵۳۴ مطبوعہ مصر)

Marfat.com

ترکان خواہد بودن" اس پر افلاکی نے یہ اضافہ کیا کہ "اطالتہ ہذہ آنچناں بود کہ فرمودہ بود" اور یہ اس اعتبار سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ افلاکی نے جب مناقب العارفین لکھنا شروع کی ہے اس وقت تک سلجوقیوں کا انقراض کلی ہو چکا تھا، عثمان اول ۶۹۹ھ / ۱۲۹۹ء، ۷۲۶ھ / ۱۳۲۶ء دور گزر کر ارخان (۷۲۶ھ / ۱۳۲۶ء - ۷۶۱ھ / ۱۳۶۰ء) کا زمانہ تھا اور پایہ تخت قونیہ سے بروصہ کو منتقل ہو چکا تھا. اس زمانہ میں قونیہ کی وہ رونق و شوکت نہ رہی ہوگی جو مولاناؒ کے زمانہ میں تھی.

قونیہ کے محفوظ و مامون رہنے کے متعلق مولاناؒ کی مفصل تقریر شیخ صلاح الدینؒ کے حالات کے ذیل میں آئی ہے اور وہ باجو خاں کے واقعہ سے متعلق ہے، اس زمانہ میں جب مغلوں نے شہر قونیہ کا محاصرہ کیا اور اہل شہر محاصرہ سے عاجز آ گئے تو مولاناؒ کی خدمت میں طلب ہمت کیلئے حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ کچھ خوف نہ کرو، خدائے تعالیٰ نے تمہیں حضرت صلاح الدینؒ کے طفیل میں بخش دیا ہے، یہ شہر قیامت تک مغلوں کی تلوار کے نیچے نہ آئے گا اور جو شخص قونیہ کا قصد کرے گا وہ ہمارے زخم سے بچ نہ سکے گا، جب تک مولانائے بزرگ عظم اللہ ذکرہٗ کا جسم مبارک اس خاک میں آسودہ ہے یہ ملک تمام آفات سے مصئون و محصون ہے. اس شہر کو دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوگی اور انشاء اللہ ہمارے اعقاب یہاں ہمیشہ سلامت رہیں گے۔[1]

اسی مضمون کی ایک تقریر دوسری جگہ منقول ہے، جس میں اس قدر اضافہ ہے کہ "خطہ قونیہ کو مدینۃ اولیا کہیں گے۔ جب تک حضرت بہاء الدینؒ ولد کا جسم مبارک یہاں مدفون اور آپ کی اولاد یہاں موجود ہے، اس شہر میں تلوار نہ چلے گی اور یہ شہر آخر زمانہ کے فتنہ

---

[1] ذکر شیخ صلاح الدین

Marfat.com

سے محفوظ رہے گا، اگرچہ کچھ حصہ خراب وتباہ وضرور ہوجائے گا مگر بالکلیہ منہدم نہ ہوگا۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔ مردم معنوی تمام دنیا سے اس جانب متوجہ ہونگے۔" یہ بھی فرمایا کہ "جب تک قونیہ میں میرے خاندان کے منکر رہیں گے اہل شہر کو آسودگی نہ حاصل ہوگی۔"[1]

اس میں ایک طرح پر چار پیشین گوئیاں کی ہیں، اول یہ کہ شہر قونیہ میں جنگ نہ ہوگی۔ چنانچہ شہر قونیہ عثمانیوں کے تحت تصرف میں آجانے کے بعد سے کسی شدید جنگ میں مبتلا نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ فتنہ تتار میں یہ شہر بالکلیہ غارت نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس شہر میں تاتاریوں نے وہ تباہی برپا نہ کی جو دوسرے بلاد دامصار میں کی۔ تیسرے یہ کہ مردم معنوی تمام دنیا سے اس جانب متوجہ ہونگے، الحق کہ یہ ثابت ہے، مثنوی معنوی سے بڑھ کر اہل معنیٰ کو کس دوسری شے کی تلاش ہے، جو مثنوی شریف کا شیدا ہے۔ وہ مولاناؒ کا معتقد بھی ہے اور قونیہ کی عظمت اس کے دل میں ہے۔

چوتھے یہ کہ جب تک مولاناؒ کے خاندان سے کچھ لوگ منکر رہیں گے شہر کو آسودگی نہ حاصل ہوگی، یہ بھی بالکل درست ثابت ہوا، ساتویں صدی کے نصف اور بالخصوص ربع آخر میں اس شہر میں کم وبیش اضطراب وپریشانی رہی مگر آٹھویں صدی سے سکون ہوگیا اور یہ ثابت ہے کہ اس وقت تک مولاناؒ کا سلسلۂ باطنی وظاہری اس شہر میں اس طرح مستحکم ہوگیا تھا کہ کوئی اس کا مخالف نہ رہا تھا، یہ ہیں اہل دل کی باتیں۔

قونیہ کی اس طرح مدح وتعریف اور الفت کے باوجود مولاناؒ نے جب طریق سماع اختیار کیا اور لوگوں نے اس کی مخالفت کی تو یہ امر آپ پر شاق گزرا، اور آپ نے اہل قونیہ کے متعلق

---

[1] مناقب ص ۱۵۵

Marfat.com

کسی قدر ناراضگی کا اظہار فرمایا لیکن اس ناراضگی میں بھی اہل قونیہ کی نیکوخواہی مضمر تھی اور اس میں بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جو مجملاً اوپر منقول ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا" افسوس ہے کہ اہل قونیہ ہمارے سماع و ذوق سے ملول ہوتے ہیں اور ادھر اُدھر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان خوشیوں اور مسرتوں سے راضی نہیں ہوتے۔ اور اہل سبا کی طرح سے کفران نعمت کرتے ہیں، یقین جانو کہ اس کفران نعمت اور شومئ طغیان کی وجہ سے وہ برباد ہوں گے اور ان میں سے اکثر اغنیا افلاس سے ہلاک ہو جائیں گے، آخرالامر جب استغفار کریں گے اور ہماری اولاد و اعقاب کو معزز و گرامی رکھیں گے تو بفضل خدا قونیہ از سر نو معمور ہو جائے گا اور اس زمانہ کے لوگ سماع کو درست رکھیں گے اور صاحب ذوق ہوں گے۔[1]

محاسنِ اخلاق

صلح جوئی و صلح پسندی :۔

یوں تو حسن خلق کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا جس کی برترین مثال مولاناؒ کی ذات ستودہ صفات میں نظر نہ آتی ہو مگر آشتی و صلح پسندی کا وصف آپ کے تمام اوصاف میں سب سے زیادہ نمایاں وصف تھا، اس ایک وصف کی وجہ سے آپ اکثر بڑے بڑے فتنوں کو

---

[1] مناقب ص ۱۶۴

Marfat.com

ٹال دیتے تھے۔

چلپی حسام الدینؒ کی روایت ہے کہ سفر شام میں ہم سب کو مولاناؒ کی موافقت میں تین دن بخار رہا، مولاناؒ کے ساتھ جب میں دمشق کے ایک مدرسہ میں پہنچا تو دیکھا کہ بعض فقہا حضرت بہاء الدین ولدؒ کی شان میں کچھ خلاف بیان کر رہے ہیں کہ کیوں انھیں سلطان العلماء کہتے ہیں، مولاناؒ ان کے پاس بیٹھے رہے مگر کچھ بولے نہیں، ان فقہا میں سے ایک شخص نے مولاناؒ کو پہچان لیا اور خاموش ہو گیا، جب ہم لوگ مدرسہ سے باہر آئے اس نے اس حال سے دوسرے فقہا کو مطلع کیا، ان لوگوں نے مولاناؒ سے معذرت کی اور بہت مہمان نوازی کی، مولانا نے فرمایا کہ میرا مقصود آپ کی خوشی ہے اور میں ہمیشہ اس خوشی کا طالب رہتا ہوں۔[1]

اس وصف کا اثر نہ صرف آپ کی ذات تک محدود رہتا تھا بلکہ اکثر دوسروں کے معاملات میں بھی اس کا اظہار اس خوبی سے ہوتا تھا کہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ بار بار اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں کہ محض مولاناؒ کی دلچسپ مداخلت سے مخالفوں میں موافقت ہو گئی ہے اس قسم کی متعدد روایتیں منقول ہیں، از آنجملہ ایک روایت ہے کہ ایک روز مولانا کسی محلہ سے گزر رہے تھے دو شخصوں کو دیکھا کہ آپس میں لڑ رہے ہیں، مولاناؒ کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے اور ان کی باتیں سنتے رہے، ایک نے کہا کہ "اے ملعون تو کیا کہتا ہے ایک کہے گا تو ہزار سنے گا۔" مولانا نے آگے بڑھ کر فرمایا کہ "جو کچھ کہنا ہو مجھے کہو کہ ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنو گے۔" دونوں نے مولاناؒ

---

[1] مناقب ص ۲۶۳

Marfat.com

کے قدم پر سر رکھ دیئے اور صلح کر لی[1]

اسی طرح ایک روز دو شخص آپس میں لڑ رہے تھے، ایک نے کہا کہ "اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو خدا تجھے پکڑے" دوسرے نے کہا کہ "جھوٹا تو ہے خدا تجھے پکڑے" اتفاق سے عین وقت پر مولاناؒ کا گذر ہوا، فرمایا کہ "خدا تجھے پکڑے اور نہ اسے بلکہ مجھے پکڑے کہ لائق گرفت میں ہوں" دونوں نے سر جھکا دیئے اور صلح کر لی[2]

کبھی کبھی نہایت لطیف پیرایہ میں فہمائش بھی کر دیتے تھے جس کا اثر قطعی ہوتا تھا، درحقیقت یہ ظاہری الفاظ باطنی تصرف کے مظہر ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ دو دوستوں میں خصومت ہو گئی تھی اور کسی طرح مصالحت نہیں ہوتی تھی مولاناؒ نے اثنای بیان معرفت میں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے دو طرح کے آدمی پیدا کیے ہیں، ایک خاک کے مانند جامد و بے حرکت و غایت درجہ ثقالت کی حالت میں ہیں اور دوسرے پانی کی طرح ہمیشہ رواں و سیاں ہیں، پانی جب خاک سے ملتا ہے تو اس سے طرح طرح کے پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں، یہ دوست و احباب جو آپس میں لڑتے ہیں، انھیں چاہیئے کہ ایک خاک کی صفت اختیار کرے اور دوسرا آب کی، تا ان کی آمیزش و اختلاط سے ہزاروں مسرتیں پیدا ہوں، پھر فرمایا کہ اے نورالدین تیرے بھائی نے جب خاک کی صفت اختیار کی ہے تو تجھے چاہیئے کہ آب کی صفت

---

[1] مناقب ص۷۱

[2] " ص۲۷۲

Marfat.com

اختیار کر اور جا کر اس سے مل جا' دونوں نے سر جھکا دیئے اور باہم صلح ہو گئی۔[1]

دلجوئی و دلداری :۔

اسی وصف صلح پسندی کا اثر تھا کہ مولاناؒ کسی کی دل آزاری پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ لوگوں کی دلجوئی و دلداری میں سرگرم رہا کرتے تھے، آپ کا قول تھا کہ "مرا خوے ہست کہ نخواہم کہ ہیچ کس' یا دل از من آزردہ شود" اور یہ صرف قول ہی نہ تھا بلکہ اسی پر مدت العمر آپ کا عمل رہا۔

ایک روز آپ حمام میں داخل ہوئے اور پھر اسی وقت باہر آ کر کپڑے پہن لئے، لوگوں نے پوچھا کہ اس قدر جلد کیوں نکل آئے فرمایا کہ "دلاک نے میرے لئے جگہ خالی کرنے کے واسطے ایک شخص کو حوض کے کنارے سے ہٹا دیا' مجھے شرم سے پسینہ آ گیا اور میں جلد باہر نکل آیا۔[2]"

اسی قسم کا دوسرا واقعہ ہے کہ ایک روز آپ حمام کو جا رہے تھے' چلیؒ نے امیر عالم کو پہلے ہی دوڑا دیا کہ لوگوں کو حمام سے خارج کر دیں' انھوں نے لوگوں کو حمام سے نکال کر حوض کو سرخ و سپید سیبوں سے بھر دیا، مولاناؒ جب پہونچے تو دیکھا کہ لوگ جلدی میں کپڑے پہن رہے ہیں فرمایا کہ "امیر عالم! کیا یہ آدمی کیا ان سیبوں سے کم رتبہ ہیں کہ انھیں نکال دیا اور سیب بھر دیئے' کہو کہ سب لوگ حمام میں پھر داخل ہو جائیں تاکہ ان کے طفیل میں میں بھی داخل ہو جاؤں" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[3]

---

[1] مناقب ص۲۸۰

[2] ؍ ص۲۳۶ [3] مناقب ص۲۸۸

Marfat.com

اسی طرح ایک مرتبہ حسب عادت آپ آبگرم کو جارہے تھے، اصحاب نے پہلے ہی آگے بڑھ کر لوگوں کو وہاں سے ہٹادیا اور پھر مولاناؒ کے استقبال کو آئے، اس اثنار میں بہت سے اشخاص جن میں مریض بھی تھے دوبارہ وہاں جمع ہوگئے۔ جب مولاناؒ وہاں پہونچے تو اصحاب نے ان لوگوں کو ہٹانا شروع کیا، مولاناؒ نے بہت سختی کے ساتھ منع کیا اور کپڑے اتار کر انھیں لوگوں میں جاملے اور اسی پانی سے غسل کرنے لگے [۱]

انتہا یہ ہے کہ جانوروں تک کو بے آرام کرنا آپ کو گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ ایک پتلے راستہ سے گزر رہے تھے ایک کتا سویا ہوا تھا، آپ ٹھہر گئے، کسی شخص نے اس کتے کو ہٹا دیا، آپ ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ کیوں اسے ناوقت جگایا [۲]

حلم وتواضع:-

حلم وتواضع میں مولاناؒ کو خاص اہتمام تھا۔ آپ کے حلم کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ مجلس سماع گرم تھی، ایک مست کسی گوشہ سے آیا اور سماع میں وجد کرنے لگا اور بار بار مولانا ہی سے آکر ٹکرا تا تھا، لوگوں نے پکڑ کر الگ کر دیا، اس نے لڑنا شروع کیا، لوگوں نے اسے مارا، مولاناؒ ان لوگوں سے آزردہ ہوئے اور فرمایا کہ "شراب او خوردہ است بدمستی شما می کنید [۳]" لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ترسا ہے، فرمایا کہ او ترسا است شما چرا ترسا نیستید" [۴]

---

[۱] مناقب ص ۲۰۱

[۲] رسالہ پرسالار ص ۴۲

[۳] " " ص ۸۳، ۹۵

[۴] مناقب ص ۲۱۲

Marfat.com

تواضع کی کیفیت یہ تھی کہ ایک راہب مولاناؒ کے علم وحلم کا شہرہ سن کر قسطنطنیہ سے بغرض ملاقات آیا تھا، اتفاقاً راستہ میں ملاقات ہوگئی، اس نے پے در پے تیس بار مولاناؒ کے آگے سر جھکایا اور جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ مولاناؒ سر جھکائے ہوئے ہیں، اس نے پریشان ہوکر کہا کہ آخر تواضع کی کوئی حد بھی ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ جب ہمارے سلطانؐ دو عالم کا فرمان ہے کہ "طوبیٰ لمن تواضع" تو میں کیوں کر تواضع نہ کروں، وہ راہب مع اپنے رفقا کے مسلمان و مرید ہوگیا، مدرسہ میں جب تشریف لائے تو فرمایا کہ آج ایک راہب چاہتا تھا کہ تواضع و مسکنت میں بازی لے جائے الحمدللہ کہ میں ہی غالب رہا۔[1]

تواضع میں لڑکوں تک کی رعایت کرتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز ایک محلہ سے گزر رہے تھے، کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، مولاناؒ کو دیکھ کر سب دوڑ پڑے۔ اور آداب بجالائے، مولاناؒ نے بھی ویسا ہی کیا، ایک لڑکا دور تھا اس نے وہیں سے آواز دی کہ ٹھہر جائیے کہ میں بھی آجاؤں، مولاناؒ اس وقت تک ٹھہرے رہے کہ لڑکا اپنے کام سے فارغ ہوکر آگیا۔[2]

عفو و درگذر:-

ایک روز مولانا اپنے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص نے آکر کہا کہ میں محتاج ہوں، جب مولاناؒ کو نہایت درجہ مستغرق دیکھا تو غالیچہ پاؤں کے نیچے سے نکال کر لے گیا۔ خواجہ فخرالدین مراغی نے دیکھ لیا اور اس کے پیچھے چلے، وہ شخص بازار میں غالیچہ کو فروخت

---

[1] مناقب ص۲۱۴

[2] سپہ سالار ص۵۱، مناقب ص۵۶

Marfat.com

کر رہا تھا، انھوں نے لعنت ملامت شروع کی اور زانے مولاناؒ کی خدمت میں لائے، فرمایا کہ "غایت احتیاج کی وجہ سے ایسا کیا ہے اسے معذور رکھو بلکہ اس سے خرید لو"[1]

حاجت روائی :۔

لوگوں کی حاجت روائی میں مولاناؒ کو کسی حال میں بھی دریغ نہیں ہوتا تھا، اپنی ذات سے جو کچھ ہوتا وہ تو کرتے ہی تھے، ارباب جاہ کے پاس سعی و سفارش میں بھی تامل نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ امرا و حکام سے اہل اللہ کے ملنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اہل حاجت کی کاربرآری کریں۔

صلاح الدین ملطی کی روایت ہے کہ جب میں مولاناؒ کا مرید ہوا ہوں تو میں نے دیکھا کہ دن میں دس بارہ رقعے پروانہ وغیرہ کو لوگوں کی سفارش میں بھیجتے اور سب کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں۔ کوئی رقعہ بیکار نہیں جاتا تھا[2]

ایک مرتبہ مولانا کے دوستوں میں سے ایک عامل کئی ہزار دینار کا مقروض ہو گیا تھا اور ادا کرنے کی طاقت نہ تھی، مع اپنے لڑکوں کے مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا التجا کی کہ معین الدین پروانہ کے نام سفارش فرما دیں، ممکن ہے کہ کمی ہو جائے یا مہلت ملجائے، مولاناؒ نے رقعہ لکھ دیا، پروانہ نے کہا کہ یہ معاملہ "دیوان" سے متعلق ہے، مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "حاشا حاشا "دیوان بحکم سلیمان اند نہ آنکہ سلیمان بحکم دیوان" اس میں دو لطیفے رہے ایک تو دیوان (دفتر) کے لفظ میں اور دوسرے سلیمان کے لفظ میں کیونکہ

---

[1] مناقب ص ۲۲۵

[2] " ص ۲۱۱

Marfat.com

پردانہ کا نام سلیمان تھا، پردانہ نے خوش ہو کر کل رقم چھوڑ دی۔ [1]

ذاتی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ فقیر سامنے آجاتے اور کچھ موجود نہ ہوتا تو کپڑے ہی اتار کر دیدیتے تھے اور اسی وجہ سے پیراہن سامنے رکھلا رکھتے تھے کہ اتارنے میں دقت نہ ہو، امرا و رؤسا ان کپڑوں کو تبرکاً بڑی قیمتوں پر خرید لیتے تھے۔ [2]

اپنے دوستوں کی حاجتیں جس خوبصورتی سے پوری کرتے تھے اس کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے۔

عثمان گویندہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سخت افلاس میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسی زمانہ میں نئی نئی شادی کی تھی۔ خرچ کی بہت ضرورت تھی، مولاناؒ کو معلوم ہوا تو اندر جا کر اپنے مال خانہ سے چھ دینار لائے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنیکے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ عثمان کی عادت تھی مجھ سے گاہ گاہ مصافحہ کیا کرتے تھے معلوم نہیں اب یہ عادت کیوں ترک کر دی ہے، میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا، دینار پوشیدہ میرے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ اور فرمایا کہ "اس عادت کو جاری رکھو" کچھ دنوں وہ دینار خرچ کئے، پھر تنگدستی پیش آئی۔ مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وقت ہے کہ "سنت دستبوس کو بحالاؤں" فرمایا "خوش رہو آج لقمۂ چرب ملے گا" شام تک وہیں رہا، کچھ اثر ظاہر نہوا، تعجب ہوا کہ خلاف اشارت کیوں ہوا، جب رات ہو چلی اور کچھ پانی بھی برسنے لگا، سوچا کہ نکل چلوں ورنہ راستہ خراب ہو جائے گا، ایک جگہ پانی ایک باغیچہ میں گزر رہا تھا اور خس و خاشاک سے راستہ

---

[1] مناقب ص۱۲۷

[2] سپہ سالار ص۵۰

بند ہو گیا تھا، اس کو پیر سے ہٹایا تو ایک رسی پیر میں اُلجھ گئی، پیر باہر کھینچا تو دیکھا کہ ایک تھیلی ہے اور اس میں درم ہیں اٹھا کر گھر لے گیا، گنا تو سات سو درم تھے، اس میں سے کچھ گھر کے لوگوں کو دیا، کچھ ضروریات میں خرچ کیا، دوسرے روز پھر اسی طرح منہ بنائے ہوئے مولاناؒ کے حضور میں آکر بیٹھا، فرمایا کہ عثمان شرم نہیں آتی کہ تھیلی گھر لے گئے اور افلاس کا اظہار کرتے ہو، میں قدموں پر گر پڑا اور توبہ کی۔ [1]

شفقت ورافت :۔

مولانا کی شفقت ورافت کی صرف ایک مثال یہاں دی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ آپ کی رحمت کے لئے خاص وعام کی تخصیص نہ تھی، بلا استثنا سب ہی اس سے منتفع ہوتے تھے، آپ کی صاحبزادی ملکہ خاتونؒ اپنی کسی کنیز کو مار رہی تھیں، ناگاہ آپ آ گئے اور ڈانٹ کر کہا کہ کیوں اسے مارتی ہو، اگر وہ خاتون ہوتی اور تم اس کی کنیز ہوتیں تو تمہارا کیا حال ہوتا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں فتویٰ دیدوں کہ دنیا میں کوئی کنیز نہیں ہے جو ہے وہ خدا کی کنیز ہے اور حقیقت ہے بھی یہی کہ غلام وکنیز ہمارے بھائی بہن ہیں، ملکہ خاتون نے اسی وقت توجہ کی اور جو کچھ پہنے ہوئے تھیں وہ اتار کر اس کنیز کو پہنا دیا اور پھر عمر بھر کسی غلام یا کنیز کو تکلیف نہیں دی۔ مثنوی شریف میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے

شرم دارم از نبی، ذو فنون	البسو ہم گفت مستا لیبون
مصطفےٰ کرد ایں وصیت با بنون	اطعموا الاذناب مستا کلون
من چو پوشم از خز و اطلس لباس	زاں نپوشانیم خشم را ہم پلاس [2]

---

[1] سپہ سالار ص ۴۴۵-۴۴۳
[2] مناقب ص ۲۴۳

Marfat.com

شفقت عام :۔

مولاناؒ کی شفقت و رحمت بنی نوع انسان سے گذر کر حیوانوں تک کیلئے عام تھی، شیخ نفیس الدین سیواسی کی روایت ہے کہ ایک روز مجھ سے فرمایا دو درم کا عمدہ خطاب خرید لاؤ، اُس زمانہ میں ایک درم میں بکتا تھا میں خرید کر لایا، میرے ہاتھ سے لے لیا اور کپڑے میں رکھ کر روانہ ہوئے، میں پیچھے پیچھے چلا، ایک خرابہ میں پہونچکر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مادہ سگ اور اس کے سات بچے سوئے ہوئے ہیں، فرمایا کہ سات روز سے اس نے کچھ کھایا نہیں ہے اور بچوں کو چھوڑ کر جاتی نہیں، وہ سب اس کتیا کو کھلا دیا، میں یہ شفقت و مرحمت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ؎۱

ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ سماع کے موقع پر کرجی خاتون نے دو طبق خطاب (شیرینی) کے بھیجے، مولاناؒ نماز میں مشغول تھے، ایک کتے نے آکر کچھ کھا لیا اور کچھ خراب کر ڈالا۔ لوگوں نے اسے مارنا چاہا، مولاناؒ نے فرمایا کہ "مصلحت نہیں ہے وہ تم سے زیادہ محتاج تھا اور اس کی اشتہائے نفس تم سے زیادہ صادق تھی" ؎۲

مال دنیا :۔

مولاناؒ کا بذات خاص مال دنیا سے متنفر ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی، بڑی

؎۱ مناقب ص۲۲۵

؎۲ " ص۲۲۶

Marfat.com

بات یہ تھی کہ آپ اپنے مریدوں اور مخلصوں کے لئے بھی مال دنیا کی کثرت پسند نہیں کرتے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ کے مریدین با اخلاص مولاناؒ کے اس منشار پر صدق دل سے عامل تھے، شیخ صلاح الدینؒ اور چلپی حسام الدینؒ مال وقف سے مطلق نفع نہ اٹھاتے تھے۔ چلپی حسام الدینؒ کو اس معاملہ میں اس درجہ اہتمام تھا کہ مدرسہ کے پانی سے وضو تک نہ کرتے تھے۔

لوگ روپیہ اشرفی لاکر پوشیدہ مولاناؒ کے نمد کے نیچے رکھ دیتے تھے مولاناؒ ان کی خاطر سے قبول کر لیتے اور خاموش رہتے، جب رات کو نماز کے لئے اٹھتے تو سب جمع کر کے کنوئیں میں ڈال دیتے، لوگوں نے عرض کیا کہ دوستوں کو کیوں نہیں بخش دیتے فرمایا کہ دوستی یہ ہے کہ محبوب ترین چیز دوست کو دے، مال دنیا زہر قاتل ہے جس چیز سے مجھے زحمت ہوتی ہے، نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں دیدوں[1]۔

مولاناؒ کے مریدوں میں ایک صاحب شیخ بدرالدین علم کیمیا وغیرہ میں بے نظیر تھے اصحاب مولاناؒ کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر ایک روز کہنے لگے کہ اگر خداوندگار اجازت دیں تو کچھ تدبیر کروں کہ کسی قدر اطمینان حاصل ہو جائے، جب یہ خبر مولاناؒ کے سمع مبارک تک پہنچی تو غصہ میں آ گئے، اور بدرالدین کو طلب کر کے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب کو فقر کی تعلیم دیتا ہوں اور تم میرے برخلاف ان کو دنیاداری کی طرف راغب کرتے ہو، اس مرتبہ معاف ہے لیکن دوسری مرتبہ ایسا کیا تو برباد ہو جاؤ گے[2]

---

[1] مناقب ص ۲۶۵

[2] سپہ سالار ص ۲۰

Marfat.com

[یہی بدرالدین جب اول اول مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو انھیں اپنے فن کیمیاگری پر ناز تھا اور اپنا کمال دکھانا چاہتے تھے، اس وقت بھی مولاناؒ نے فرمایا تھا کہ میں اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ سونے کو خاک کر دوں کہ اس کا فتنہ فرو ہو ایک صاحب آئے ہیں کہ میں خاک کو سونا کرتا ہوں کہ اور فتنہ برپا ہو، انھیں یہ خبر نہیں کہ "الفتنۃ نائمۃ" لعن اللہ تعالیٰ من ایقظہا "علہ]

مریدین اور معتقدین سے کبھی کچھ طلب نہیں کرتے تھے، لوگ اس آرزو میں رہتے تھے کہ مولاناؒ کچھ اشارہ فرمائیں لیکن اس قسم کے اشارے کی بھی صرف دو روایتیں ملی ہیں، ایک شیخ صلاح الدین کی چھوٹی صاحبزادی کے جہیز کے لئے شہزادیوں سے اشارہ فرمایا تھا اور دوسرے ایک واعظ کی دیت کے لئے علم الدین قیصر کو لکھا تھا۔ اول الذکر واقعہ اوپر گذر چکا ہے، واعظ کا معاملہ یہ ہوا کہ (بروایت مولاناؒ شمس الدین ملطی) آقسرا میں ایک واعظ منبر پر وعظ کہہ رہا تھا اور مولاناؒ کے اشعار پڑھتا تھا، کسی عالم نے اعتراض کیا اور اس کی تکفیر کی، واعظ نے منبر سے اتر کر عالم کو گھونسہ مارا اور گرا دیا، اتفاق سے وہ مرگیا، واعظ بھاگ کر قونیہ پہنچا اور مولاناؒ کے پاس پناہ لی ادھر عالم کے اعزہ بھی اس کے پیچھے پیچھے پہونچ گئے اور اس کی حوالگی کا تقاضا کیا، ورنہ دیت میں چالیس ہزار درم مانگے، مولانا نے علم الدین قیصر کو خط لکھا کہ واعظ کو خلاصی دلاؤ، جو شخص رقعہ لے کر گیا اس نے علم الدین کو سناروں کے بازار میں پایا۔ وہیں رقعہ دیا، علم الدین نے اپنا گھوڑا اور کل آلات وغیرہ اسی جگہ بیچ ڈالے، پچاس ہزار قیمت

علہ مناقب ص ۲۲۲

Marfat.com

آئی چالیس ہزار دیت میں دیئے، دس ہزار مولاناؒ کے اصحاب کو شکرانہ میں دیئے اور واعظ کو خلعت اور ایک عمدہ اونٹ دیا، کرجی خاتون کو جب اس کا علم ہوا تو علم الدین سے ناخوش ہوئی کہ کیوں نہ مکان پر آیا اور کیوں بازار میں اس طرح ساز و سامان علیحدہ کیا علم الدین نے کہا کہ مولاناؒ کبھی کسی سے کچھ سوال نہیں کرتے، یہ خاص عنایت تھی کہ آج مجھے اس کا اشارہ کیا۔ میں ڈرا کہ اگر تاخیر ہوئی تو ممکن ہے کہ وہ رحمت ہاتھ سے جاتی رہے۔ کرجی خاتون نے اس جواب کو بے حد پسند کیا اور ایک لاکھ علم الدین کو دیئے [1]

یہ تو اشارۂ صریح کی مثال ہے، مولاناؒ کے عقیدتمندوں کو اگر اتنا معلوم ہو جاتا کہ کسی امر میں مولاناؒ کا ایسا منشا ہے تو سب کچھ فدا کر دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے، اس کی بھی ایک مثال سننا چاہیئے۔

مولاناؒ کے زمانہ میں ایک امیر محمد بیگ اوج بڑے بہادروں میں تھا اور پروانہ کی جانب سے کسی خدمت پر مامور تھا، اس کے آدمیوں نے مجدالدین کے کارواں کو لوٹ لیا تھا، پروانہ نے اسے حساب فہمی کے لئے قونیہ میں طلب کیا تو بہت پریشان ہوا، مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت تضرع کیا اور استمداد چاہی، مجدالدین یہ دیکھ کر ایک کونے میں کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ "مردک یہاں کیوں آیا، اب مولاناؒ سے استعانت چاہتا ہے، میرا مال لوٹا اور اس قدر خونریزی کی قیامت میں میں تیرا مقابلہ کروں گا، ہرگز نہ چھوڑوں گا، بچ کر کہاں جائے گا" امیر بیگ کے چلے جانے کے بعد مولاناؒ نے فرمایا "ضرور چھوٹے گا، کیوں نہ چھوٹے گا، کون کہتا ہے کہ نہ چھوٹے گا، واللہ ثم واللہ کہ جو شخص میرے مدرسہ

---

[1] مناقب ص ۲۷۶
[2] مناقب ص ۲۹۱

Marfat.com

سے ہو کر گذرے گا وہ بھی چھوٹ جائے گا'۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" مجدالدین نے سر جھکا دیا اور کل مال معاف کر دیا۔

محمد بیگ جب حساب فہمی سے فارغ ہو کر واپس گیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس سے یہ ماجرا بیان کیا، اس نے مجدالدین کا تمام مال اور اس کے ساتھ مزید تحائف ارسال کئے اور عذر خواہی کی، مجدالدین نے بھی وہ تمام مال صدقہ کر دیا۔[1]

کسب و محنت :-

صدقہ و ہدیہ پر گزران کرنا مولاناؒ کو بغایت ناپسند تھا اپنے مریدوں کو ہمیشہ اس کے خلاف نصیحت کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی مجلس میں یہ فرمایا کہ اکثر اولیاء اللہ نے سوال کو ذلتِ نفس کے لئے جائز رکھا تھا مگر میں نے اس در کو بھی بند کر دیا ہے تا میرے مرید اپنی محنت سے کمائیں یا تجارت میں مشغول ہوں۔ "ہر کہ از یارانِ ما ایں طریقہ را نورزد، پولے را نیرزد، و ہمچناں روز قیامت روے ما را نخواہد دیدن و اگر چنانکہ بکسے دست دراز کند من روے برایشاں فراز نخواہم کرد"[2]

کاہل کو بغایت ناپسند فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ حق تعالےٰ مردم کاہل و عاطل و اہل کسل کو دوست نہیں رکھتا ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی!

کسب و جہد اور توکل کے مسائل و دقائق پر مثنوی شریف میں نہایت وسعت اور

---

[1] مناقب ص۲۹۱

[2] " ص۱۴۵:۲۳۲

Marfat.com

کرامات و مرات سے بحث کی ہے اور جہد وکسب کے فضائل کو پوری طرح واضح کرکے دکھایا ہے اور صحیح توکل کے معنی بتائے ہیں، لوگوں نے جو کام نہ کرنے کا نام توکل رکھ لیا ہے اس کی پردہ دری اچھی طرح کی ہے، ان تمام مباحث کو (جہد وکسب اور توکل کے تحت میں) درر الحکم میں تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہئے، یہاں ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس سے یہ واضح ہوگا کہ عملی حیثیت سے اپنے مریدوں کو اس جانب توجہ دلانے میں، مولاناؒ کو کس درجہ انہماک تھا اور اس مسئلہ کو کس انتہائی احتیاط تک پہنچانا چاہتے تھے۔

چونکہ آپ کی یہ عادت تھی کہ اکثر مسائل کو تمثیل سے سمجھایا کرتے تھے، ایک موقع پر جہد وکسب کے متعلق متواتر تین حکایتیں بیان کیں چونکہ ان تینوں حکایتوں سے اس معاملہ میں مولاناؒ کا اصلی خیال واضح ہوتا ہے، اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ ان حکایتوں کا ماحصل درج کیا جاتا ہے۔

(۱)

ایک درویش چالیس سال تک والہ وحیراں جنگلوں میں پھرتا رہا، اتفاق سے ایک قطب کا وہاں گذر ہوا، انھوں نے درویش کو ایک چپت لگا کر کہا کہ "مردک حرام خور" درویش نے کہا کہ میں نے چالیس سال سے دنیا کا حلال کھانا بھی نہیں کھایا ہے، حرام کا کیا ذکر، قطب نے فرمایا کہ "ہوا سے سانس لیتے رہے اور خوشبو سونگھتے ہے یہ کیا ہے" یہی تمہاری غذا تھی اور یہ چیزیں بے رنج وکد حاصل ہوئی ہیں اور یہ مردانِ کامل کے مذہب میں حرام ہے۔

Marfat.com

(۲)

حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک مرتبہ طعام بہشت آیا، آپ نہایت شوق و رغبت سے کھانے لگے، ایک فرشتہ نے دوسرے سے کہا کہ سلیمانؑ اس طرح کھا رہے ہیں گویا اس کے حصول میں محنت برداشت کی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو تنبیہ ہو گیا، اس کے بعد سے آپ نے زنبیل بافی شروع کی۔

(۳)

حضرت موسیٰؑ کی آنکھ میں درد ہوا، آپ نے رب العزت میں دعا کی بعض نباتات کے استعمال کا حکم ہوا، آپ نے وہ نباتات جنگل سے لے کر استعمال کئے درد اور بڑھ گیا۔ فریاد کی، ارشاد ہوا کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ بلا زحمت جنگل سے گھاس لے لو، کسی طبیب کے یہاں سے جا کر لو کہ تمہیں بھی نفع پہونچے اور اسے بھی۔

اس تمام تقیید و تدقیق کے ساتھ ہی ساتھ مولاناؒ نے جا بجا فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے بہت کچھ جائز ہے، اس کی تہ میں یہ امر مخفی ہے کہ اولیاء مصئون من جانب اللہ ہوتے ہیں، اس کا ثبوت خود مولاناؒ کے ایک واقعہ میں ملاحظہ ہو۔

ایک مرتبہ مولاناؒ کے احباب میں سے ایک شخص تازہ انجیر لایا، فرمایا کہ انجیر اچھے ہیں مگر ان میں ہڈی ہے" اس شخص کو حیرت ہوئی کہ انجیر میں ہڈی کہاں سے آئی، پھر جا کر دوسرے انجیر لایا، مولاناؒ نے ایک دانہ اس میں سے نوش فرمایا اور کہا کہ اس میں ہڈی نہیں ہے۔ اور شیخ محمد خادم کو اشارہ کیا کہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیں۔ لوگوں کو اس معاملہ میں حیرت تھی۔ جب وہ انجیر لانے والا شخص باہر نکلا تو اس سے دریافت کیا کہ کیفیت واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اپنے ایک دوست کے باغ

Marfat.com

میں گیا، وہ موجود نہ تھا، میں نے انجیر توڑ لیے، میرا ارادہ تھا کہ قیمت بعد کو دیدوں گا جب مولاناؒ نے انجیروں کو نہ کھایا، دوبارہ گیا، وہ دوست مل گیا اس سے معافی چاہی اور دوسری مرتبہ قیمت دے کر انجیر لایا تو تناول فرمایا۔[1]

خدمات شاہی۔

شاہی خدمات کو اکثر اولیاء اللہ نے ناپسندیدہ نظر سے دیکھا ہے، مگر مولاناؒ ان لوگوں میں نہ تھے، جو اس صحیح اصول کے خلاف ہوں کہ دنیا کی آبادانی کے لئے یہ تمام خدمات ضروری ہیں، حضرت بہاء الدین کی علالت کے دوران میں جب سلطان علاء الدین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر آپ کو صحت ہو گئی تو آپ کو بادشاہ بناؤں گا اور میں خود سپہ داری کروں گا، اس وقت حضرت نے جو کچھ فرمایا تھا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "اگر میں ظاہر میں بھی بادشاہ ہو جاؤں گا، تو لوگ میری اتباع میں دنیا کا کام چھوڑ بیٹھیں گے، پھر دنیا کا کام کس طرح چلے گا۔"

مولاناؒ کے مریدوں اور معتقدوں میں بہت سے ایسے لوگ داخل تھے جو شاہی خدمتوں پر سرفراز تھے مگر اس کے خلاف صلاح دنیا کیا آپ نے کبھی اس کام کی مذمت تک نہیں کی، حالانکہ مال و دولت دنیاوی کے خلاف آپ نے بہت کچھ کہا اور لکھا ہے، ایک روایت بھی آپ سے ایسی منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی کسی مرید یا معتقد کو ترک خدمت کی صلاح دی ہو، بلکہ اس کے برخلاف بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسے پسند فرماتے تھے، چنانچہ اصحاب دیوان میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کہ اپنے اس کام کو ترک کر کے کوئی اور کام کرے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہارون رشید کے زمانہ میں ایک شخص تھا کہ خضرؑ روزانہ اسے دیکھنے آتے تھے، اس شخص نے ملازمت ترک کر دی۔ خضر بھی نہ آئے، بہت پریشان

Marfat.com

ہوا اور رات بھر روتا رہا۔ خواب میں دیکھا کہ یہ درجہ اسی کام کی وجہ سے تھا۔ صبح کو جاکر خلیفہ کی خدمت میں عرض کیا اور پھر اسی خدمت کو اختیار کیا، خضرؑ پھر اس کی ملاقات کو آنے لگے۔ وہ بدستور اپنے منصب پر قائم رہا[1]

ایک مرتبہ پروانہ نے کہا میں شبانہ روز دل و جان سے خدمت کرنا چاہتا ہوں مگر مشغولیتوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا فرمایا کہ "ایں کار ہا ہم کار خیر است، زیرا کہ سبب امن و امان مسلمانست"[2]

خود مولاناؒ بھی ایک اعتبار سے اس اصول کے قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی تھے اور اپنی ذات سے ایک مثال قائم کر دی تھی۔

"کسب حلال" اور خرچ حلال" میں بھی مولاناؒ نے ایک نازک فرق قائم کیا تھا آپ نے فرمایا ہے کہ محض لقمہ حلال اور کسب حلال پر نظر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ آمد کی اصل خرچ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح خرچ ہوتا ہے۔ بہت لقمہ حلال ایسا ہے کہ اس سے کاہلی و سستی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ جو لقمہ جان میں ذوق و شوق بڑھائے۔ اُس عالم کی رغبت پیدا کرے اور طریقہ انبیاء و اولیاء کی طرف مائل کرے اسے حلال سمجھو۔ یہ مرد نستی ہے گفتنی نہیں ہے جس لقمہ سے اس کے برعکس حالت پیدا ہو وہ حرام محض ہے[3] مقصود اس سے یہ ہے کہ حلال میں بھی وہی حلال ہے جس سے قوت روحانی حاصل ہو۔

---

[1] مناقب، ص۱۳۳

[2] فیہ ما فیہ ص۲۶

[3] مناقب ص۱۱۵

Marfat.com

فتویٰ نویسی :۔

مولاناؒ جس طرح اپنے مریدوں کو کسب حلال کی تاکید فرماتے تھے، خود بھی اس پر اسی سختی کے ساتھ عامل تھے، اپنے والد سلطان العلماءؒ کی طرح آپ بھی خدمت افتا انجام دیا کرتے تھے اور اس کے لئے بیت المال سے آپ کے لئے کچھ مرسوم بھی مقرر تھا مولاناؒ کو اس باب میں نہایت اہتمام تھا کہ یہ مرسوم آپ کے لئے جائز رہے۔ اپنے اصحاب سے ہمیشہ یہ تاکید کرتے رہتے تھے کہ "میں کسی حال میں ہوں اگر کوئی شخص کوئی فتویٰ لائے یا کچھ سوال کرنا چاہے تو اس کو رد کو نہیں تاکہ مرسوم مدارس مجھ پہ حلال ہو جائے اور میں نہیں چاہتا کہ اس خاندان سے فتویٰ منقطع ہو جائے" مریدین قلم دوات ہمہ وقت مہیا رکھتے تھے اور مولاناؒ حالتِ استغراق سماع تک میں فتویٰ لکھدیا کرتے تھے[1] اسی حالت میں ایک فتویٰ لکھا تھا جس پر شمس الدین ماردینی نے اعتراض کیا اور مولاناؒ نے انھیں کے پاس کی ایک کتاب کے حوالہ سے اسے صحیح ثابت کیا، اس کا ذکر اعتراف منکرین کی بحث میں آیا ہے، اسی طرح لوگ ایک مرتبہ مولاناؒ کا کوئی فتویٰ قاضی عزالدین سیواسی کے پاس لے گئے، انھوں نے اس فتویٰ کو قبول نہ کیا انھیں مولاناؒ متصور ہو کر دکھائی دیئے اور یہ کہا کہ جس کتاب میں تم نے اس فتویٰ کو رکھ دیا ہے اسی کتاب میں دیکھو۔ وہ نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے، اور جب ہوش میں آئے اس مسئلہ کو اسی جگہ پایا اور مرید با اخلاص ہو گئے۔[2]

اس تمام احتیاط و اہتمام کے باوجود خود اس روزینہ کے متعلق مولاناؒ کا جو کچھ خیال تھا وہ واقعۂ ذیل سے بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے۔

---

[1] مناقب ص ۱۹۳ [2] ص ۲۶۴۔

Marfat.com

ایک روز معین الدین پروانہ شیخ صدرالدینؒ کی زیارت کو آیا، تو وہاں لوگوں کے وظیفہ کا ذکر چلا، اس زمانہ میں مولاناؒ کے اصحاب کے لئے نصف دینار روزانہ مقرر تھا۔ شیخؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے مولاناؒ کو دونوں عالم کے وظیفہ سے فراغت ہو، محتاجوں کو دینا بہتر ہے، اسی روز پروانہ مولاناؒ کی زیارت کو بھی آیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ معین الدینؒ شیخؒ کے اخراجات بہت ہیں اور ان کی معیشت شاہانہ ہے، میرے دوستوں کیلئے کچھ بھی درکار نہیں ہے، یہ دینار بھی انھیں کو دینا اولیٰ ہے [1]

اہل دولت سے استکراہ :-

مولاناؒ اگرچہ اہل منصب کو من حیث المنصب برا نہیں سمجھتے تھے مگر مال دنیا سے آپ کو جو نفرت تھی اس کی وجہ سے آپ اہل دولت سے بھی کارہ رہتے تھے۔ آپ کے معتقدین میں خود سلاطین روم اور امرا و اکابر سب ہی داخل تھے مگر آپ حتی الامکان ان کی صحبت سے بچتے رہتے تھے۔ پروانہ آپ کے بہت ہی مخصوص معتقدین میں سے تھا اور مولاناؒ بھی اس کی خاطرداری بدرجۂ اتم کرتے تھے، ایک مرتبہ اس نے بدیر آنے کا عذر کیا، فرمایا کہ "میں آنے کے بہ نسبت نہ آنے سے زیادہ شکر گزار ہوتا ہوں"

خواجہ مجدالدین ایک مرتبہ ایک امیر کو مولاناؒ کی خدمت میں لائے، مولاناؒ صحت خانہ میں جا بیٹھے، بہت دیر ہوگئی تو مجدالدین نے کہا کہ "خداوندگار کیا کر رہے ہیں" فرمایا کہ یہاں کی گندگی ان امیروں کی صحبت سے بہتر ہے امیر بدل و جان مرید ہو گیا۔ [2]

---

[1] مناقب ص ۲۶۴

[2] " ص ۲

Marfat.com

ایسے ہی ایک مرتبہ مدرسہ میں ٹہل رہے تھے، اصحاب کھڑے ہوئے تھے، فرمایا کہ دروازے کو بند کر دو۔ اس کے بعد ہی سلطان غیاث الدین مع امرا کے آگیا، مولانا باہر میں چلے گئے اور کہنے لگے کہ جواب دینا کہ زحمت نہ کریں [1]

بظاہر ان روایات سے دل پر بھی اثر پڑتا ہے کہ مولانا اہل دولت کی تذلیل کرتے تھے لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا، یہ سب کچھ پند فعلی میں داخل تھا، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دنیا اور مال و جاہ دنیا کی حقیقت کیا ہے، مولانا کو ان لوگوں کی صحبت سے جس وجہ سے گریز تھا اس کی بنا راصل فیہ ما فیہ کی روایت سے واضح ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ پروانہ مولانا کی ملاقات کو آیا، مولانا بہت دیر تک برآمد نہیں ہوئے، جب آئے تو تاخیر کی وجہ اس لطیف پیرائے میں بیان کی کہ "میری مختلف حالتیں ہیں، کبھی بات کرتا ہوں، کبھی نہیں کرتا، کبھی لوگوں کی پرواہ ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، کبھی عزلت وخلوت میں رہتا ہوں، کبھی استغراق وحیرت میں، ممکن ہے کہ امیر ایسے وقت میں آجائے کہ اس کی دلجوئی نہ کر سکوں اور مجھے فراغت نہ ہو، پس بہتر یہی ہے کہ جب مجھے فرصت ہو، میں خود آجایا کروں ..... [2]" دوسری جگہ اس کی توجیہ اس طرح منقول ہے کہ

"اس آمد سے مقصد اعزاز تھا، خواہ میرا اعزاز ہو یا امیر کا اعزاز، اگر میرا اعزاز مقصود تھا تو میرے زیادہ بیٹھنے سے میرا اعزاز زیادہ ہوا، اور اگر امیر کا اعزاز مقصود تھا تو اس کو ثواب زیادہ ملا" [3]

---

[1] مناقب ص ۱۵۱

[2] فیہ ما فیہ ص ۸۲

[3] " " ص ۹۵

Marfat.com

اس تمام گریز کے باوجود مولاناؒ کے تعلقات اہل دول سے برابر قائم رہے، اس کی توجیہ خود مولاناؒ ہی کے الفاظ میں سننا چاہیئے، معین الدین پروانہ کی ایک مجلس میں مولاناؒ پہلے سے تشریف فرما تھے، جب چلپیؒ آئے تو آپ ان کے استقبال کو اٹھے اور پھر صحن میں بیٹھ گئے، دوسرے اکابر بھی مولاناؒ کی تقلید میں وہیں آ بیٹھے، ایک شخص کے دل میں یہ خیال گزرا کہ ایسا مرد بزرگ نیچے کیوں بیٹھے، ہر شخص کی ایک جگہ مقرر ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ ایسے شخصوں کے لئے اوپر بیٹھنے اور نیچے بیٹھنے میں کیا فرق ہے، ان کی مثال چراغ کی ہے، چراغ کو روبرو اس وجہ سے رکھتے ہیں کہ ان سے نفع حاصل کریں مگر خود چراغ کو کیا اوپر ہو یا نیچے، وہ تو ہر حال میں روشن ہے، یہ لوگ اگر دنیا کی جاہ و بلندی چاہتے ہیں تو غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظر ایسی نہیں ہے کہ ان کی اصلی بلندی کو دیکھ سکیں، وہ دنیا ہی کے جال سے اہل دنیا کو شکار کرتے ہیں کہ اس طرح یہ لوگ آخرالامر آخرت کے جال میں پھنسیں، لوگوں کو عطا بخشی کے لئے آمادہ کرتے ہیں تو مقصود یہ نہیں ہوتا کہ خود اس سے کچھ نفع حاصل کریں" (بلکہ غرض یہ ہوتی ہے کہ انھیں کو نفع پہونچے)

"فیہ ما فیہ" سے یہ بھی بین طور پر واضح ہوتا ہے کہ سلاطین و امرا اور مولاناؒ کے دیگر مریدین و مخلصین آپ کا جو اعزاز و اکرام کرتے تھے آپ اسے مہمل نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اسے تشکر کی نظر سے دیکھتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر یہ فرمایا ہے کہ "تم لوگ جس قدر لطف و سخی کرتے ہو اگر اس کے شکر و تعظیم میں مجھ سے تقصیر ہو تو یہ بربنائے کبر نہیں ہے، نہ اس وجہ سے ہے کہ میں یہ نہ جانتا ہوں کہ منعم مجازی کا یہی حق ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم یہ سب کچھ خدا کیلئے کرتے ہو تو میں بھی اس کا

Marfat.com

اجر خدا پر چھوڑتا ہوں "[1]

چونکہ اس قسم کی شان بے نیازی اکثر اولیاُ اللہ سے ظہور میں آتی رہتی ہے۔ اور ناواقف اسے تکبر پر محمول کرتے ہیں، پس اس محل پر اس نکتہ کو مولاناؒ ہی کے الفاظ میں واضح کر دینا مناسب ہے۔

ایک روز مولاناؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ بعض اولیاُ اللہ متکبر ہوتے ہیں، یہ تکبر کس وجہ سے ہے؟ فرمایا کہ "در مردان خدا کبر کبریائی باشد، نہ کبر ریای و تخیر نفسانی و عجب جاہ مردم جانی" اس پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ امام جعفر صادقؒ کبھی کبھی تزکیہ نفس میں مشغول ہوتے تو اس وقت تمام خلق بلکہ بادشاہوں تک کی جانب التفات نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے اس تکبرؒ کی نسبت سوال کیا، فرمایا "حاشا میں متکبر نہیں ہوں لیکن جب میں اپنی ہستی سے گزر جاتا ہوں اور خدا کی کبریائی مجھے مستہلک کر دیتی ہے تو یہ اسی کی کبریائی کا جلوہ ہوتا ہے، میں درمیان میں نہیں ہوتا"[2]

پند و نصیحت اہل جاہ

سلاطین و امرا کے سامنے مولاناؒ کو حق بات کے کہنے میں کبھی تامل نہیں ہوتا تھا۔ اور حق تو یہ ہے کہ آپ جس حد تک سلاطین و امرا سے ملنا جائز رکھتے تھے وہ اسی مصلحت سے تھا کہ ان کو نیک نصیحت کریں، "فیہ ما فیہ" تمام تر انھیں مواعظ کا مجموعہ ہے جو آپ وقتاً فوقتاً پروانہ کی مجلس میں ارشاد فرمائے ہیں، یہاں دو تین روایتیں پروانہ سے متعلق نقل کی جاتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ پروانہ کے ایسے "آمر مطلق" کو جب آپ اس صفائی

---

[1] "فیہ ما فیہ" ص ۲۱۴ [2] مناقب ص ۲۱۲

Marfat.com

کے ساتھ متنبہ کر دیا کرتے تھے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔

ایک مرتبہ پروانہ نے مولاناؒ سے پند و نصیحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ "میں نے سنا ہے کہ تم نے قرآن شریف یاد کیا ہے" کہا، "ہاں"، پھر فرمایا شیخ صدرالدینؒ سے کل احادیث سُنی ہیں، اس نے کہا، ہاں، مولاناؒ نے فرمایا کہ "جب ان کلمات سے تمہیں پند و نصیحت نہ حاصل ہوئی تو میرے کلمات سے کیا حاصل ہو گی" [1]

اسی طرح ایک روز سلطان عزالدین کیکاؤس مولاناؒ کی خدمت میں آیا مگر مولاناؒ نے کچھ زیادہ التفات نہیں فرمایا، اس نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا کہ کیا نصیحت کروں، تمہیں شبانی کا حکم دیا گیا ہے اور تم گرگی کرتے ہو، پاسبانی کے لئے کہا گیا ہے اور دزدی کرتے ہو اور سلطانی کے خلاف شیطان کی بات پر عمل کرتے ہو، سلطان روتا ہوا باہر آیا اور در مدرسہ پر آکر توبہ کی، پھر مولاناؒ نے بھی بہت نوازش کی [2]

ایک مرتبہ معین الدین پروانہ اور دوسرے اکابر مولاناؒ کی خدمت میں آئے، مولاناؒ برآمد نہیں ہوتے تھے، یہ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے، پروانہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ "امیران عادل اولوالامر ہیں"۔ بزرگان دین نے ان کا احترام کیا ہے، مولانا کا اس درجہ گریز کس وجہ سے ہے؟ ناگاہ مولاناؒ مدرسہ کے جماعت خانہ سے برآمد ہوئے اور اثنائے بیان میں فرمایا کہ سلطان محمود، شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کو روانہ ہوا، امرا و وزراء نے آگے بڑھ کر خبر دی۔ شیخؒ نے جنبش نہ کی۔ جب سلطان دروازے تک پہونچ گیا تو وزیر

---

[1] مناقب ص ۱۰۳

[2] " " ص ۲۶۸

Marfat.com

نے عرض کیا کہ بادشاہ کی عزت کے خیال سے قدم رنجہ فرما کر خیر مقدم کریں۔ آخر بادشاہ اور قریب آگیا اس وقت وزیر نے کہا کہ قرآن میں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم وارد ہے، تعظیم اولی الامر واجب ہے خاص کر ایسے بادشاہ دلی سیرت کی، فرمایا کہ "میں اطیعوا اللہ میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول سے فارغ نہیں ہوا ہوں، اولی الامر کا کیا ذکر، سب رونے لگے [1]

اس طرح کی تلخ نصیحتوں کے ساتھ ہی ساتھ جن سلاطین و امرا کی نسبت مولاناؒ کا خیال اچھا تھا، ان کی مدح میں بھی آپ دریغ نہیں کرتے تھے، دل کھول کر تعریف کرتے تھے، چنانچہ ایک روز معین الدین پروانہ مولاناؒ کی زیارت کو آیا، سلطان ولدؒ نے اسے بٹھلایا اور مولاناؒ کو خبر دی، مولاناؒ نے برآمد ہونے میں بڑی تاخیر کی، سلطان ولدؒ بطور خود کچھ باتیں کرتے رہے، ناگاہ مولاناؒ باہر آئے، پروانہ نے کہا کہ سلطان ولدؒ نے مجھ سے بہت کچھ عذر خواہی کی۔ اور بہت لطف فرمایا، میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اشارہ اس امر کا ہے کہ کسی کو انتظار میں رکھنا کس قدر گراں اور باعث زحمت ہوتا ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بہت اچھا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب کوئی بدقوارہ و بدآواز سائل آجاتا ہے تو اسے جلد کچھ دے کر رخصت کرتے ہیں مگر جب کوئی خوش شکل و خوش آواز سائل ہوتا ہے تو اسے حیلہ و حوالہ سے دیر تک روکتے ہیں کہ اس کی آواز سے لطف حاصل ہو، پس میرا دیر سے آنا اسی وجہ سے تھا کہ مردانِ خدا کے ساتھ تمہیں جو خلوص و اعتقاد ہے وہ مجھے پسند ہے چاہتا ہوں کہ

---

[1] مناقب ص ۱۴۹

Marfat.com

اور زیادہ ہو اور خدا کے ہاں مقبول ہو علہ

ایک مرتبہ پروانہ نے کہا کہ مولاناؒ کا لطف و کرم ہے کہ تشریف لائے، مجھے اس کی توقع نہ تھی، میں کس لائق ہوں، مجھے چاہیے کہ رات دن دست بستہ حاضر رہوں بلکہ میں اس قابل بھی نہیں ہوں، فرمایا کہ یہ تمام خیالات اس وجہ سے ہیں کہ تمہاری ہمت بلند ہے، اگرچہ تم بہت بڑے کاموں میں مشغول ہو مگر اپنی علوے ہمتی کی وجہ سے انھیں کم سمجھتے ہو اور ان پر راضی نہیں ہو میں اگرچہ دل میں ہمیشہ تمہارا خیال رکھتا ہوں، مگر یہ چاہا کہ ظاہر میں بھی مشرف ہوں کیونکہ ظاہر بھی بڑی چیز ہے۔" علہ

ایک مرتبہ اتابک (مجدالدین) کا لڑکا مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ "پدر تو دایم بحق مشغول است و اعتقاد ش غالبست واز سخنش پیدا" یہ اس وجہ سے فرمایا تھا کہ رومیوں نے کئی مرتبہ مشورہ کیا کہ ہم اپنی لڑکی تاتاریوں کو دیں تاکہ ہمارا ان کا دین ایک ہو جائے اور مسلمانوں کا دین اٹھ جائے، اتابک نے کہا کہ دین ایک کب رہا ہے جو اب ایک ہو جائے گا۔ مختلف دینوں میں ہمیشہ جنگ و جدل قائم رہی ہے، اس طرح ان کو اپنے ارادہ سے باز رکھا علہ

ایک مرتبہ فخر الدین سیواسی اپنے وطن سیواس سے آئے تھے۔ اس روز معین الدین پروانہ بھی مولاناؒ کے یہاں آیا، مولاناؒ نے فخر الدین سے پوچھا کہ کل کہاں ٹھہرے تھے، کہا پروانہ کے مکان میں، دریافت کیا کہ اس راستہ میں پروانہ کا

علہ مناقب صفحہ ۱۷۲ مثنوی شریف میں اس تمام بیان کو نظم کیا ہے "تاخیر اجابت دعا مومن" در الحکم میں دیکھنا چاہیے۔ علہ "فیہ ما فیہ" صفحہ ۲۴۴ علہ تاریخی حیثیت سے یہ مسلم ہے

Marfat.com

کوئی مکان ہے، کہا ہاں، امن وامان اس قدر ہے کہ مسافر جہاں چاہتے ہیں بے خوف وخطر ٹھہر جاتے ہیں، پروانہ بہت خوش ہوا، مولاناؒ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک اونٹ تھا، اس کی گردن میں ایک ہیکل باندھ دیا تھا، وہ باغوں میں میوے کھاتا پھرتا تھا، کوئی تعرض نہ کرتا، کسی نے اس ہیکل کو اتار لیا، اس کے بعد اس اونٹ کو لوگوں نے بیگار میں پکڑ لیا، "پس اے امیر کبیر فقیر نہاد، جان لے کہ وہ ہیکل میں ہوں جو اشتر عالم کی گردن پر بندھا ہوا ہے جب میں نہ رہوں گا احوال معلوم ہو جائے گا"، پروانہ رونے لگا کہ خدا نہ کرے کہ حضرت کے بعد ہم لوگ زندہ رہیں لیا نہیں نہیں، میرے بعد تھوڑی مدت تک تم رہو گے، مگر یہ آسائش وآرائش نہیں رہے گی [1] (انتقال کے وقت بھی یہی فرمایا تھا کہ میرے بعد تم لوگوں کو آسائش نہیں ملے گی مگر تمہارے فرزندوں کو آسائش ملے گی)

باجو خاں کی نسبت فرمایا کہ وہ ولی ہے مگر نہیں جانتا [2] کیفا خاتون کو قتل کر کے باجو خان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء میں حکمراں ہوا تھا۔ چھ ماہ کی حکمرانی کے بعد خود غازان کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ غازان نے عہد کیا تھا کہ اگر باجو پر اسے فتح ہوئی تو وہ مسلمان ہو جائے گا، چنانچہ فتح کے بعد غازان مغلوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ مسلمان ہو گیا، گویا اس طرح باجو کا قتل بالواسطہ مغلوں کے اسلام لانے کا باعث ہوا۔ [3]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴

کہ تاتاریوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے میں مسیحیوں نے صنف نازک کا قوی حربہ بھی پوری آزادی سے استعمال کیا تھا، ہلاکو، اور اباقا کے محلوں میں عیسائی عورتیں داخل تھیں اور ایجا تو کو اس کی عیسائی ماں نے باقاعدہ اصطباغ دلایا تھا، ان تمام زن فروشیوں کا مقصود یہی تھا کہ ایک

Marfat.com

پاس خاطر مریدین :۔

حضرت بہاء الدین ولدؒ کے حالات میں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ آپ کو اپنے مریدوں کا خیال کس درجہ رہا کرتا تھا، مولاناؒ میں یہ وصف کچھ اور بھی بڑھا ہوا تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ نے اپنی زندگی اپنے اصحاب و مریدین کے لئے وقف کر دی تھی، اپنے خاص خاص اصحاب کی قدر و منزلت جس درجہ آپ کرتے تھے وہ آپ کے ہمعصروں کے لئے باعث حیرت تھی اور آپ کے بعد تو بہتوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ شیخ صلاح الدینؒ اور چلپی حسام الدین مولاناؒ کے مرید نہیں بلکہ پیر تھے، یہاں چند واقعات ایسے نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہوگا کہ مولاناؒ کس کس طرح اپنے مریدوں کی پاسداری بلکہ "بزرگداشت" کرتے تھے

حمایت و ضمان :۔

ایک مرتبہ معین الدین پروانہ نے کہا کہ مولاناؒ نہایت نیک شخص ہیں اور میرا خیال ہے کہ مدتوں ایسا کوئی شخص پیدا نہ ہوگا مگر آپ کے مرید نہایت بد و فضول لوگ ہیں، ایک مرید نے یہ خبر مولاناؒ کو پہنچائی مولینا نے پروانہ کو رقعہ لکھا کہ "اگر یہ لوگ نیک ہوتے تو میں خود ان کا مرید

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۵)

طرف سے اہل یورپ اور دوسری طرف سے تاتاری حملہ آور ہو کر مصر و شام کی باقی اسلامی سلطنتوں کو نیست و نابود کر دیں۔ اس حالت میں مجد الدین کی یہ سعی قابل شکر گزاری تھی (ان تمام پیچ در پیچ تعلقات کو قدرے وضوح کے ساتھ سمجھنے کے لئے فصل پنجم دیکھنا چاہئے) سپہ مناقب ص ۱۸۴

Marfat.com

کیوں نہ ہو جاتا' میں ان لوگوں کو مرید اسی وجہ سے تو کرتا ہوں کہ یہ بد ہیں اور حق یہ ہے کہ جب تک خدا ان کا ضامن نہیں ہوتا' میں انھیں مرید نہیں کرتا" [1]

مولاناؒ نے اپنے مریدوں کے بارے میں پروانہ کو جو کچھ لکھا اسی کو ایک دوسرے موقع پر زیادہ صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے' واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ فخر الدین ابوالخیر نے یہ کہا کہ " مولانا بادشاہ بزرگوار ہیں لیکن ضرورت ہے کہ انھیں ان کے مریدوں سے الگ کر لیا جائے اور ان مریدوں کو دفع کیا جائے " جب یہ خبر مولاناؒ کو پہنچی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میرے مرید اہل دنیا کی نظر میں اس قدر مبغوض کیوں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نظر عنایت میں مقبول و محبوب ہیں ۔ میں نے ساری دنیا کو چھلنی میں چھانا' سب جھڑ گئے' یہی لوگ باقی رہ گئے' میں اپنے مریدوں کی جان ہوں اور میرے مرید تمام دنیا کی جان ہیں بشرطیکہ لوگوں کو سمجھ ہو" [2]

ایک اور واقعہ اسی قسم کا پیش آیا کہ ایک مرتبہ معین الدین پروانہ نے شیخ صدر الدین کے زاویہ میں مجلس منعقد کی تھی مولاناؒ بھی تشریف فرما تھے ' امیر کمال الدین پروانہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا مولاناؒ کے مریدوں کی مذمت کر رہا تھا کہ " مولاناؒ کے مرید بھی عجیب لوگ ہیں' اکثر عامی اور اہل حرفہ ہیں' اعیان شہر اور فضلا بہت کم ہیں' جہاں کوئی خیاط' بزاز' بقال ہوتا ہے مولاناؒ اسے مرید بنا لیتے ہیں" ناگاہ مولاناؒ نے سماع کے درمیان ہی ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ " کیا منصورؒ حلاج نہیں

---

[1] مناقب صفحہ

[2] " صفحہ

Marfat.com

تھے، ابوبکر نساج نہیں تھے اور ایک دوسرے بزرگ زجاج نہیں تھے، ان کی حرف نے انھیں کیا نقصان پہنچایا؟ تم ان کے نام کے ساتھ "رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہو" [1]

اس بارے میں مولاناؒ نے ایک موقع پر اپنا اصول یا یقین بیان فرمادیا ہے۔ اسے بھی سن لینا چاہیئے، ایک مجلس میں ایک لڑکا مولاناؒ کا مرید ہوا، ایک حاسد نے کہا کہ "معلوم نہیں یہ مرید خدا تک پہنچے گا یا نہیں اور خدا اسے بخشے گا یا نہیں؟" مولاناؒ نے فرمایا کہ "پہلے بخشدیا اس کے بعد میرے پاس بھیجا ہے، کیونکہ مشیت الٰہی یہ ہے کہ اول بندے کو خدا قبول کرتا ہے، اس کے بعد اسے (نیک) بندوں کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ان کی برکت صحبت و فیضِ تربیت سے بہرہ اندوز ہوں اور تقرب خدا حاصل کریں" [2]

[اصل یہ ہے کہ مولاناؒ کے مریدوں کے متعلق اس قسم کے جتنے اعتراضات لوگ کرتے تھے ان کی بناء یہ ہوتی تھی کہ مولاناؒ کے مریدوں میں عام اشخاص کثرت سے داخل تھے اور عام اشخاص جیسے ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے اور پھر اپنی جگہ پر اس نفس واقعہ کی وجوہ ہیں، اول یہ کہ اس تمام پیری مریدی سے مولاناؒ کا مقصود ہی یہ تھا کہ عام اشخاص کی اخلاقی حالت کو درست کریں، دوسری یہ کہ مولاناؒ بیکاری و کاہلی سے سخت متنفر تھے اور بالخصوص اپنے مریدوں کے لئے اسے کسی صورت میں

---

[1] مناقب ص۹۴

[2] ، ص۲۷۲

Marfat.com

روا نہیں رکھتے تھے، اس لئے زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو مرید کرتے تھے جو کسی نہ کسی قسم کی حرفت، تجارت وغیرہ میں مشغول ہوں، اگر نہ ہوتے تھے تو ضرور ہے کہ مرید ہونیکے بعد مولاناؒ کے فیض تعلیم کے اثر سے کوئی نہ کوئی شغل اختیار کر لیتے رہے ہوں گے اور یہ عامۃ الناس کا گروہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں اخلاق کی زیریں سطح پر ہوا کرتا ہے، لیکن انھیں کی دستگیری اصل دستگیری ہے]

قدر افزائی :۔

مریدین اگر مولاناؒ کی کچھ خدمت کرتے تو اس کی قلت و کثرت پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ قلیل کو اس طرح سراہتے کہ وہ سبک نہ معلوم ہو۔

ایک مرتبہ دو ترک حاضر ہوئے اور تھوڑی سی مسور ہدیہ لائے اور اس سے شرمندہ تھے، مولاناؒ نے اس پر ایک حکایت بیان کی کہ آنحضرتؐ نے ایک بار اصحاب سے مال طلب کیا، جس سے جو ہو سکا لایا، ایک صحابی کے پاس ایک روٹی اور تین چھواروں سے زیادہ کچھ نہ تھا، وہ اسی کو لے آئے، آنحضرتؐ نے اسے سب مال سے زیادہ باوزن قرار دیا اور فرمایا کہ "القلیل عند الجلیل کثیر" اس طرح ان لوگوں کو خوش کر دیا۔ [1]

اغماض :۔

مریدوں اور مخلصوں کی ظاہری حالت و ہیئت پر چنداں لحاظ نہیں فرماتے تھے بلکہ احیاناً اگر کوئی لغزش ہو جاتی تو اس سے چشم پوشی فرماتے اور اس کی تاویل

---

[1] مناقب ص۱۰۱

Marfat.com

ایسے دلپذیر طریق پر کرتے کہ ہزار امتناع سے زیادہ مؤثر ہوتی، ایک خواجہ اکمل الدین طبیب نہایت ہی نفیس کپڑے پہن کر مولاناؒ کی خدمت میں آئے۔ مولاناؒ نے ان کے کان میں کچھ کہا، سب کپڑے اتار کر قوالوں کو دیدیئے، اور روانہ ہو گئے، حسام الدین نے پوچھا کہ مولاناؒ نے کیا کہا تھا، جواب دیا کہ میرے دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ ایسے نفیس کپڑے پہن کر کیوں آیا، یہ حرکت مناسب نہ تھی، مولاناؒ نے میرے کان میں فرمایا کہ بے فکر رہو اور کچھ اندیشہ نہ کرو "تنت نزد ما اعتبار ندارد تا جامہ بالائے راکہ بیرون است چہ اعتبار خواہد بودن، جہدے کن کہ تو معرف جامہ شوی نہ جامہ معرفِ تو۔" اس شکرانہ میں میں نے کپڑے قوالوں کو دیدیئے۔ اس کے بعد اکمل الدین جب تک زندہ رہے کبھی نفیس کپڑے نہ پہنے [1]

عظمت و قوت :-

مولانا اپنے مریدوں کی جس درجہ عظمت و قوت کرتے تھے اور جسے اکثر لوگ نظر استعجاب سے دیکھتے تھے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلپی حسام الدینؒ کی عیادت کو جا رہے تھے، راستہ میں ایک کتا پڑا تھا۔ کسی نے اسے مار کر بھگا دیا۔ آپ ناخوش ہو کر فرمایا کہ "اے بے ادب چلپیؒ کی گلی کے کتے کو مارتا ہے" [2]

ایک انتہائی مثال ملاحظہ ہو، چلپیؒ کے وہاں آپ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ جاڑے میں رات کو بے وقت جا پڑے، دروازہ بند تھا۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ اور باہر سخت برف پڑ رہی تھی مگر نہ آپ واپس ہوئے اور نہ دروازے کو کھٹکھٹایا

---

[1] مناقب ص ۲۴۲

[2] پرسالار ص ۴۴

Marfat.com

صبح تک یوں ہی کھڑے رہے اور برف اوپر گرتی رہی، صبح کو جب دربان نے دروازہ کھولا اور یہ حال دیکھا دوڑ کر چلپی کو خبر دی وہ دوڑتے ہوئے باہر آئے قدم پر سر رکھ دیا اور رونے لگے،

سپہ سالار لکھتے ہیں کہ یہ درحقیقت اس امر کی تعلیم ہے کہ شیخ اگرچہ مرید سے مستغنی ہے۔ مگر وہ مرید کی عزت و حرمت اس درجہ ملحوظ رکھتا ہے تو مرید کو شیخ کی عزت کس درجہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ علہ

جب آپ کا خود یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ اپنے مریدوں کی شان میں دوسروں کی ادنیٰ سوء ادبی کے بھی آپ روادار نہیں ہو سکتے تھے۔

ایک مرتبہ سماع میں کمال معرف صوفیوں کا کچھ لحاظ نہ کر کے اصحاب مولاناؒ کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے تھے اور ادھر ملتفت نہ تھے، مولاناؒ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ "اے کمال ناقص، تو نے کمال کر دیا، ہشیار ہو جا" کمال اسی وقت گر پڑے اور سر پھٹ گیا، مولاناؒ کے رو برو بہت گریہ وزاری کی، آخر مولاناؒ راضی ہو گئے اور اپنی دستار اور اپنا پیراہن انھیں دیا، وہ اسی وقت صدق دل سے مرید ہو گئے علہ

محبت :-

مولاناؒ کو اپنے مریدوں سے جس درجہ محبت تھی اور آپ ان کے لئے شفاعت اور دعائے خیر میں جس طرح سرگرم رہتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک روز مولاناؒ نے

علہ سپہ سالارؒ ص ۴۴

علہ مناقب ص ۹۵

Marfat.com

سراج الدین تبریزیؒ سے کہا کہ حاضر رہنا کہ میں آج تم سے بغل گیر ہوں گا، سراج الدینؒ نے اس خوشی میں بہت کچھ شکرانہ درویشوں کو دیا اور اپنے مکان پر بہت نفیس بستر بچھایا، ناگاہ مولاناؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ سراج الدینؒ تم بستر پر سو رہو، سراج الدین کہتے ہیں کہ میں صبح تک کروٹیں بدلتا رہا کہ شاید مولاناؒ آکر بستر پر استراحت فرمائیں مگر مولاناؒ نماز میں مشغول ہوئے تو برابر نماز ہی پڑھتے رہے، آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کہا کہ صبح قریب ہے کچھ تو آرام کیجئے، فرمایا کہ سراج الدینؒ اگر میں سو رہوں تو اتنے سونے والوں کی فکر کون کرے، میں نے تو ان سب کو اپنے ذمہ لیا ہے تاکہ انھیں خدا تک پہنچاؤں انشاء اللہ العزیز [1]

گاہ بگاہ حسب عادت عملی مثال سے بھی اپنے اس خیال کا اظہار فرما دیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ پروانہ کے یہاں مجلس سماع تھی، مولاناؒ وہاں پہونچکر دروازہ پر ٹھہر گئے، جب آپ کے سب اصحاب جمع ہو لئے تب اندر گئے، مجلس کے بعد چلپی حسام الدینؒ نے اس توقف کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ "اندر چلا جاتا تو ممکن تھا دربان میرے بعض اصحاب کو روک دیتا اور وہ میری صحبت سے محروم رہ جاتے، اور جب دنیا میں اپنے دوستوں کو ایک امیر یا وزیر کے مکان میں نہ لے جا سکوں تو قیامت میں انھیں جنت میں کیا لے جا سکوں گا" [2]

علیٰ ہذا ایک روز مدرسہ میں کھڑے ہوئے تھے اور تمام احباب حاضر تھے۔ دوستوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "تمام دنیا میں ایک شخص ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تمہارے واسطے ہے اور تمہارے لئے کوشاں ہے اور تمہیں چاہتا ہے (با شماست و از برائے شماست

---

[1] مناقب ص ۱۷۱

[2] " ص ۹۶

Marfat.com

واز بہر شما کوشد و شما را میخواہد) ؎

من از برائے مصلحت در حبسِ دنیا ماندہ ام　　من از کجا حبس از کجا مالِ درز دیدہ ام[1]

ایک غزل میں اس کا اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

نیم ز کار تو فارغ ہمیشہ در کارم　　کہ لحظ لحظ ترا من عزیز تر دارم

بذات پاک من آفتاب سلطنتم　　کہ من ترا نگذارم بلطف بردارم

رخِ ترا ز شعاعات خویش نوردہم　　سرِ ترا بدہ انگشت مغفرت خارم[2]

ایک غزل میں اپنے مریدوں کی مدح اس طرح فرمائی ہے۔

آنچہ نی آرد ز وصف این زمانم در دہن　　بر مریدِ مردہ خوانم اندر اندازد کفن

خود مریدِ من نمیرد کاب حیواں خوردہ است　　وانگہاں از دست کہ از ساقیانِ ذوالمنن

مولانا کو جس درجہ اپنے مریدوں سے الفت و محبت تھی آپ کے مرید بھی اسی قدر آپ پر دل و جان سے فدا تھے، دو چار روز مولانا کے دیدار سے مشرف نہ ہوتے یا چند روز پند و نصائح سے محروم رہتے تو بیقرار ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ شہر کے کچھ اعیان و اکابر جمع ہو گئے تھے مولانا نے اپنا وقت انھیں کے درمیان حقائق و معارف بیان کرنے میں صرف کر دیا، ان لوگوں کے جانے کے بعد مریدوں نے شکایت کی کہ آج ہم فیض علم لدنی سے محروم رہ گئے۔ فرمایا کہ "ان لوگوں نے جو کچھ سنا وہ تمہارے ہی طفیل میں سنا۔ مقصود تم ہی تھے" اسی طرح ایک مرتبہ مولانا رمضان شریف میں دس روز تک مکان

---

[1] مناقب ص ۲۴۸

[2] سپہ سالار ص ۳۸

Marfat.com

میں بیٹھے رہے باہر نہ آئے، مریدوں نے شور برپا کر دیا کہ ہمیں اس فراق کا تحمل نہیں ہے، سب لوگ مدرسہ میں جمع ہوئے، سلطان ولدؒ نے حجرے کے دروازے کے درار سے جھانک کر دیکھا کہ مولاناؒ کیا کر رہے ہیں، مولاناؒ نے فرمایا کہ "باہر کیا شور مچا ہوا ہے، عرض کیا کہ "محبان و عاشقان، خداوندگار کے فراق میں بیتاب ہو رہے ہیں"۔ فرمایا کہ "حق بجانب ہیں، مگر تین دن مجھے اور مہلت دیں" اس کے بعد برآمد ہوئے اور سات روز تک سماع رہا[1]۔

تاویل شکایات:۔

مولاناؒ کے سامنے آپ کے مریدوں کی جب کبھی کوئی شکایت ہوتی، ہمیشہ اس کی تاویل نہایت لطیف پیرایہ میں کرتے تھے، چنانچہ ایک روز سلطان ولدؒ نے مولاناؒ کے سامنے بیان کیا "دوسرے صوفی باہم موافقت کے ساتھ رہتے ہیں مگر ہمارے اصحاب برابر ایک دوسرے سے بیوجہ لڑتے رہتے ہیں" فرمایا کہ "بہاء الدین اگر ہزار مرغیاں گھر میں ہوں تو سب گھل کر رہتی ہیں مگر دو مرغ ایک جگہ نہیں رہتے"[2]

اسی طرح ایک روز شیخ محمود نے شکایت کی کہ ہمارے اصحاب ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، فرمایا کہ "بھائی بھائی آپس میں لڑتے ہیں مگر باپ دونوں سے خوش رہتا ہے۔"

ایک روز سلطان ولدؒ نے عرض کیا کہ "بعض اشخاص کبھی کبھی عقیدت کا

---

[1] سپہ سالار ص ۲۱

[2] مناقب ص ۱۳۳-۱۳۴

Marfat.com

اظہار کرتے ہیں اور پھر برگشتہ ہو جاتے ہیں" فرمایا کہ "ان لوگوں کی مثال دیوانوں کی ہے کبھی کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر وہی ہذیان بکنا شروع کر دیتے ہیں۔"

اتباعِ شیخ :— مولانا کا یہ خیال تھا کہ بغیر مدد شیخ کے کوئی شخص کسی درجہ پر نہیں پہونچ سکتا۔ ایک روز اسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک درویش بغیر تلقین شیخ کے ذکر میں مشغول رہتا اور نہایت کوشش و سعی کرتا تھا، ایک شب دیکھا کہ اس کے منہ سے نور نکلتا ہے اور زمین پر گر کر رہ جاتا ہے، سخت حیران ہوا اور ایک شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، شیخ نے کہا کہ جو ذکر بلا تلقین شیخ کے ہوتا ہے اس کا یہی حال ہے۔ شیخ نے اسے تلقین کی، اس کے بعد اس شخص نے مشاہدہ کیا کہ نور اس کے منہ سے نکل کر آسمان کی طرف بلند ہوتا ہے، پس معلوم رہنا چاہیئے کہ بغیر شیخ کے کوئی تربیت ٹھیک نہیں ہوتی [1]

پس اسی لئے اس تمام پاس خاطر کے ساتھ مولاناؒ مریدوں سے بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ اپنے شیخ کے سوا اور کسی طرف نظر نہ کریں۔ فرمایا کرتے تھے کہ "مثل شیخ مثل آفتاب کے ہے مرید کو چاہیئے کہ اس کا دامن پکڑ لے، جب برآمد ہوا اس کے ساتھ برآمد ہو، جب غروب ہوا اس کے ساتھ غروب ہو تاکہ تسلیم کلی و متابعتِ تام ثابت ہو جائے"۔ متعدد غزلوں میں اس خیال کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

بمن نگر کہ بجز من بہر کہ در نگری — یقین بود کہ ز نور خدائے بیخبری

---

[1] مناقب ص۳۱۲

Marfat.com

بمن نگر بد و رخسار زعفرانیِ من　　بگو نہ گو نہ علاماتِ آں جہانیِ من[1]

ایک روز مولاناؒ اپنے مدرسہ میں حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ "میں شمس الدینؒ ملطی کو بہت دوست رکھتا ہوں، مگر ان میں ایک عیب ہے" شمس الدین نے سر جھکا کر پوچھا کہ "وہ عیب کیا ہے" فرمایا کہ "در ہر وجودے تصور میکنی کہ خدا آنجاست و در پئے آں خیال بے حقیقت میروی" شمس الدین کہتے ہیں کہ واقعی میری عادت یہ تھی کہ کوئی شیخ، کوئی گوشہ نشیں، کوئی درویش ہو میں اس کے پاس پہنچتا تھا اور اس سے مدد و اعانت چاہتا تھا، میں نے اس سے توبہ کی۔

مولاناؒ خود جس درجہ شیخ کا اتباع کرنا چاہتے تھے اس کی مثال کے لئے وہ واقعہ کافی ہے جو حضرت شمس الدینؒ کے طلب شاہد و شراب کے متعلق پیش آیا۔ اسی طرح اپنے مریدوں کے لئے بھی اتباع و حضوری شیخ کو لازم و ضروری سمجھتے تھے، آپ کے مریدوں میں ایک صاحب ملک المدرسین شرف الدین قیصری تھے، تاج الدین نے ان کے لئے آقشہر میں ایک مدرسہ بنایا اور انھیں مدرسی کے لئے طلب کیا، انھوں نے جواب دیا کہ ایک روز میں مولاناؒ کی خدمت میں حاضر تھا، فرمایا کہ شیخ کی حضوری میں مرید کو (بلا اجازت شیخ) نماز پڑھنا بھی جائز نہیں، خواہ کعبہ میں کیوں نہ ہو، اس پر یہ حکایت بیان کی کہ ایک روز حضرت بہاء الدینؒ ولد بیان معرفت میں مشغول تھے، نماز کا وقت آگیا، بعض مرید اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئے اور بعض اسی طرح بیٹھے رہے، خدا نے ان

---

[1] مناقب ص۲۵ و سپہ سالارؒ ص۳۷

Marfat.com

لوگوں کو نظرِ بصیرت عطا کی اور انھوں نے دیکھ لیا کہ ان نماز پڑھنے والوں کا منہ قبلہ کی طرف سے پھرا ہوا ہے [1]

معین الدین پروانہ کے داماد مجدالدین اتابک نے مولاناؒ سے یہ درخواست کی کہ مولاناؒ کے مدرسہ میں چلہ کشی کریں، مولانا نے اجازت دیدی، چند روز بعد بھوک کی بیتابی سے اپنے رفیق کے ساتھ رات کو حجرے سے نکل کر ایک دوست کے یہاں گئے مرغ و مزعفر کھایا اور پھر آکر حجرے میں بیٹھ رہے، صبح کو مولاناؒ جب مدرسہ میں تشریف لائے تو اس حجرے کے دروازہ پر انگلی رکھ کر سونگھا اور فرمایا کہ اس حجرے سے تو مرغ و مزعفر کی بو آتی ہے، ریاضت کی بو نہیں آتی، اپنے کو شیخ کے سپرد کر دینا چاہیے تاکہ شیخ ہر مصلحت کو دیکھ کر مقصود تک پہونچا دے، مجدالدین حجرے سے باہر نکل پڑے اور استغفار کر کے کہا کہ ایسے محیط رحمت کے ہوتے ہوئے کنجِ خلوت میں بیٹھنا بے سعادتی ہے [2]

حضوری باطنی :-

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اس حضوری سے مولاناؒ کا مقصود ظاہری حضوری سے بڑھ کر باطنی حضوری کا تھا، مولاناؒ بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں یہ جسم نہیں ہوں جسے تم لوگ دیکھتے ہو" متعدد روایتیں ایسی منقول ہیں کہ مولاناؒ بعض لوگوں کے دعوی حضوری و محبت کو رد کر دیا کرتے تھے۔ وہ اس اعتبار سے تھا کہ اصل حضوری دل کی حضوری ہے چنانچہ

---

[1] مناقب ص ۱۱۴

[2] " ص ۱۸۵

Marfat.com

ایک روز سلطان ولدؒ نے عرض کیا کہ مریدین یہ کہتے ہیں کہ "جب ہم مولاناؒ کو نہیں دیکھتے تو خوش نہیں رہتے" فرمایا کہ جو شخص میرے بغیر خوش نہیں رہتا، اس نے درحقیقت مجھے پہچانا نہیں ہے، مجھے اس وقت پہچانیں گے جب میرے بغیر خوش رہیں، فرمایا کہ بہاءالدینؒ جب تم اپنے کو خوش پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ خوشی میری ذات سے ہے ؎

لیک ما را چوں بجوئی بر شادیہا جو کہ مقیمانِ خوش آباد جہاں شادیم[1]

علیٰ ہذا ایک روز مولاناؒ کے سامنے کسی نے یہ بیان کیا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ "میرا دل وجان مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہے" فرمایا "چپ رہو، لوگوں میں جھوٹ بولنا باقی رہ گیا ہے، ان لوگوں نے ایسا دل وجان کہاں سے پایا کہ مردوں کی خدمت میں حاضر کریں۔" ؎[2]

اسی طرح ایک روز علاءالدین ثریالوس نے عرض کیا آج اخی احمد لوگوں میں یہ کہہ رہے تھے کہ میں بھی مولاناؒ کے مریدوں اور عاشقوں میں ہوں، فرمایا، "چپ رہیے، وہ کیسے مرید و عاشق ہیں کہ معشوق کو پہچانتے بھی نہیں" ؎[3]

حق شناسی :۔

دوسروں کے خیالات کی قدر کرنے میں مولاناؒ بہت فراخدل تھے، شیخ صلاح الدینؒ کے حالات میں مذکور ہو چکا ہے کہ آپ فارسی نہ جاننے کی وجہ سے بعض الفاظ کا تلفظ غلط

---

[1] مناقب ص ۱۳۲

[2] " "

[3] " ص ۳۳

Marfat.com

کیا کرتے تھے، مولاناؒ خود بھی اس لفظ کا تلفظ اسی طرح کرتے، اسے فرط محبت یا وفور ادب پر محمول کر سکتے ہیں، مگر مذہب شعرا میں جو جرم سب سے زیادہ ناقابل درگذر ہے وہ دوسرے شعرا کا اعتراف ہے، لیکن مثنوی شریف میں حکیم سناؒئی، عطارؒ وغیرہ کے خیالات جن الفاظ میں نقل کئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ دوسروں کے خیالات کی کس درجہ وقعت کرتے تھے، دیوان میں بھی جہاں کہیں کوئی ذکر کسی کا آگیا ہے نہایت اچھے الفاظ میں اسے یاد کیا ہے، آپ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص معمولی سی معمولی بات بھی پسندیدہ کہتا تو آپ اس کی بے حد تعریف فرماتے تھے۔ ایک واقعہ ہے کہ ایک بڑے شخص کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے آکر مولاناؒ سے سوال کیا کہ مع تابوت کے قبر میں رکھیں یا نہیں، مولاناؒ نے اپنے اصحاب کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ کیا رائے ہے، کریم الدین ولد بیکتیمور نے کہا کہ بے تابوت کے رکھنا بہتر ہے، لوگوں نے کہا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ کہا کہ ماں اپنے بیٹے کی رعایت بھائی سے زیادہ کرتی ہے، انسان کا جسم خاک سے بنا ہے اور لکڑی کا تختہ بھی خاک سے پیدا ہوا ہے، پس دونوں بھائی ہیں اور خاک ماں ہے، پس مادر مشفق کے سپرد کرنا زیادہ بہتر ہے، مولاناؒ نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ یہ بات کسی کتاب میں نہیں ہے [1]

قدردانیٔ اہل کمال :۔

اہل کمال کی قدردانی میں بھی کوتاہی نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز ملک الحفاظ اسحٰقؒ مولاناؒ کی خدمت میں آئے، مولاناؒ نے بہت تعظیم کی، بلند جگہ پر بٹھلایا اور فرمایا کہ مصحف

---

[1] مناقب ص ۱۱

Marfat.com

کی عزت کرتے اور رحل پر رکھتے ہیں، حفاظ کہ حامل کلام اللہ ہیں انھیں کیوں نہ بلند جگہ پر بٹھلایا جائے، کسی کاغذ میں قرآن شریف لکھا ہوتا ہے اسے آگ میں نہیں ڈالتے تو جس دل میں قرآن شریف ہو تو اسے دوزخ میں کیوں ڈالیں گے، شہر کے تمام حفاظ نہایت شکرگزار ہوئے اور مولانا کے مرید ہو گئے [1]

حسن ظن:-

حق شناسی اور قدر دانی کے ساتھ حسن ظن کا وصف بھی آپ میں بہت بڑھا ہوا تھا اور ظن المومنین خیرا پر آپ خود پوری طرح عامل تھے اور اپنے اصحاب کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے رہتے تھے کہ اگر اپنے دوستوں میں سے کسی کے نسبت کسی بری بات کا علم ہو تو ستر مرتبہ خیر و نیک اندیشی سے اس کی تاویل کرو، جب بالکل ہی عاجز ہو جاؤ تو یہ کہہ کر چھوڑ دو کہ اس کا راز اسی کو معلوم ہوگا، اگر ایسا نہ کرو گے تو کوئی دوست نہ رہے گا، من طلب اخا بلا عیب فقد بقی بلا اخ [2]

یار آئینہ است جاں را در حزن در رخِ آئینہ اے جاں دم مزن [3]

قدما و معاصرین کا ادب و لحاظ

اگر ذرا دقیق نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس شے کو قدر دانی کہتے ہیں اس کے باطن در باطن میں خود اپنے حسن اخلاق کا اظہار بھی مضمر ہوتا ہے اور اس لئے اہل دنیا اور اہل جاہ سے بھی اس کا ظہور چنداں دشوار نہیں ہوتا بلکہ بکثرت وقوع میں آتا رہتا ہے، البتہ اس اظہار میں اہل تن اور اہل دل کے مبدا، خیال میں فرق ہوتا ہے لیکن اپنے ہم

---

[1] مناقب ص۱۵۱ [2] ایضاً ص۱۹۱

Marfat.com

فن دہم چشم اشخاص کے اوصاف کا اعتراف قدرے دشوار ہوتا ہے اور اس موقع پر بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں کیونکہ اظہار یا اعتراف کے لئے بے نفسی کی ضرورت ہوا کرتی اسے مولاناؒ کا ایک وصف خاص سمجھنا چاہیے کہ آپ اس بارے میں نہایت فراخدل واقع ہوے تھے۔ اس خصوص میں جسقدر حالات و روایات ملتے ہیں ان سے بلا استثنا یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولاناؒ قدما کا ادب و معاصرین کا پاس و لحاظ بدرجۂ غایت مدنظر رکھتے تھے، اپنے خاص اصحاب (حضرت شمسؒ تبریز، شیخ صلاح الدینؒ، چلپی حسام الدینؒ) اور اپنے فرزند رشید سلطان ولدؒ کے متعلق جو کچھ آپ کے خیالات تھے وہ اپنے اپنے موقع پر واضح ہو چکے ہیں، اپنے عام مریدوں سے آپ کو جس قدر الفت تھی وہ بھی بیان ہو چکی ہے لیکن اگر اپنے گروہ خاص کے علاوہ اپنے زمانہ کے دیگر علماء و صلحا کے نسبت بھی مولاناؒ ہمیشہ نہایت عمدہ خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور سلف صالحین کا نام جب لیتے تو بغیر تعریفی الفاظ کے آگے نہ بڑھتے تھے۔ مثنوی شریف میں کسی محل و موقع پر کسی نہج سے اگر کسی بزرگ کا ذکر آگیا ہے تو ان کی تعریف و توصیف میں چند اشعار قلم سے ٹپک پڑنا لامحالات سے ہے اور اشعار بھی ایسے جن سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دل سے نکلے ہیں (مثنوی کی بحث میں اسے دیکھنا چاہیے)

دیوان میں بھی جا بجا ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے مولاناؒ کے پاسِ ادب اور حسن ظن کا اظہار ہوتا ہے ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

اسرار فقر و شرع حقیقت ز ما شنو — کاندر جہاں ز عالم اسرار آمدیم
عطارؒ روح[1] بود و سنائیؒ دو چشم او — ما در پے سنائیؒ و عطارؒ آمدیم

---

[1] دیوان اور تمام تذکروں میں "روح" کا لفظ ہے اور یہی مشہور ہے گردوست شاہ نے "روحی" لکھا ہے۔

Marfat.com

مردانِ راہ جملہ یکے روح و یکدل اند　　گویند در یقین کہ بیکبار آمدیم

دوسرا شعر بغایت مشہور ہے مگر تیسرے شعر کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولاناؒ نے تخصیصاً عطارؒ و سنائیؒ کی تعریف کی ہے مگر تعمیماً تمام "مردان راہ" اور خود اپنی ذات کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے۔

ایک دوسری جگہ انھیں دونوں بزرگوں کی تعریف کرتے ہوئے خود اپنی نسبت ممیز حیثیت سے فرمایا ہے کہ

اگر عطارؒ عاشق بد سنائی شاہ فائق بد　　نہ آنم من نہ اینم من کہ گم کردم سر و پا را

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نہ صرف خود ان بزرگوں کی تعریف میں رطب اللساں رہتے تھے بلکہ اگر کسی دوسرے کے قول و فعل سے ادنیٰ سوء ادبی کا بھی اظہار ہوتا تھا تو سختی کے ساتھ اس کی تردید و ملامت کرتے تھے چنانچہ

ایک مرتبہ ملک الشعراء امیر بہاء الدینؒ تانی نے یہ تعریض کی کہ میں حکیم سنائی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ انھوں نے آیات قرآن مجید کو اشعار میں تضمین کیا ہے اور اس میں قوافی پیدا کئے ہیں، مولاناؒ نے جوش میں آکر فرمایا کہ "بس خاموش رہیے، سنائیؒ کے مرتبہ کو آپ کیا جانیں، وہ شارح اسرار قرآن ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کے غوامض سے ہے، آپ لوگ اسے نہیں سمجھ سکتے بس اس سے انکار کر کے اپنے کو معرض ہلاکت میں نہ ڈالئے۔

اصطلاحاتیست مر ابدال را　　کہ نباشد زاں خبر عقال را

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۱)

اور زیادہ موزوں و مناسب یہی معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

زاں نمایداں حقائق ناتمام　　کہ بریں خاماں بود فہمش حرام[1]

علیٰ ہذا آپ ایک مرتبہ شیخ فریدالدین عطارؒ کا کلام ملاحظہ فرما رہے تھے، کسی بوالفضول نے کہا کہ عطارؒ کا کلام ہے، آپ نے ناخوش ہو کر فرمایا "بس، میں کون ہوں" ع[2]

اسی طرح ایک روز مولاناؒ بدرالدین کے حجرے میں گئے دیکھا کہ سو رہے ہیں اور "الٰہی نامہ" پس پشت رکھا ہے فرمایا کہ "خواجہ حکیم حاضر اور تم مست خواب، ادب ظاہری کی رعایت تمام طاعتوں سے بہتر ہے، ادب کو نگاہ رکھو تاکہ محل عقب و ہدفِ لعب نہ ہو" ع[3]

قدما کی اس بزرگداشت سے صعب تر کام اپنے معاصرین کا اعتراف و اقرار ہے مگر مولاناؒ نے اس مرحلہ کو جس خوبی سے طے کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، اسی کسر نفسی اور وسعت اخلاق کا اثر تھا کہ ابتدائے حال میں جتنے اصحاب آپ کے منکر تھے۔ سب ایک ایک کر کے آپ کے معترف ہو گئے، مولاناؒ جس درجہ ان لوگوں کی عزت و وقعت ملحوظ رکھتے تھے، وہ اس سے زیادہ مولاناؒ کی حرمت کو مدنظر رکھتے تھے، ذیل میں چند واقعات ایسے دیئے جاتے ہیں جن سے ان دونوں امور کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] مناقب ص

[2] ؍ ص ۲۷۱

[3] ؍ ص ۲۶۱

Marfat.com

مختلف واقعات وبیانات سے واضح ہوچکا ہے کہ شیخ صدرالدینؒ کے نسبت مولاناؒ کے خیالات کیا تھے اور مولاناؒ کس درجہ آپ کا پاس ادب ملحوظ رکھتے تھے، آخری حد یہ ہے کہ اپنے نماز جنازہ کے لئے آپ ہی کی نسبت وصیت کی۔

ایک روز لوگوں نے مولاناؒ سے امامت کیلئے کہا تو فرمایا کہ ہم لوگ ابدالی ہیں. جہاں ہوتا ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں، امامت کیلئے ارباب تصوف وتمکین کی ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر شیخ صدرالدینؒ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے امامت کی، بعد نماز کے فرمایا کہ "من صلیٰ خلف امامٍ تقیٍ کانما صلّی خلف نبی"، شیخ آداب بجالائے [1]

شیخ بھی اسی نسبت سے مولاناؒ کی عزت وحرمت کا خیال رکھتے تھے، شیخ کی عادت تھی کہ نماز جمعہ کے بعد حجرہ میں چلے جاتے، وہاں لوگ جمع ہوتے، اور خود آخر میں تقریر کرتے، ایک روز اسی حالت میں دیکھا کہ مولاناؒ آرہے ہیں۔ سب نے استقبال کیا، مولاناؒ آکر صف کے کنارے بیٹھ گئے، شیخ نے بہت اصرار کیا کہ سجادہ پر تشریف رکھیں، تو فرمایا کہ خدا کو کیا جواب دوں گا" آخر شیخ نے فرمایا کہ "ایک طرف سجادہ پر حضرت تشریف رکھیں، دوسری طرف بندہ بیٹھ جائے گا" پھر وہی کہا، شیخ نے کہا کہ "جب سجادہ حضرت کے کام نہیں آسکتا تو ایسے سجادہ کی ضرورت ہی کیا ہے" اور اسے اٹھا دیا [2]

---

[1] مناقب صـ ۳۳۱

[2] " صـ ۱۸۹

Marfat.com

علیٰ ہذا ایک مرتبہ مدرسہ اتابکیہ میں تمام علماء و مشائخ اور اکابر شہر جمع تھے۔ شمس الدین ماردینی مسند تدریس پر تھے، داہنی جانب قاضی سراج الدین اور بائیں طرف شیخ صدرالدینؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ مولاناؒ آخر میں آئے اور صف کے کنارے بیٹھ گئے کہ دامن نیچے لٹکا ہوا تھا، پروانہ اور مجدالدین وغیرہ اٹھ کر مولانا کے قریب آ بیٹھے، مولاناؒ نے کسی طرف التفات نہ کیا۔ آخر قاضی سراج الدین آئے اور مولاناؒ کا ہاتھ چوم کر اوپر لے جاکر بٹھلایا، شمس الدینؒ نے بہت معذرت کی کہ ہم سب آپ ہی کی غلام ہیں۔ [1]

وسعت مشرب :—

مولاناؒ اگرچہ اپنے طریق و مسلک میں نہایت سخت تھے مگر تنگ نظری کا اثر آپ میں مطلق نہ تھا، اوپر منقول ہو چکا ہے کہ چلپیؒ حسام الدین شافعی طریق کو ترک کر کے حنفی طریق کو اختیار کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے انھیں روک دیا، ہفتاد و دو ملت سے متحد ہونے کی بحث میں ایک واقعہ پیش آیا وہ آگے آتا ہے۔ آپ کی وسیع المشربی ہی کا اثر تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ آپ کے ماننے والوں میں ایک بہت بڑا گروہ یہود و نصاریٰ کا بھی تھا، ایک بدھارا ہب تھا، اسے چلپیؒ عارف سے نہایت محبت تھی، لوگوں نے اس اعتقاد کا سبب پوچھا، تو اس نے کہا کہ "آپ لوگ مولاناؒ جلال الدینؒ کو کیا جانیں، میں نے ان سے بے شمار کرامات دیکھے ہیں، انا جیل میں انبیائے سلف کے جو اسرار پڑھے تھے وہ سب ان کی ذات میں مشاہدہ کئے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کی حقیقت پر ایمان لایا ہوں" [2]

---

[1] مناقب ص۱۸۰ [2] مناقب ص۲۲۳

Marfat.com

مولاناؒ کے جنازے میں یہود و نصاریٰ نے جس جوش کے ساتھ شرکت کی وہ آپ کی وسیع المشربی کے لئے شاہد عادل ہے، آپ کو کسی مذہب، کسی فرقہ سے خصومت نہیں تھی، اسی مروّج و مربّجاں روشش کا اثر ہے کہ آج تک ہر مسلک و طریق کے لوگ آپ کی یکساں عزت و عظمت کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ایک روایت ہے کہ ایک روز شیطان نے متمثل ہو کر حضرت حسام الدینؓ سے مولاناؒ کے تہجد و تعبد کی شکایت کی کہ جس وقت مولاناؒ بہ نیاز تمام نماز میں قیام کرتے ہیں، دنیا میرے لئے تاریک ہو جاتی ہے، اگر میں جانتا کہ آدم کے فرزندوں میں ایسے ایسے لوگ ہونگے تو میں آدم کی مخالفت نہ کرتا اور مجھے آدم کے رحم دل فرزندوں سے امید ہے کہ میرے لئے خدا کی درگاہ میں عذر کرینگے۔ حضرت حسام الدینؓ نے جب یہ حکایت مولاناؒ سے بیان کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ "امیداست کہ ناامید نشود"[1]

اعتراف منکرین :-

مولاناؒ کی انھیں خوش خویوں کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانہ کے تمامی علماء و فضلاء آپ کے معترف و مداح بن گئے تھے، مولاناؒ کے زمانہ میں قونیہ میں کثرت سے علماء و فضلاء موجود تھے۔ اور ان میں سے بعض اکابر ایسے بھی تھے، جو ابتداے حال میں مولانا کے معترف نہ تھے، مگر تجربہ و مشاہدہ کے بعد نہ صرف معترف بلکہ معتقد ہو گئے۔ قاضی سراج الدین، شیخ صدرالدینؒ، شمس الدینؒ ماردینی بڑے پایہ کے لوگ تھے، ان میں سے ہر ایک کو ابتداءً مولاناؒ کی جانب سے اگر انکار نہیں تو بے التفاتی ضرور رہی مگر آخرالامر سب مولاناؒ کے نفس و کمال کے گرویدہ ہو گئے

شمس الدین ماردینی ابتداءً مولاناؒ کے قائل نہ تھے، مولاناؒ نے ایک [illegible]

[1] مناقب ذکر چلپی رح

Marfat.com

حالت استغراق میں ایک فتویٰ لکھ دیا، شمس الدینؒ ماردینی نے اسے قبول نہ کیا، لوگ اس فتوے کو قاضی سراج الدین کے پاس لے گئے اور بہت کچھ کہا، مولاناؒ اختیارالدین اس مجمع میں موجود تھے، انھوں نے بحث کی اور صورت حال مولاناؒ سے آکر عرض کی، فرمایا کہ جاکر ان اصحاب سے میرا سلام کہو اور کہو کہ بغیر تحقیق مسئلہ درویشوں کو طعنہ دینا ٹھیک نہیں، مولانا شمس الدینؒ کے پاس ایک کتاب دو جلدوں میں ہے، شہر حلب میں چالیس درم کو خریدی تھی اور مدت سے اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اس کتاب کے وسط میں آٹھویں سطریں دیکھیں۔ جب شمس الدینؒ سے جاکر کہا تو انھوں نے کتاب کا خریدنا اور بہت دنوں سے اس کا نہ دیکھنا تسلیم کیا مگر یہ کہا کہ نفس معاملہ میں احتیاط چاہیے، کتاب منگا کر دیکھی تو واقعی وہ مسئلہ اسی مقام پر درج تھا، سب حیران رہ گئے۔ ع۱

شمس الدین ماردینیؒ نے ایک تو اس فتوے کے بارے میں مولاناؒ کی کرامت مشاہدہ کی پھر ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا کہ ان سے روگرداں ہیں اور وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ "اخوان مرا بنظر انکاری نگری" آخرالامر یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مولاناؒ کے مدرسہ میں سماع تھا، شمس الدین ماردینی کا مدرسہ بھی قریب تھا، شمس الدینؒ لباس تبدیل کرکے عوام میں جا بیٹھے اور دل ہی دل میں ایک سورۃ پڑھی جس سجدہ کی آیت تھی۔ مولاناؒ نے اس محل پر سجدہ کیا، قیاس کیا کہ شاید سجدۂ سماع ہوگا، جب تیسری مرتبہ ایسا ہی ہوا تب تو یقین ہو گیا کہ مولاناؒ کی نظر لوح محفوظ پر ہے اپنے تمام فرزندوں اور شاگردوں کے ساتھ آکر مرید ہوئے۔ ع۲

ع۱ پرسالار ص۴۹ مناقب ص۱۹۳ ع۲ نفحات الانس ص۳۰۰

Marfat.com

قاضی سراج الدین بھی مولاناؒ کی طرف سے خوش اعتقاد نہ تھے، انھیں یہ خبر ملی کہ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ میں بہتروں فرقوں کے ساتھ متفق ہوں، انھوں نے چاہا کہ اس معاملہ میں مولاناؒ کو ذلیل کریں، اپنے وہاں سے ایک عالم صاحب کو بھیجا کہ وہ مجمع عام میں مولاناؒ سے سوال کریں کہ آیا آپ نے ایسا کہا ہے، اگر اقرار کریں تو برملا برا بھلا کہیں، انھوں نے جاکر پوچھا، مولاناؒ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے کہا ہے، انھوں نے گالیاں دینا شروع کیں، مولاناؒ نے ہنس کر فرمایا کہ "یہ جو کچھ ارشاد ہو رہا ہے میں اس سے بھی متفق ہوں" وہ صاحب نہایت شرمندہ ہو کر واپس ہو گئے[1]، دیوان میں ایک مشہور غزل میں اس جانب اشارہ کیا ہے ؎

ملت و ادیان و ہفتاد و دو ملت در جہاں　　در حقیقت نیست باللہ ملت و ادیان منم

غالباً قاضی سراج الدینؒ ابھی مولانا کے حلقہ بگوشوں میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ ایک روز چلپی حسام الدینؒ نے مولاناؒ سے پوچھا کہ قاضی سراج الدینؒ کس قسم کے شخص ہیں، فرمایا کہ حوض کے گرد پھر رہے ہیں اور ایک دھکے کی دیر ہے، امید ہے کہ ناامید نہ ہونگے"[2]

ایک روز قاضی سراج الدینؒ نے چند مشکل و دقیق مسائل مختلف علوم سے جمع کئے اور ان مسائل کو اپنے شاگردوں کو سمجھا دیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کبھی امرا و فضلا کے مجمع میں مولاناؒ سے دوچار ہوں تو اپنی فضیلت ثابت کر دوں کہ مولاناؒ کو معلوم ہو جائے

---

[1] نفحات الانس ص ۴۰۰

[2] مناقب ص ۲۴۷

Marfat.com

کہ عالم کیسے ہوتے ہیں، میں جب بحث میں گرم ہوں اور ان مسائل میں سے کوئی دقیقہ مجھ سے فوت ہو جائے تو تم لوگ ہر طرف سے میری مدد کرنا۔ دوسرے روز کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا علی الصباح تشریف لائے اور سلام کر کے نہایت ہیبت کے ساتھ قاضی صاحب کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی واپس ہوئے، قاضی صاحب ان کے پیچھے روانہ ہوئے مگر کہیں کوئی نظر نہ آیا، ادھر لوگوں نے دیکھا کہ مولاناؒ بالاخانہ سے اتر رہے ہیں، قاضی صاحب نماز پڑھنے کیلئے جب اپنے بالاخانہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تمام نکات و مسائل دیوار پر لکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا نہایت شافی جواب درج ہے، قاضی صاحب پر ہیبت طاری ہو گئی، کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس امتحان سے توبہ کی اور دوڑتے ہوئے مولاناؒ کے مدرسہ میں آئے اور بعد اظہار عذر مولاناؒ کے مخلص بن گئے [1]

شیخ صدرالدینؒ نہ صرف علوم ظاہر میں اپنے زمانہ کے وحید العصر تھے بلکہ علوم باطن میں بھی صاحبِ مقاماتِ عالیہ تھے شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور قونیہ میں خصوصیت کے ساتھ "فصوص الحکم" کا درس دیا کرتے تھے، اولاً آپ کو بھی مولاناؒ کے حق میں بہت انکار تھا، ایک روز رات کو خواب میں دیکھا کہ مولاناؒ کے پیر دبا رہے ہیں (منمنزی می کند) جاگے تو استغفار کیا اور سو رہے، تین مرتبہ یہی خواب دیکھا، تیسری مرتبہ اٹھ کر غلام سے کہا کہ چراغ جلاؤ اور فلاں کتاب لے آؤ، غلام جب اوپر سے آنے لگا تو دیکھا کہ زینہ پر مولاناؒ بیٹھے ہوئے ہیں، آکر شیخ کو خبر دی، جا کر دیکھا تو واقعی تشریف فرما تھے، فرمایا کہ رنجیدہ نہ ہو اور استغفار نہ کرو، کبھی تم میرے پاؤں دباتے ہو اور کبھی میں تمہارے، کبھی تم

---

[1] مناقب ص ۲۶۶

Marfat.com

میری خدمت کرتے ہو اور کبھی میں تمہاری، ہم میں بے گانگی نہیں ہے یہ کہہ کر غائب ہو گئے، صبح کو شیخؒ نے قاضی سراج الدینؒ کے پاس جاکر کل حال بیان کیا، پھر قاضی سراج الدینؒ کے ہمراہ آکر مولاناؒ سے بہت عذر کیا، مولاناؒ نے حد سے زیادہ خاطر داری کی، جب باہر نکلے تو شیخؒ نے کہا کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اب آج سے اسے دوسری ہی نظر سے دیکھنا چاہیئے، قاضی سراج الدین نے بھی تصدیق کی، اور پھر ان دونوں صاحبوں کی ارادت بڑھتی گئی [1]

غرض، ادائل حال میں جن لوگوں نے مولاناؒ کی طرف سے بے التفاتی برتی یا آپ کے منکر ہوئے، آخر میں وہ سب آپ کے حسن خلق کے شکار ہو گئے، مولاناؒ کا مسلک "محبت" تھا اور محبت کے اثر سے بچ نکلنا محال، اور یہ "محبت" بھی نتیجہ تھی اس امر کا کہ مولاناؒ کی نظر نہایت کار پر ہوتی تھی، آپ خوب سمجھتے تھے کہ انجام میں کیا ہونا ہے ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ؎

دلبر بیگانہ صورت مہر دارد در نہاں — گر زبانش تلخ گوید قند دارد در لباں
از درون شو آشنا و از برون بیگانہ وش — ایں چنیں پُر مہر تر دشمن ندیدیم در جہاں

بحث و جدل۔

مناظرات مولاناؒ سے بہت کم منقول ہیں، جب کبھی ایسا موقع آتا تو آپ اکثر طرح دے جاتے، ایسا بھی ہوتا کہ دانستہ ملزم بن جاتے تھے، خواجہ شرف الدین سمرقندی کی روایت ہے کہ نو سال کی عمر میں مولاناؒ اکثر علماء کو لاجواب کر دیتے تھے اور پھر از راہ تلطف خود ہی ملزم بن جاتے تھے، لا نسلم کبھی نہیں کہتے تھے، میں نے (شرف الدین نے) کہا کہ دوسرے

---

[1] مناقب ص ۱۸۱

Marfat.com

غلبہ کرتے اور لاسلم کہتے ہیں، آپ کیوں نہیں کہتے، جواب دیا کہ جو لوگ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، ان کے سامنے میں لاسلم کس طرح کہوں[1]، مولاناؒ میں یہ عادت آخر تک رہی کہ آپ زیادہ قیل و قال میں نہیں پڑتے تھے، حجت و بحث کا پہلو بدل کر اصلی مسئلہ کو کسی مثال سے اس طرح واضح کر دیتے تھے کہ نفس مفہوم دل میں جاگزیں ہو جائے"

مثنوی شریف کے تبصرہ میں واضح ہوگا کہ ہر ایک قول و واقعہ کا مثال سے دلنشیں کرنا مولاناؒ کے خصوصیات میں تھا، یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے کہ آپ نے کس طرح ایک پوری بحث کو ایک ہی دلچسپ مثال سے طے کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں ایک قاری شیخ ضیاء الدین نے "والضحیٰ" کی تلاوت کی، ان کی قرأت کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مولانا بہت منفعل ہوئے، حضرت حسام الدینؓ نے بطریق عذر کہا کہ یہ قاری صاحب کسائی کی قرأت کے بموجب پڑھتے ہیں، مولاناؒ نے فرمایا کہ بجا ہے، پھر یہ قصہ بیان کیا کہ ایک فقیہ سفر سے آئے تھے، ایک نحوی نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو کہا "من طیس" نحوی نے کہا کہ میں نے تو اس شہر کا نام عمر بھر کبھی نہیں سنا، فقیہ نے کہا، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ "من" حرف جر ہے، جب طوس پر یہ حرف جر آیا تو اسے طیس کر دیا، نحوی نے کہا کہ میں نے نحو میں یہ پڑھا ہے کہ من اسم کو جزا دیتا ہے، یہ کبھی نہیں سنا کہ شہر کو ویران کر دیتا ہے [2]

یہ طریق تفہیم بالامثل کچھ علما و فضلا تک محدود نہیں تھا، ہر شخص کے حسب لیاقت مولاناؒ

---

[1] مناقب ص ۱۹۱

[2] " ص ۸۴

Marfat.com

اسے اسی قسم کا جواب دیا کرتے تھے، حسام الدینؒ دبّاغ کی روایت ہے کہ جوانی میں میری آنکھ میں درد ہوگیا تھا اور کسی طرح سے اچھا نہیں ہوتا تھا، لوگوں کی صلاح سے میرے والد مجھے مولاناؒ کے پاس لے گئے، میں نے دیکھا کہ خود مولاناؒ کی آنکھ میں بھی درد ہے، میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جب خود اپنا علاج نہیں کر سکتے تو میرا علاج کیا کریں گے، مجھے قریب بلایا اور اپنا آب دہن میری آنکھ میں لگایا اور فرمایا کہ خود چھری اپنے دستہ کو نہیں کاٹ سکتی مگر دوسری جگہ تلوار کا کام کر سکتی ہے، دوسرے روز بفضل خدا میری آنکھوں کا درد جاتا رہا، والد نے مجلس سماع ترتیب دی اور میرا کل خاندان مرید ہوگیا (اب عمر اسی برس کی ہوگئی ہے مگر پھر کبھی درد نہیں ہوا

ردوکد سے مولاناؒ جسطرح پہلو بچالے جایا کرتے تھے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولاناؒ کے بعض اصحاب "فتوحات مکیہ" کے متعلق کچھ قیل وقال کر رہے تھے کہ عجب کتاب ہے، اس کا مقصود بالکل معلوم نہیں ہوتا اور اس کے اسرار ناقابل فہم ہیں، اسی اثناء میں زکی قوال آگیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ "فتوحات زکی بہ از فتوحاتِ مکی است" اور فوراً ہی سماع شروع کر دیا اس طرح لوگوں کو اس فضول بحث سے روک دیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درویش کو مولاناؒ نے صرف سکوت سے جواب دیا جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز مولاناؒ شیخ صدرالدینؒ کے وہاں تشریف فرما

علہ مناقب ص۳۸۳

Marfat.com

تھے اور دونوں بزرگ مراقب تھے، ایک درویش حاجی کاشی نے سوال کیا کہ فقر کیا ہے؟ مولاناؒ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال کیا، تینوں مرتبہ خاموش رہے، پھر اٹھ کر چلے گئے، مولاناؒ کے تشریف لے جانے کے بعد شیخ نے کہا کہ یہ کونسا موقع سوال کا تھا؟ مگر جواب مل گیا، فقیر نے پوچھا کہ وہ کیا فرمایا کہ "الفقیر اذا عرف اللہ کل لسانہ"

مولاناؒ خود معارضہ کا پہلو اختیار نہیں کرتے تھے، دوسرے ایسی صورت پیدا کرتے تو آپ مختصر و مسکت جواب پر کفایت کرتے تھے، ایک شیخ مجدالدین جندی نے پروانہ کی مجلس میں یہ دعویٰ کیا آج اس مجلس میں مولاناؒ جو کچھ کہیں گے، میں اس کی مخالفت کروں گا، شیخ صدرالدینؒ نے فرمایا کہ ایسا نہ چاہیئے، اسی اثنار میں مولاناؒ آگئے اور آتے ہی فرمایا کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" مجدالدین نے استغفار کیا اور بہت ہی عذرخواہی کی۔ علہ

اسی طرح ایک روز معین الدین پروانہ نے اپنے مکان پر بہت بڑا اجتماع علماء و اکابر کا کیا اور آرزو یہ ہوئی کہ کاش مولاناؒ بھی تشریف لاتے، پروانہ کا داماد مجدالدین اتابک مولاناؒ کو لینے کے لئے روانہ ہوا، ادھر علماء میں یہ گفتگو ہوئی کہ مولاناؒ آویں تو کہاں بیٹھیں، لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں، مولاناؒ بھی جہاں چاہیں گے بیٹھ جائیں گے، حسام الدین مولاناؒ کے قبل آگئے، سب نے ان کی تعظیم کی اور صدر میں جگہ دی، اس کے بعد مولاناؒ تشریف لائے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر

علہ مناقب ص۲۵۳

Marfat.com

صحن میں بیٹھ گئے۔ حسام الدینؓ اٹھ کر مولاناؒ کے پہلو میں آ بیٹھے، پھر تو اکثر اکابر اٹھ اٹھ کر وہیں آ گئے اور جو اتفاق نفاق باہم ہوا تھا شکست ہو گیا، جب صدر صفہ اس طرح خالی ہو گیا تو ایک صاحب شرف الدینؒ نے ازراہ گستاخی سوال کیا کہ اب مقام صدر کہاں ہے؟ صدر تو خالی ہو گیا اور صف نعال کو صدر بنا دیا، قاضی سراج الدین نے کہا کہ مدرسوں میں صدر صف کے درمیان ہوتا ہے۔ جہاں مدرس بیٹھتا ہے، شیخ شرف الدین ہروی نے کہا کہ طریق اہل اعتکاف اور پیران خراسان کے یہاں صدر کنج زاویہ ہوتا ہے، شیخ صدرالدینؒ نے کہا کہ صوفیوں کے مذہب میں صدر کنار صفہ کو کہتے ہیں، اس کے بعد ازراہ امتحان مولاناؒ نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک مقام صدر کہاں ہے، فرمایا کہ ؎

آستان و صدر و رسمی کجاست　　ما و من کو آں طرف کہ یار ماست

صدر وہاں ہے جہاں یار ہے۔

سید شرف الدین نے کہا کہ یار کون؟ فرمایا ؎

تو دیدہ نداری کہ بدو در نگری　　ورنہ ز سرت تا قدمت اوست ہمہ [1]

نصائحؔ۔

نصائحؔ کے متعلق مولاناؒ کا انداز خاص جس کا اظہار مثنوی شریف میں نہایت کثرت سے ہوا ہے، یہ تھا کہ تمثیل سے بیشتر کام لیتے تھے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ کسی واقعہ کے پیش آنے سے نتیجۃً نصیحت کیا کرتے تھے جس کا اثر خصوصیت کے ساتھ زیادہ ہوتا تھا" فیہ ما فیہ " میں مولاناؒ کے نصائحؔ بہت کثرت سے منقول ہیں بلکہ وہ انھیں نصائحؔ کا مجموعہ ہے

---

[1] مناقب ص ۶۰۵

Marfat.com

لیکن اگر اس کے اقتباسات یہاں دیئے جائیں تو بہت طول ہو جائے گا۔ صرف مناقب العارفین سے چند نصائح نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ مولاناؒ کا طرز خاص کیا تھا (اہل دول کو مولاناؒ جس طرح نصیحت کرتے تھے اور اس کا جو اثر ہوتا تھا وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے)

ایک مرتبہ بہاء الدین ولدؒ سے فرمایا کہ چاہتے ہو کہ تم اپنے دشمن کو دوست سمجھو، اور وہ تمہیں دوست سمجھے؟ پس چالیس روز تک اس کی نیکی کے سوا اور کچھ نہ کہو، جس طرح دل سے زبان تک راہ ہے اسی طرح زبان سے دل تک راہ ہے [1]

ایک روز مولاناؒ اپنے مدرسہ میں وعظ فرما رہے تھے، اس میں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں "انکر الاصوات لصوت الحمیر" فرمایا ہے، معلوم ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہی بہتر جانتے ہیں، ارشاد ہوا کہ تمام حیوانات کے لئے ایک تسبیح ہے، علیٰ ہٰذا انسان و ملائکہ کے لئے بھی، مگر گدھا صرف دو وقت بولتا ہے ایک جب اسے آرزوے جماع ہوتی ہے اور دوسرا جب بھوکا ہوتا ہے، پس یہی حال اس شخص کا ہے جسے سوائے کھانے اور مباشرت کے کوئی اور فکر نہ ہو [2]

بزرگان شہر قونیہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا تھا، شہر کے تمام اعیان و اکابر جمع ہوے، بڑے لوگوں میں سے جو شخص آتا، کمال الدین معرف اس کی تعریفیں کر کے اسے بٹھلاتا۔ مولاناؒ جنازے کے نکلنے تک مکان کے باہر ہی کھڑے

---

[1] مناقب ص ۱۷۵

[2] " ص ۷۳

Marfat.com

رہے جب جنازہ کو لے کر قبر تک پہونچے اور تابوت کو قبر کے کنارے رکھا تو مولاناؒ لب قبر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کوئی تلقین پڑھتا ہو اور فرمایا کہ کمال معرف کو بلاؤ۔ کمال حاضر ہوا تو فرمایا کہ اب صدرالدین اور بدرالدین ہیں تو ظاہر ہوں اور مدد کریں، لوگوں میں ایک شور برپا ہو گیا علہ

ایک روز مولاناؒ ایک ویرانے کی طرف سے گزر رہے تھے، سراج الدینؒ تبریزی بھی ہمراہ تھے، بہت سے کتے پڑے سو رہے تھے، سراج الدین نے کہا کہ ان بیچاروں میں کیسا اتحاد ہے اور کیسا ایک دوسرے سے ملے ہوئے سو رہے ہیں، مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر ان کا اتحاد دیکھنا ہے تو ایک مردار یا ایک کلیجی ان کے درمیان پھینکدو، پھر دیکھو کیسا اتحاد ہے یہی حال دنیا اور اہل دنیا کا ہے کہ جب تک کوئی غرض نہیں ہوتی ایک دوسرے کے دوست و محب ہیں مگر جہاں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ غرض بھی درمیان آئی برسوں کی دوستی و محبت سب ہوا ہو گئی، پس اہل نفاق کے اتفاق کو بقا نہیں علہ

ایک مرتبہ مولاناؒ حمام میں بیٹھے ہوئے حقائق و معارف بیان کر رہے تھے، دفعتہً اٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے پوچھا کہ "مولاناؒ کون ہے" تین بار ایسا ہی کہا، سب لوگ خاموش رہے فرمایا کہ اگر کوئی غیر شخص آوے اور کپڑے اتارنے کے کمرے میں تم لوگوں کے کپڑے دیکھے تو سمجھ لے گا کہ مولاناؒ کے اصحاب یہاں جمع ہیں۔

علہ مناقب ص۱۰۰

علہ ؍ ص۱۱۸

Marfat.com

پس اکنوں جامۂ دوستار معرف شما باشد چرا نیاید کہ شما معرف جانہا و جامہا باشید، جس طرح تم نے ظاہر کو آراستہ کیا ہے ویسا ہی باطن کو آراستہ کرو اور پوری طرح مولوی معنوی ہو جاؤ۔

اثرِ کلام، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ پند و نصائح کا اثر الفاظ کی وجہ سے اس قدر نہیں ہوتا جس قدر صدق و سوز کی وجہ سے ہوتا ہے، مولاناؒ کی زبان میں جو اثر تھا وہ نتیجہ تھا آپ کے صدق و سوز کا، مولاناؒ ہی کے ہمعصروں میں نصیر الدین طوسی بھی ہو گذرے ہیں، جو اپنے کمال علمی کی وجہ سے "محقق" کے خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں، آپ نے ایک کتاب "اخلاق ناصری" لکھی ہے جو اس وقت تک درس میں داخل ہے، اس میں اخلاق کی ایک ایک صنف کو ترتیب وار گنایا ہے مگر خود مصنف کے اخلاق کی کیفیت سے تاریخ اسلام کے صفحات پہ جا بجا دھبے پڑے ہوئے ہیں[1]؛ پس کتاب کا اثر بھی اسی حد تک ہے کہ حلق سے نیچے نہیں اتر سکتی، اس کے برخلاف مولاناؒ کا کلام ہے کہ نہ کوئی ترتیب ہے یہ مسائل اخلاق کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے، مگر اثر کا یہ عالم ہے کہ کہیں سے بھی کوئی ٹکڑا اٹھا لیجئے، دل کا کیا ذکر روح تک وجد میں آجاتی ہے، اور یہ تو ایک مشہور مقولہ (اور واقعہ) ہے کہ مثنوی نے سینکڑوں کو ولی بنا دیا، یہ حالت جب اس وقت

---

[1] بنا ہی بغداد کی تمام کارروائی میں آپ ہلاکو خاں کے مشیر موتمن تھے اور معتصم باللہؒ کے ہلاک کرنے کی ترکیب کو تو آپ کے اختراعات میں درجہ خاص حاصل ہے، معتصم کے علاوہ اور بھی متعدد مسلمان حکمرانوں کو صریحی بدعہدی سے مغلوں کے ہاتھ برباد کرنے کے فخر سے آپ کا رنامۂ حیات مزین ہے۔

Marfat.com

تک ہے تو جو لوگ مولاناؒ کے کلام کو خود آپ کی زبان سے سنتے رہے ہوں گے ان پر کیا کچھ اثر نہ ہوتا رہا ہوگا۔ "فیہ ما فیہ" میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں کچھ رومی بھی موجود تھے اور مولاناؒ کا کلام سن کر روتے اور وجد کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ اس قسم کے کلام کو ہزار ہا مسلمانوں میں دو چار سمجھتے ہیں، یہ لوگ کیا سمجھ کر روتے ہیں، فرمایا کہ یہ ضرور نہیں کہ وہ نفس معاملہ کو بھی سمجھیں، جو اصل ہے اسے سمجھتے ہیں، یہ خدا کی ثنا و صفت ہے، اس سے سب کو ذوق حاصل ہوتا ہے۔ "چہ اگر رائہا مختلف است امّا مقصد یکیست" علہ

مقولات :-

نصائح کے ذیل میں مولاناؒ کے چند مقولات کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ ان مقولات سے خصوصیت کے ساتھ یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ شگفتگی و زندہ دلی کو ہر حال میں قائم رکھتے تھے، لوگ آپ سے ہر قسم کے سوالات کیا کرتے تھے، آپ اس سے کبھی مکدر نہیں ہوتے تھے اور جواب ایسے معنی خیز مدلل دیتے تھے کہ دل میں گھر کر جائیں۔

افلاکیؒ نے مناقب العارفین صفحہ (۳۲۰-۳۲۸) میں مولاناؒ کے چند طولانی مقولات بلکہ مواعظ نقل کئے جاتے ہیں لیکن یہاں جو مقولات درج ہوئے ہیں وہ مختلف واقعات سے ماخوذ ہیں، جنمیں خصوصیت سے اختصار مدنظر رکھا گیا ہے)

ایک مرتبہ ایک گستاخ نے یہ سوال کیا کہ خدا نے جب آدمی کو مٹی اور پانی سے

علہ "فیہ ما فیہ" صہ ۲۴-۲۰۵

Marfat.com

بنایا تو اس میں بھوسا بھی ملایا تھا یا نہیں، فرمایا کہ اگر بھوسا ملایا ہوتا تو میرے اینٹیاں اس طرح پھٹ نہ جاتیں [1]

اسی طرح ایک درویش نے سوال کیا کہ آدمؑ کو خدا نے صبح کے وقت بنایا، رات میں یا دن میں کیوں نہ بنایا، فرمایا کہ اگر رات میں بناتا تو تمام بنی آدم ظلماتی ہو جاتے اور اگر دن میں بناتا تو سب نورانی ہو جاتے، اس لئے صبح میں بنایا کہ کچھ ظلماتی و کافر ہوں، کچھ نورانی و مسلمان [2]

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ عارف کون ہے، فرمایا کہ "عارف کسے است کینہ کدورتے صاف اورا کدر نگرداند العارف لا یتغیر" [3]

ایک دن شیخ اوحدالدینؒ کرمانی نے کہا کہ کافر کون ہے، فرمایا کہ آپ مومن کو دکھایئے تو میں بتا دوں گا کہ کافر کون ہے؟ شیخؒ نے کہا کہ "مومن آپ لوگ ہیں" فرمایا "جو ہماری ضد ہے وہ کافر ہے" [4]

ایک روز ایک امیر زیارت کو آیا تھا، اس نے کہا کہ کتے کے بچے بہت ہوتے ہیں اور بکری کے ایک یا دو بچے ہوتے ہیں اور سال بھر بکریوں کو ذبح کرتے رہتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ بکریاں زیادہ ہیں اور کتے کم، فرمایا کہ بکری سحر خیز ہے اور کتا صبح کو سو جاتا ہے یہ برکت سحر خیزی کی ہے [5]

---

[1] مناقب ص۲۲۲

[2] " ص۲۳۰

[3] " ص—

[4] " ص—

[5] ایضاً

ایک عزیز نے سوال کیا کہ ابلیس آنحضرتؐ کے دل میں وسوسہ ڈالتا تھا اور حضرت عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ آنحضرتؐ دریا تھے، اور حضرت عمرؓ ایک پیالہ، دریا میں اگر کتا منہ ڈالدے تو کوئی اسے روکتا نہیں مگر پیالہ کو محفوظ رکھتے ہیں۔[1]

ایک روز فرمایا کہ انسان کو اوپر لے جانا مشکل ہے، نیچے گرا دینا کچھ دشوار نہیں۔[2]

(یعنی ترقی مدارج مشکل ہے، تنزل کچھ دشوار نہیں۔)

ایک دن کوئی درویش کسی کی بدگوئی کی شکایت کر رہا تھا، فرمایا "جہانگیر تواں شد دہاں گیر نے"

کسی شخص نے کہا کہ میں ایک چیز بھول گیا ہوں، فرمایا دنیا میں ایک چیز ہے۔ اسے نہ بھولنا چاہئے اور وہ فرمان خدا ہے، باقی اور تمام چیزیں فراموش ہو جائیں کوئی پروا نہیں، اور اگر ان تمام چیزوں کو یاد رکھا اور اس فرمان کو بھول گئے تو پھر کچھ نہ کیا۔[3]

ایک مرتبہ امیر پروانہ نے سوال کیا کہ مغول ہمارا مال لے جاتے ہیں اور کبھی کبھی دے بھی جاتے ہیں، اس باب میں کیا ارشاد ہے، فرمایا کہ مغول جو کچھ تم سے لے جاتے ہیں وہ ایسا ہے کہ خدا کے قبضہ و خزانہ میں چلا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تم دریا سے ایک کوزہ بھر لو، جب تک پانی اس کوزے میں ہے تمہاری ملک ہے، جب پھر دریا میں ڈالدو وہ ملک عام ہے، اسی طرح ہمارا مال ان پر حرام ہے اور ان کا مال ہمارے لئے حلال

---

[1] مناقب ص ۲۶۰

[2] " ص ۲۶۲

[3] "نیافہ" ص ۳۳

Marfat.com

ہے علہ

ایک مرتبہ فرمایا کہ جو چیز محبوب ہے وہ اچھی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ جو چیز اچھی ہو وہ محبوب بھی ہو، خوبی جزو محبوب ہے، محبوبی اصل ہے علہ

ایک مرتبہ پروانہ نے کہا کہ اصل علم ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ اہل عمل کون ہے۔ اور طالب کہاں ہے کہ میں اسے عمل دکھاؤں، عمل کا خریدار کوئی ملتا نہیں ہے، مجبوراً گفت میں مشغول ہوں علہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا کہ آیا جوئیں مارنا گناہ ہے، فرمایا کہ جب ہاتھ دھوڈالو تو وہ گناہ زائل ہوگیا علہ

ایک روز فرمایا کہ جو پرندہ زمین سے اوپر اڑے گا آسمان پر نہیں پہونچے گا مگر اسقدر تو ہوگا کہ دام دنیا سے دور تر رہے گا اور جال میں پھنسنے سے بچ جائے گا، اسی طرح اگر کوئی درویش ہوجائے تو اگرچہ کمال کو نہ پہونچے مگر اسقدر تو ہوگا کہ زمرۂ عام اور اہل بازار سے ممتاز ہوجائے گا، دنیا کی زحمتوں سے بچ جائے گا اور سبک بار رہے گا۔ علہ

(مولاناؒ نے انسان کامل کی ایک نہایت ہی نادر تعریف بیان کی ہے چنانچہ)

علہ "فیہ مافیہ" صہ ۱۴۴

علہ " صہ ۱۶۲

علہ " صہ ۱۷۰

علہ مناقب صہ ۲۳۲

علہ " صہ ۱۸۵

Marfat.com

ایک روز فرمایا کہ تمام دنیا شخص واحد کے اجزا ہیں اور "اللّٰھم اھدِ قومی فانھم لایعلمون" کا اشارہ اسی جانب ہے کیونکہ اگر قوم انسان کامل کا جزو نہو تو وہ کل نہ ہوگا ؎

جزو درویشند جملہ نیک و بد ورنہ باشد ایں چنیں درویش کیست[1]

ایک مرتبہ فرمایا کہ عاقلوں نے اس قدر زحمتیں برداشت کر کے چاندی سونے کو خاک و سنگ سے نکالا کہ لوگ ان سے نفع حاصل کریں، یہ بخیل ان چیزوں کو پھر مٹی اور پتھر میں دفن کرتے ہیں کہ لوگوں کو ان چیزوں سے نفع نہ پہونچے[2]

ایک مرتبہ فرمایا کہ مردی یہ ہے کہ خاک کو سونا بنادیں مردی یہ نہیں ہے کہ سونے کو خاک بنادیں، الحمدللہ کہ ہم دونوں حال میں پہلوان ہیں[3]

بعض فتاوے۔

اس ضمن میں مولاناؒ کے بعض دلچسپ فتاویٰ کا ذکر کر دینا بھی ناموزوں نہ ہوگا، اہل فتوے کے پاس لوگ اکثر ایسے سوالات بھی پیش کیا کرتے ہیں جنھیں فی الواقع نفس فقہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ لاینحل مشکلات کو جودت طبع سے حل کرنا پڑتا ہے، تمام ائمہ اور بالخصوص امام اعظمؒ کی نسبت اس قسم کی حکایتیں بہت کثرت سے منقول ہیں[4]، مولاناؒ کے پاس بھی ایسے سوالات گاہ بگاہ آجاتے تھے اور مولاناؒ ان میں ایسی رائیں

---

[1] مناقب ص۱۰۲

[2] " ص۳۴۶

[3] " ص"

[4] " "

Marfat.com

پیدا کر دیتے تھے کہ ان کے سوا کوئی دوسری صورت ہو نہیں سکتی تھی، یہاں اس نوع کی صرف دو حکایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص کسی کے درخت پر پھل توڑنے کیلئے چڑھ گیا تھا، ناگاہ صاحب باغ آگیا، اس نے کہا نیچے اتر، وہ نیچے نہ آیا، جب صاحب باغ نے سخت اصرار کیا تو کہا کہ اگر میں اس درخت سے نیچے اتروں تو میرے بیوی کو تین طلاق ہے، تین روز اسی حالت میں گرفتار رہا، ہر طرح کے فتوے طلب کئے مگر کوئی صورت نہ نکلی، آخر ایک شخص نے جاکر مولانا سے عرض کیا، فرمایا اس درخت سے دوسرے درخت پر چلا جائے اور وہاں سے اتر آئے اور اگر درخت تنہا ہو تو گھوڑے کی پیٹھ پر اتر آئے، پھر زمین پر آجائے، طلاق واقع نہ ہوگی [1]

اسی طرح ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کر جی خاتون، پروانہ سے رنجیدہ ہو گئی، لوگوں نے ہر چند سفارش کی، کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر الامر اس شرط پر مصالحت کی کہ میں جو کچھ طلب کروں وہ مجھے دے ورنہ مجھ پر تین طلاق ہو جائے گی، پروانہ نے منظور کر لیا، خاتون نے کہا کہ خدا نے دنیا میں جتنی نعمتیں اور عجائب پیدا کئے ہیں سب میرے سامنے لاکر حاضر کردو، پروانہ عاجز ہو گیا اور کوئی تدبیر بن نہ آئی، آخر مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر کل کیفیت عرض کی، فرمایا کہ کلام مجید کو رومال میں باندھ کر اسے دیدو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین [2]

---

[1] مناقب ص ۲۲۴

[2] " ص ۲۶۰

Marfat.com

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ یا معنی خیز فتوے بھی ملاحظہ ہو ایک شخص کو اس کی بیوی نے یہ قسم دی کہ جو کچھ میں کہوں وہ کرو ورنہ مجھ پر تین طلاق ہو جائے گی، شوہر نے اسے منظور کر لیا، بیوی نے کہا کہ "سور کا آدھ سیر گوشت کھا جاؤ" وہ شخص سخت حیران ہوا کہ کیا کرے، کسی سے کوئی جواب بن نہیں آتا تھا، مولاناؒ کے پاس آکر عرض کیا، فرمایا قاضی کے محکمہ سے آدھ سیر روٹی لے کر کھالے طلاق نہیں ہوگی "علہ

زندہ دلی۔

مولاناؒ کے کلام کے مطالعہ کرنے والے قدم قدم پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کا کلام تمام تر وصال سے تعلق رکھتا ہے، افسردگی و پژمردگی آپ کے قریب ہو کر نہیں گزری ہے، کلیات کا مجموعہ پچاس ہزار اشعار کے قریب ہے مگر اس تمام مجموعہ میں ایک غزل بھی شکوہ و شکایت کی نہیں ہے، شمس الدینؒ کے فراق میں جو دلدوز غزلیں لکھی ہیں وہ بھی اپنے انداز میں خاص ہیں، یہاں اس اصل کی ایک دوسری شاخ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، وہ یہ کہ مولاناؒ نے نہ صرف اپنے کلام سے "فراق" کو خارج کر دیا تھا بلکہ اپنی طبیعت کو بھی حزن و ملال سے فارغ کر لیا اور فرحت و انبساط کو اپنا خاصۂ طبیعت بنا لیا تھا، ظاہری اعتبار سے یہاں ایک تخالف پیش آتا ہے، وہ یہ کہ جب لوازم تصوف میں "حزن" بھی ایک شرط لازمی ہے اور خود مولاناؒ نے مثنوی شریف میں جا بجا اس جانب توجہ دلائی ہے تو پھر عملی حیثیت میں مولاناؒ کا اس سے مستغنی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا جواب

علہ مناقب ص ۲۶۰

Marfat.com

یہ ہے کہ "یہ حزن ممدوح" امور عاقبت سے تعلق رکھتا ہے' اور پھر اس میں باریک نکتہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی نظر نہایتِ کار پر ہے ان پر خوف کا اور خون کی وجہ سے حزن کا غلبہ رہتا ہے اور جن کی نظر بدایت کار پر ہے وہ غم و شادی دونوں سے فارغ ہوتے ہیں' مثنوی شریف میں یہ نکتہ بھی پوری طرح منشرح کر دیا گیا ہے لیکن خود مولاناؒ کے اس فرحت و انبساط کو نہ نہایتِ کار سے واسطہ تھا نہ بدایت کار سے اور نہ اس سے امور عاقبت کے اندیشہ سے محزوں ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔ یہ جو کچھ تھا اس اعتبار سے تھا کہ مولاناؒ معاملات و تفکرات دنیاوی سے اس درجہ بے فکر رہتے تھے کہ اس کی وجہ سے آپ کے دل پر رنج و غم طاری نہیں ہوتا تھا' مثنوی شریف میں اسے اس تمثیل میں بیان فرمایا ہے کہ حالتِ خواب میں کسی کو کسی شے کی فکر نہیں رہتی' عارف کی یہی حالت بیداری میں بھی ہوتی ہے ؎

شب ز زندان بے خبر زندانیاں — شب ز دولت بیخبر سلطانیاں
نے غم و اندیشۂ سود و زیاں — نے خیالِ ایں فلان و آں فلاں
حال عارف ایں بود بے خواب ہم — گفت یزداں ہم رتو دزیں مرم
خفتہ از احوال دنیا روز و شب — چوں قلم در پنجۂ تقلیب رب

پس جب معاملات دنیا سے اس طرح کی بے فکری پیدا ہو گئی تو پھر رنج و غم کا اثر از خود ناپید ہو گیا اور فرح و انبساط کے سوا دل میں کسی شے کا دخل باقی نہ رہا۔ مگر یہ فرح و انبساط کسی نہج سے وہ فرح و انبساط نہیں ہے جو فرقہ خرمیہ کا مسلک ہے کہ تمام علائق و قیود سے آزاد ہو کر نتائج و عواقب دنیا و عقبیٰ سے بے فکر بن کر اور ہر طرح کی ہمدردی انسانی کو بالائے طاق رکھ کر لذاتِ دنیاوی سے تا حد امکان تمتع حاصل کیا جائے' اور جو میسر ہو اس کی پرواہ کیجائے' بلکہ یہ فرح و انبساط نتیجہ ہے اس اعتماد و توکل علی اللہ کا جو خاصہ ہے نفس مطمئنہ کا۔

Marfat.com

سلطان ولدؒ کی رنجیدگی پر مولاناؒ نے انھیں جو نصیحت کی ہے اس میں اس رمز کو منکشف کر دیا ہے کہ باطن در باطن میں رنجیدگی کے معنیٰ یہ ہیں کہ ربوبیت الٰہی اور حکمت خداوندی پر اعتقاد کامل نہیں ہے ورنہ وہاں رحم محض کے سوا اور کیا ہے ؎

اے زغم مردہ کہ دست از ناں تہی است　　چو غفور است و رحیم این ترس چیست

زیادہ صاف الفاظ میں یوں کہا ہے کہ غلبۂ حسن ظن نے دوسری جانب کے خیال کو باقی نہیں رکھا ہے ؎

حسن ظنے بر دل ایشاں کشود　　کہ نپوشند از غمے جامہ کبود

مولاناؒ کو اس باب میں اس درجہ غلو تھا کہ ایک مرتبہ مجمع احباب میں آپ حضرت شمس الدینؒ تبریزی کی مدح فرما رہے تھے، بدرالدین ولدؒ مدرس کی زبان سے نکلا کہ "زہے حیف، زہے دریغ" مولاناؒ نے پوچھا کہ 'چرا چیف و چہ حیف و ایں بر کجا ست، و موجب حیف چیست و حیف در میان ما چہ رواورد" بدرالدین نے کہا کہ میں مولاناؒ شمس الدین کے حضور پُر نور سے مستفید نہ ہو سکا، اس کا افسوس کرتا تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ "اگرچہ تم مولاناؒ شمس الدین کی خدمت میں نہ پہونچ سکے مگر ایسے شخص کی خدمت میں پہونچ گئے ہو جس کے ہر تار مو میں ہزاروں شمس الدین آویزاں ہیں" [1] پس حیف بے کار ہے)

مولاناؒ کے سوانح سے جہاں تک استنباط ہو سکتا ہے اُس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے

---

[1] مناقب ص ۶۹ [اگرچہ خود حضرت شمس الدینؒ مولاناؒ کی شان کو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ سمجھا کرتے تھے مگر مولاناؒ نے جس طرح حضرت شمس الدینؒ کی مدح سرائی کی ہے اس پر نظر کرتے ہوئے ان الفاظ

Marfat.com

کہ روزمرہ کی زندگی میں بھی مولاناؒ پر شگفتگی و زندہ دلی کا رنگ غالب رہا کرتا تھا۔ جمع کی جائیں تو اس قسم کی بہت سی روایتیں مل جائیں گی جن سے مولاناؒ کی بشاشت طبع کا اظہار ہوتا ہو۔ ازانجملہ ایک روایت ہے کہ ایک روز حجام داڑھی درست کر رہا تھا، پوچھا داڑھی کتنی رکھوں فرمایا بس اتنی کہ مرد و عورت کا فرق معلوم ہو جائے۔ بڑھی داڑھی صوفیوں کیلئے اچھی مگر جتنی دیر میں صوفی داڑھی میں کنگھا کرے گا، عارف خدا تک پہنچ جائے گا۔"

اسی طرح ایک روز حجام سر مونڈ رہا تھا اور بہت زیادہ صاف کرتا تھا، فرمایا جب بالوں کو نکلنا ہے تو اتنا ہی کافی ہے۔

ایک مرتبہ کسی شادی کی محفل میں کسی نے کہا کہ شکر بادام نہیں ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ "شکر تو ہے مگر بادام نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ مولاناؒ، شیخ صدرالدین اور نجم الدین رازی یکجا تھے، نماز کا وقت آیا تو نجم الدینؒ رازی نے امامت کی اور دونوں رکعتوں میں قل یاایہا الکفرون پڑھی، چونکہ دونوں میں ایک ہی سورت پڑھنا غیر معمولی بات تھی، مولاناؒ نے شیخ صدرالدینؒ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ایک دفعہ میرے لئے پڑھی اور ایک دفعہ آپ کے لئے [1]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۶)

میں گو نہ استبعاد معلوم ہوتا ہے لیکن بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو کچھ فرمایا مخاطب کے استفادہ کی نظر سے فرمایا کہ حضرت شمسؒ سے اسے جو کچھ حاصل ہو سکتا تھا اس سے ہزار گونہ وہ مولاناؒ سے حاصل کر سکتا ہے]

[1] سوانح مولانا روم ص ۳۱ بحوالہ نفحات الانس

Marfat.com

کمالاتِ باطنی

مولاناؒ نے ابتدائے سن شعور سے آخر دم تک جس طرح مجاہدات و ریاضات میں زندگی بسر کی ہے اگر ان کی کیفیات کا التقاط کر کے یکجا جمع کیا جائے تو علاوہ طول بحث کے اس زمانہ میں ان پر یقین آنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ جس زمانہ میں رمضان المبارک میں بھی "شبینہ" کا ذکر کہیں سننے میں نہ آئے، بلکہ تراویح کی بیس ہلکی رکعتوں سے بھی ہمتیں قاصر ہوں، اس زمانہ میں کس طرح یقین آئے کہ صدہا بزرگان سلف دو رکعت میں قرآن شریف ختم کر دیا کرتے تھے اور ایک ایک شب میں پانچ پانچ سو بلکہ ہزار ہزار رکعتوں تک پڑھا کرتے تھے۔ پس مولاناؒ کے عبادات و ریاضات میں سو ایسے ہی چیدہ چیدہ حالات دیئے جاتے ہیں جن پر یقین آنے کے لئے طبیعتوں پر زیادہ زور دینا نہ پڑے۔

Marfat.com

پابندیٔ شریعت ظاہری۔

مولاناؒ اگرچہ بچپن ہی سے مراتب سلوک طے کرتے رہے تھے اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد سید برہان الدینؒ سے تمام کمالات باطنی حاصل کر لئے تھے، پھر بھی تقریباً چالیس برس کی عمر تک آپ علمائے ظاہر ہی کے لباس میں رہے اور فتوے نویسی کا شغل تو آخر تک جاری رہا۔ شمس تبریز کی ملاقات کے بعد جب تصوف کا رنگ زیادہ غالب ہوا تو آپ نے اپنی وضع ظاہری میں بہت کچھ تبدیلی کر دی، لیکن شرع کی پابندی میں مطلقاً کوئی فرق نہیں آیا۔ تمام اکابر صوفیہ اول دن سے کہتے اور لکھتے آئے ہیں کہ کمال پابندی شریعت ہی تصوف ہے مگر اس گروہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے اپنی اباحت پسندی سے اہل تصوف کی نسبت ایک ظن باطل پیدا کر دیا ہے کہ "تصوف پابندی شریعت سے آزاد ہونے کا نام ہے اور بناءً علیہ ممکن ہے کہ مولاناؒ کی نسبت بھی یہی گمان ہو کہ آپ تصوف میں داخل ہو کر قیود شرع سے آزاد ہو گئے تھے مگر حاشا کہ ایسا نہیں تھا، ساری مثنوی پیروی سنت و پابندی شریعت کے بیانات و نکات سے پُر ہے "تصوف" کی جان "عشق" کو مولاناؒ "اباحت" و "آزادی" نہیں سمجھتے تھے بلکہ مراحل و مراتب عشق کے نسبت آپ کا جو کچھ خیال تھا، اسے ایک غزل میں بیان فرما دیا ہے، اس غزل کو دیکھنا اور سوچنا چاہیئے کہ جو شخص "عشق" کے یہ شرائط قرار دیتا ہو وہ "بے قیدی" کی جانب کب قدم اٹھا سکتا تھا۔

"عشق" شاہیست تخت غیرتناک — کہ کند خانہ را از غیرت پاک

"عشق" مرغ بلند پروازاست — دائرا اندر ہوائے او افلاک

عشق را دہ مقام میگویم — با تو اے یار گر کنی ادراک

ادب[1] است اولین مقام ودم — ترس[2] و بیم است دیدۂ نمناک

Marfat.com

سومش تقویتؔ وچارمؔ صبر — ہست تقدیمؔ پنجم اے دراک
ششمش داں سخاوتؔ وہفتم — علمؔ داں اے عزیز طال بقاک
ہشتمش مسکنتؔ نہم عرفانؔ — دہمیں ہم بگویمت بیباک

شریعت ظاہری کی پابندی کے متعلق مولاناؒ اور آپ کے اصحاب کا جو مسلک ہوسکتا تھا اور ہونا چاہیئے تھا اُس کا اظہار حضرت شمس الدینؒ تبریز کی ایک تقریر سے بہت خوبی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ آپ نے ایک روز شیخ صلاح الدینؒ اور دوسرے اصحاب کرام کے سامنے فرمایا کہ "آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "لا صلوٰۃ الا بالقرأۃ" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "لا صلوٰۃ الا بحضور القلب" بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ جب حضور قلب حاصل ہے تو پھر ظاہری صورت نماز سے فراغت ہوگئی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ "طلب الوسیلۃ بعد حصول المقصود قبیح" میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں کہ انھیں اس درجہ کا حضور قلب حاصل ہے۔ مگر ان سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ یہ حضور قلب آپ کو ملا کہاں سے؟ آنحضرتؐ سے ملا یا نہیں؟ اور اگر کہیں ہاں تو پھر بتائیں کہ متابعت رسول اللہ صلعم کی کیوں نہیں کرتے" علہ

بااین ہمہ متعدد روایتیں ایسی منقول ہیں کہ بعض علما ظاہر نے آپ کی مخالفت بھی کی۔ اس میں دو اُمور غور طلب ہیں اول یہ کہ کسی عالم نے مولاناؒ کی مخالفت اس شد و مد سے نہیں کی جس شد و مد سے بعض دوسرے صوفیوں کی مخالفت ہوئی، ابن العربی تک پر زندیقیت کے فتوے ہوئے۔ مگر مولاناؒ کی نسبت کسی نے ایسا گمان تک نہ کیا۔ مخالفت جو کچھ ہوئی وہ زیادہ تر سماع اور رباب کی ہوئی اور بس۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے مخالفتیں کی تھیں۔ ان میں سے اکثر بعد تجربہ و مشاہدہ نہ صرف مولاناؒ

Marfat.com

کے موافق بلکہ معتقد ہو گئے، خود مولاناؒ کی جانب سے بھی بعض اقوال ایسے منقول ہیں جن سے علماء ظاہر کی مخالفت پائی جاتی ہے مگر اس قسم کی تمام روایتوں پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولاناؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف علماء ظاہر کی بیخبری حقیقت کے متعلق کہا ہے، جس سے علماء ظاہر کی تنقیص نہیں ہوتی، بلکہ صرف علوم ظاہر اور علوم باطن کے فرق کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک روز علاء الدین ثریانوس سے فرمایا کہ اگر تم سے پوچھیں کہ مولاناؒ کون تھے۔ تو جواب دینا کہ "نہ بینی و نشنوی" یعنی نہ ان کی عظمت کو تم دیکھ سکتے ہو اور نہ ان کے اسرار کو سن سکتے ہو (پھر فرمایا کہ دس من (پانچ سیر) روٹی کا توڑنا اور اس کا جیب میں ڈال لینا آسان مگر ایک من (آدھ سیر) روٹی کا کھا جانا مشکل ہے۔ یہ علمائے ظاہر علوم اہل معلوم کو پڑھتے ہیں اور گراتے جاتے ہیں، ایک مرتبہ کھا لیئے تو بے پڑھے ہوئے اس تمام زحمت سے چھوٹ جاتے، اور خاموشی اختیار کرتے[1]

اس مفہوم کو ایک محل پر زیادہ واضح طور پر بیان کرنے کا موقع اس طرح ملا کہ قاضی عز الدین قونوی نے ایک مرتبہ مولاناؒ سے کہا کہ آپ نے جو علوم حاصل کیئے ہیں ظاہرا ہم نے بھی بقدر استعداد و اجتہاد ان علوم کو حاصل کیا ہے۔ اور انہی کتابوں سے حاصل کیا ہے۔ جن کتابوں سے آپ نے حاصل کیا ہے، لیکن جو باتیں آپکو معلوم ہو جاتی ہیں وہ ہمیں نہیں معلوم ہوتیں اور ہماری عقل وہاں تک نہیں پہونچتی، مولاناؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم نے دو ایک ورق علم اقبال کا بھی پڑھ لیا ہے اور وہ علم اللہ ہے، یہ علم آپ تک نہیں پہنچا کسی کو پڑھا دیتے ہیں۔ [2]

---

[1] مناقب ص۲۴۸ [2] ص۱۲۹

Marfat.com

عقل کاں باشد ز دورانِ زحل | پیش عقلِ ما ندارد آن محل
وز عطارد وز زحل دانا شد او | داد ما را کردگار از لطف خو
علّم الانسان خم طغرائے ما | علم عند اللہ مقصد ہائے ما[1]

ایک دوسرے موقع پر اس سے بھی زیادہ صریح اور معنی خیز الفاظ میں اس مفہوم کو واضح کر دیا ہے، فرمایا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور امام مطلبیؒ اور دوسرے ائمۂ عالم خشکی کے معمار تھے جو شخص بصدق تمام ان کے طریق کو اختیار کرے گا اور ان عزیزوں کی متابعت کرے گا شرور اور اشرار اور قطاعانِ راہ سے ایمن ہو جائے گا لیکن جنیدؒ، ذوالنونؒ، بایزیدؒ، شقیقؒ، ادہمؒ، منصورؒ اور دوسرے ان کے مثل مرغان آبی، اور سیاحانِ عمانِ معانی ہیں جو شخص ان کی متابعت کرے گا نفس مکارہ کے حیلوں سے خلاص پائے گا اور دریائے قدرت کے گوہر تک پہنچ جائے گا[2]

آخری قول فیصل یہ ہے کہ :-

جملہ علوم علماء کہ در عالم کسب می کنند تالپ گور است، دیگر پیش نمی گذرد، امّا اعتقاد باید داشت کہ ازاں عالم آمدہ است، باز بداں عالم میرود۔[3]

علماء ظاہر کی مخالفت کو مولاناؒ جس حد تک ان کی ناشناسی حقیقت پر محمول کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ [illegible] روز چلپی شمس الدینؒ

---

[1]

[2] مناقب ص ۱۲۹

[3]

Marfat.com

ولد مدرس نے شکایت کی کہ فلاں عالم نے مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا چمڑا کھنچوا دوں گا، مولاناؒ نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا شخص ہے، ہم تو رات دن اسی فکر میں رہتے ہیں کہ چمڑے کو کھینچ کر پھینکیں تاکہ دوست کی رحمت سے سرفراز ہوں، ضرور بضرور آویں اور ہمیں چمڑے سے خلاص دیں، یہ خبر اُن عالم صاحب کے کان تک پہنچی تو افتاں خیزاں حاضر خدمت ہوئے اور صدق دل سے مرید ہو گئے [1]

پس اگرچہ مولاناؒ کی پابندی شریعت اپنی جگہ پر اظہر من الشمس و ابین من الامس ہے، مگر بعض واقعات سے دل میں ایک طرح کا تردد سا پیدا ہو جاتا ہے کہ مولاناؒ کا فلاں قول یا فعل شرع ظاہر سے موافقت نہیں رکھتا، چنانچہ حضرت شمس الدینؒ کی خواہش پر آپ کا یہود کے محلہ سے شراب لانا، اتباع پیر کے نسبت یہ فرمانا کہ مرید کو پیر کے سامنے (یعنی پیر سے سبقت کر کے) نماز تک نہ پڑھنا چاہیے خواہ کعبہ ہی میں کیوں نہ ہو، ایسی باتیں ہیں کہ ظاہر بیں نظریں انھیں خلاف شرع قرار دیں گی مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مولاناؒ کا حضرت شمسؒ کے لئے شراب لانا کیا معنیٰ رکھتا ہے، حضرت شمس الدینؒ نے امتحاناً ایسا کہا تھا اور ضرور ہے کہ مولاناؒ نے بھی سمجھ لیا ہو اور نہ سمجھا ہو تو بھی آپ نے اس فعل سے شرع کی مخالفت نہیں کی بلکہ کمال تسلیم بہ شیخ کا اظہار کیا اور یہ تسلیم عین شریعت ہے، کیونکہ مرید کے لئے یہ یقین کر لینا ضروری ہے کہ پیر خلاف شرع نہیں کرے گا اور جو امر بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتا ہو اس میں کوئی حکمت باطنی ہوگی، چنانچہ خود مولاناؒ نے مثنوی شریف (دفتر دوم میں "طعنہ زدن بیگانہ بہ شیخ" کے عنوان سے ایک حکایت درج کی ہے کہ ایک شخص نے ایک شیخ کی نسبت یہ طعن کیا کہ وہ شارب خمر ہے۔ شیخ کے کسی مرید نے اس کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور خود اس مرید کو ایک روز لے جا کر دکھایا کہ شیخ

---

[1] مناقب ص ۳۱۶

Marfat.com

کے ہاتھ میں بھرا ہوا جام موجود ہے، شیخ نے اسے معلوم کر لیا اور اس شخص کو قریب بلا کر دکھا دیا کہ جام شراب نہیں بلکہ شہد خالص ہے، اس کے بعد شیخ نے مرید سے کہا کہ مجھے شراب کی آرزو ہے، کہیں سے لے آؤ، مرید جس شراب خانہ میں جاتا تمام خم شہد سے بھرے ہوئے ملتے، شراب کا کہیں پتہ بھی نہ چلا۔

یہ تو عام حکایت ہوئی خاص حضرت شمس الدینؒ کے بارے میں مولاناؒ نے بعض فقہا کے اس سوال کے جواب میں کہ شراب حلال ہے یا حرام، یہ فرمایا تھا کہ "پینے والا کون ہے؟ دریا میں اگر مشک بھر کے شراب ڈالدیں تب بھی وہ پاک ہے لیکن چھوٹے حوض کو نجس کر دینے کے لئے ایک قطرہ شراب کافی ہے اور جواب صریح یہ ہے کہ اگر مولانا شمس الدینؒ پئیں تو ان کے لئے سب کچھ مباح ہے کیونکہ حکم دریا کا رکھتے ہیں، اور تمہارے ایسے لوگوں کے لئے، جو بھر بھی حرام ہے"[1]

ایں بنا شد در بود ای مرغ خاک — بحر قلزم را ز مردارے چہ باک
نیست دون القلتین حوض خورد — کہ تواند قطرش از راہ برد
گر دلی زہرے خورد، نوشے شود — ور خورد طالب یہ موشے شود

اس کہنے کا مقصود اصلی یہی تھا کہ ان کی ذات سے برخلاف شرع فعل سرزد ہی نہ ہوگا۔

علیٰ ہذا نماز کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ خود نماز کا ترک نہیں ہے بلکہ ظاہر صرف یہ کرنا ہے کہ نیک و شرعی کام میں بھی پیر کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے

---

[1] مناقب ص۲۵۶

Marfat.com

اور صاف یہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے والوں کے باطن در باطن میں اپنے تشرع کا اظہار مخفی ہوتا ہے اور یہ سرزنش اسی کی ہے۔ اہل باطن کی نظر دل پر ہوتی ہے، وہ اصل کو دیکھتے ہیں، فرع کو نہیں دیکھتے۔ اکثر دیکھتے اور پوشیدہ رکھتے ہیں، کبھی کبھی بربنائے ضرورت اظہار بھی کر دیتے ہیں۔

[واقعۂ ذیل اگرچہ بیان مذکورۂ بالا پر ہو بہو صادق نہیں آتا مگر اس سے اتباع تام کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور یہ کہنا اصلیت سے کچھ زیادہ بعید نہیں ہے کہ اہل طریقت کے ہاں اتباع پیر "تسلیم کلی" کے مرادف ہے، آنحضرتؐ نے غزوہ بنی قریظہ کے لئے روانگی کا حکم ظہر کے وقت دیا تھا اور بنظر بہ استعجال یہ فرمایا تھا کہ عصر کی نماز وہیں پہنچ کر پڑھیں۔ فراہمی سامان وغیرہ کی وجہ سے بعض اصحابؓ کو روانگی میں دیر ہو گئی اور وہ عشاء کے بعد وہاں پہنچے مگر عصر کی نماز وہیں پہنچکر پڑھی۔ [1]

مولاناؒ کی پابندی شریعت کے خلاف رڈہادس نے ایک جگہ تعریض کی ہے۔ کہ مولاناؒ نے اپنے خادم سے کوئی کام کہا اس نے کہا "انشاء اللہ" اس پر مولاناؒ برہم ہو گئے۔ یہی سمجھ کی غلطی ہے، درحقیقت مولاناؒ کا برہم ہونا ہی عین شریعت تھا۔ لوگوں نے "انشاء اللہ" کو عمل نہ کرنے کی سپر بنالیا ہے، حالانکہ مقصد شرع عزیمت امر و اعتصام باللہ ہے، سید احمد خاں مرحوم نے تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون اس بارے میں لکھا ہے اور اس میں اس کی حقیقت خوب کھول کر بیان کی ہے، اسے بھی دیکھ لینا چاہیئے۔

---

[1] "خاتم المرسلین" بحوالہ ابن اثیر جلد (۲) ص ۰،

Marfat.com

یہ تو تردیدی جواب ہے، خود اصل عبارت کو دیکھئے کہ مولاناؒ نے کیا کہا، اور تعریض کرنے والے نے کیا سمجھا۔ افلاکیؒ کے الفاظ یہ ہیں "روزے حضرت مولانا... شیخ محمدؒ در جواب انشاء اللہ گفتہ باشد حضرت مولاناؒ بانگ بروے زد کہ اے ابلہ بس گوینده کیست" علہ

صاف ظاہر ہے کہ مولاناؒ نے انشاء اللہ کہنے پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اعتراض شیخ محمدؒ کے اس سمجھنے پر ہے کہ گویا کہنے والا انشاء اللہ سے غافل ہے، اس کیلئے کسی دوسرے کی طرف سے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مولاناؒ نے مثنوی شریف میں خود ہی اس کا جواب شافی و وافی دیا ہے۔

ترک استثنا مرادم قوتی ست نے ہمی گفتن کہ عارض حالتے ست
اے بسا ناوردہ استثنا بگفت جان او با جان استثناست جفت

غرض شرع ظاہری کی صریحی مخالفت تو مولاناؒ سے کہیں بھول کر بھی نہیں ہوئی ہے، بعض روایتوں سے جو اشتباہ پیدا ہوتا ہے اسے بھی جب نظر تعمق سے دیکھا جاتا ہے تو باطل ہو جاتا ہے، اور ثابت ہو جاتا ہے کہ مولاناؒ کا تصوف صحیح معنی میں کمال پابندی شریعت تھا اور بس۔

نماز۔

اس اجمال کے بعد مولاناؒ کے عبادات و ریاضات کے متعلق بعض حالات قدرے تفصیل کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں، اور آپ کے ادائے نماز کی کیفیت یہ تھی کہ جب نماز کا

علہ مناقب ص ۹۱

Marfat.com

وقت آتا قبلہ رو ہو بیٹھتے۔ چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا، نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو خضوع و خشوع کی حد نہ رہتی اور ایک عجیب عالم استغراق کا طاری ہو جاتا، خود ایک غزل میں اس کیفیت کو بیان فرمایا ہے، عجب بیخود کن غزل ہے۔

چوں نماز شام ہر کس بنہد چراغ و خانے — منم و خیالِ یارے، غم و نوحہ و فغانے
چوں وضو زاشک سازم بود آتشیں نمازم — درِ مسجدم بسوزد چو بدر سد اذانے
رخِ قبلہ ام کجا شد کہ نمازِ من قضا شد — ز قضا رسد ہمارہ بمن و تو امتحانے
عجباً نماز مستاں تو بگو درست ہست آں — کہ نداند او زمانے، نشاسد او مکانے
عجبا دو رکعت است ایں، عجبا چہارم است ایں — عجبا چہ سورہ خواندم، چو ندا شتم زمانے
در حق چگونہ کوبم کہ نہ دست ماند و نے دل — دل و دست چوں تو بردی بدہ اے خدا امانے
بخدا خبر ندارم چوں نماز میگزارم — کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ دو رکعت میں صبح کر دیتے تھے ایک مرتبہ موسم سرما میں مدرسہ میں اول شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، سجدے میں گئے، تو اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے داڑھی تر ہو گئی۔ آنسو برودت ہوا کی وجہ سے جم کر برف ہو گیا۔ ریش مبارک فرش صحن سے چپک گئی۔ صبح کو جب لوگ آئے تو گرم پانی ڈال کر برف کو پگھلایا، تب اٹھے اللہ اکبر[۲]

روزہ:۔ ابتدائے سلوک میں تین تین دن، ایک ایک ہفتہ بلکہ چالیس چالیس دن

---

[۱] سیر سالار ص ۲۱

[۲] مناقب ص ۲۰۸

Marfat.com

کے روزے رکھے ہیں، سید برہان الدینؒ نے جب آپ سے چلہ کشی کے لئے کہا تو تین چلے تک مسلسل روزہ رکھا[1]، آخر میں یہ معمول ہو گیا تھا کہ پورے رمضان میں صرف دو بار افطار کرتے تھے، اور چند بار تو ایسا ہوا کہ رمضان کا پورا مہینہ گزار کر عید کے دن افطار کیا،

جب افطار کرتے، ایک قسم کی غذا پر اختصار کرتے اور بہت زیادہ کھاتے تو دس لقمہ سے زیادہ نہ کھاتے[2]

شب بیداری:

سپہ سالار کا بیان ہے کہ چالیس برس مولانا کی خدمت میں رہا مگر اس اثنار میں کبھی بسترِ خواب پر آسایش کرتے نہ دیکھا، خود ایک غزل میں اس جانب اشارہ کیا ہے ؎

---

[1] ابنائے زماں کو اس کا یقین دلانا دشوار تھا مگر غیب سے خود ایسے سامان پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ اہلِ دنیا جو رنگ اختیار کرتے ہیں اُسی رنگ میں انھیں مصالح دینیہ پر یقین کرنا پڑتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ روزہ مضرِ صحت سمجھا جاتا تھا، زیادہ مدت نہیں گذری کہ روزے کو مفید صحت سمجھا جانے لگا، تحقیقات کچھ اور آگے بڑھی تو طولانی فاقہ کشی حصولِ صحت کا ذریعہ قرار پائی، اہلِ یورپ اور خاص کر اہلِ امریکہ نے ایک مہینہ سے زائد تک کی فاقہ کشی کر دکھائی، اب آخری حدیہ ہے کہ یورپ میں ایک عورت نے دو ماہ کی فاقہ کشی تک نوبت پہنچا دی، پس جب اہلِ تن سے دو ماہ کی فاقہ کشی ممکن ہے، تو اہلِ دل سے چار ماہ کا روزہ کیوں مستبعد سمجھا جائے

[2] سپہ سالار ص ۱۹،

Marfat.com

اگر خواب آیدم امشب سزائے ریشِ خود بینم　　بجائے مخزنِ بالیں ہمہ مشت و لگد بینم

کثرتِ سماع اور شب بیداری سے اصحاب پر خواب کا غلبہ ہوتا اور وہ لوگ ترکِ ادب کے خیال سے سو نہ سکتے تو مولانا دیوار سے پیٹھ لگا کر مراقب ہو بیٹھتے اور شیخ محمد خادم ایک بڑا لبادہ اڑھا دیتے، جس سے کل جسم ڈھک جاتا، جب اصحاب سو جاتے، مولانا اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے، فرماتے ہیں[1]:۔

اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید　　من آں لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم

شب بیداری کے متعلق مولانا کی ایک نہایت ہی مشہور ولولہ انگیز غزل ہے جس کا مطلع ہے،

دیدہ خوں گشت و خوں نمی خسپد　　دلِ من از جنوں نمی خسپد[2]

یہ محض خیال آرائی نہیں ہے، بلکہ امر واقعہ ہے،

استغراق

مولانا کے استغراق کا یہ حال تھا کہ جوتہ پہن کر چلتے، جوتا تنگ معلوم ہوتا راستہ ہی میں اتار دیتے، اگر اتفاق سے کبھی جوتا کیچڑ میں پھنس جاتا تو اسی طرح چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے[3]

روشن ضمیری

---

[1] اس غزل کے اشعار انتخابِ غزلیات میں ملاحظہ ہوں،

[2] سپہ سالار ص ۱۷۰،

[3] ایضاً،

Marfat.com

مقاماتِ تصوف میں ایک مقام شعور دو قوف یعنی اشراف القلوب ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر کہے ہوے دلوں کے خیالات معلوم ہو جائیں، عام طور پر اسے کشف القلوب یا روشن ضمیری کہتے ہیں، تمام ہی اولیاء اللہ کے متعلق اس قسم کے واقعات منقول ومشہور ہیں، اور اب بھی اللہ کے بہتیرے نیک بندے ایسے ہیں کہ جن لوگوں کو ان کی خدمتوں میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوتا ہے، انھیں وقتاً فوقتاً اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اس عاجز کو حضرت شاہ نیاز احمد دام برکاتہ فیض آبادی (خلیفہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادابادی) کی خدمتِ بابرکت میں اکثر حاضر ہونے کا موقع ملا ہے، اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ بغیر کہے ہوے بعض واقعات وخطراتِ دلی پر واقف ہو کر آپ نے کبھی اشارۃً اور کبھی صراحۃً متنبہ کر دیا ہے، پس مولانا رومی کے ایسے بزرگ کی نسبت اس قسم کے واقعات کے ذکر کی ضرورت ہی کیا ہے، خود فرماتے ہیں ؎

این طبیبانِ جہاں دانشورند — بر سقامِ تو ز تو واقف ترند
ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ — صد سقم بینند در تو بے درنگ
این طبیبان تو آموز ز خود — کہ بدیں آیات شاں حجت بود
کاملاں از دور نامت بشنوند — تا بقعرِ تار دیودت در روند
بلکہ بیش از ازدنِ تو سالہا — دیدہ باشندت ترا با حالہا

(یہ ابیات اس حکایت کے ہیں جس میں یہ مذکور ہوا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی نے شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی ولادت اور آپ کے اوصاف کی

Marfat.com

خبر پہلے ہی دے دی تھی)

یہاں صرف دو مثالیں درج کی جاتی ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو نہ صرف خطراتِ دلی پر بلکہ حالاتِ خواب تک پر وقوف ہو جاتا ہے،

شیخ صدرالدین نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ مولانا کے پاؤں دبا رہے ہیں، مولانا علی الصباح شیخ کی خدمت میں تشریف لائے، بعد سلام کے شیخ نے بیٹھنے کے لئے التماس کیا، مگر مولانا بیٹھے نہیں، فرمایا کہ آنے کا سبب یہ تھا کہ دریافت کروں کہ رات کی زحمت سے آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی، شیخ کو مولانا کی روشن ضمیری پر سخت تعجب ہوا[1]،

قونیہ میں ایک صاحب تاج الدین تھے، لوگ انھیں متصدر کہتے تھے، انھیں عالم اولیاء سے سخت انکار تھا، ایک شب خواب دیکھا کہ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہیں، فرشتے ایک شخص کو زنجیروں سے جکڑے ہوئے ایک دوزخ سے نکال کر دوسری دوزخ میں لے جا رہے ہیں، چار شخصوں نے وہاں موجود ہو کر اس سے کہا کہ تو اولیاء اللہ کا کلام پڑھ، کہ اس بارِ گراں سے رہائی نصیب ہو، تاج الدین اپنی جگہ پر خشک ہوئے جا رہے تھے، اُس شخص نے ان ہی سے التماس کی کہ مجھے کچھ سکھا دیجئے کہ پڑھ دوں

---

[1] سپہ سالار ص۴۴ یہ واقعہ قدرے فرق کے ساتھ مناقب العارفین سے تفصیلاً اوپر منقول ہو چکا ہے،

Marfat.com

انھوں نے مولانا کے کلام سے کچھ بتایا، ان ابیات کے پڑھتے ہی اس کی زنجیریں کھل گئیں اور وہ بہشت کی طرف روانہ کر دیا گیا، تاج الدین خواب سے بیدار ہو کر مولانا کے مدرسہ میں آئے، مولانا نے آگے بڑھ کر فرمایا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی برکت سے ہوا کہ اس بے چارہ نے دوزخ سے خلاص پائی، جب اولیاء اللہ کے کلام کا یہ اثر ہے تو ان کی صحبت کا کیا کچھ اثر نہ ہوگا، تاج الدین مع اپنے اہل و عیال کے مرید ہو گئے[1]

آزمائش

بارہا ایسا ہوتا کہ لوگ آزمائش کے خیال سے مولانا کی خدمت میں آتے اور سوالات کرتے تھے، مولانا ان کی راز دل سے واقف ہو کر باتوں ہی باتوں میں جواب دیتے تھے، سوال تک نوبت ہی نہیں آنے پاتی تھی، چنانچہ مولانا قطب الدین شیرازی کی روایت ہے کہ جب میں اوائلِ شباب میں قونیہ آیا، تو ہم لوگ بارہ[12] اصحاب تھے، ایک روز نہایت دقیق مسائل مختلف کتابوں سے جمع کر کے مولانا کی خدمت میں گئے کہ ان پر بحث کریں، وہاں پہنچ کر وہ سب مسائل ذہن سے محو ہو گئے، میں نے ہر چند کوشش کی مگر ایک مسئلہ بھی خیال میں نہ آیا، پھر مولانا نے خود ہی تقریر شروع کی اور اس تقریر کے دوران میں میرے ایک ایک نکتہ کا جواب دیا کہ عقل دنگ رہ گئی، ہم سب مرید ہو گئے[2]

اسی طرح شمس الدین ملطی کی روایت ہے کہ ایک دن ایک عالم

---

[1] مناقب ص ۳۶۵ [2] ایضاً ص ۲۵۳، ۲۵۴

Marfat.com

متبحر مولاناؒ کی زیارت کو آئے، اور دل میں یہ ٹھان کر آئے کہ مولاناؒ سے بطریق استفسار مگر درحقیقت بطور امتحان کچھ سوالات کریں گے، جب حاضر خدمت ہوئے تو مولاناؒ نے مختلف معارف و لطائف بیان فرمانے شروع کئے اور اسی ذیل میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک نحوی اور ایک فقیہ ساتھ ساتھ جارہے تھے، اتفاق سے ایک اندھے کنویں پر پہونچے تو فقیہ کی زبان سے نکلا کہ "بیر معطلۃ"، نحوی نے اعتراض کیا کہ "بئر" ہے، بحث کو اس قدر طول ہوا کہ وہیں شام ہوگئی، اتفاق سے نحوی کا پیر پھسلا وہ کنوئیں میں جارہا اب فریاد شروع کی، فقیہ نے کہا کہ جب تک "بئر" کے ہمزہ کو نہ حذف کرے گا کنوئیں سے نہ نکالوں گا، یہی حال اُن لوگوں کا ہے، جو اپنے ہنر پر مغرور ہیں، جب تک وہ اپنے پندار کو خارج نہ کریں گے چاہ ظلمتِ نفس سے نہ نکلیں گے، ان عالم صاحب نے یہ سُن کر سر جھکا دیا[1]،

ایک جمعہ کو قلعہ کی مسجد میں وعظ فرما رہے تھے، مجلس گرم تھی، اور مولاناؒ ید بیضا کی تفسیر میں سرگرم تھے، ایک فقیہ نے (دل ہی میں) کہا کہ واعظین پہلے سے آیتیں مقرر کرکے طیار ہوجاتے ہیں، قاری ان ہی آیتوں کو پڑھتے ہیں، اور واعظین ان کی تفسیر کرتے ہیں، واعظ کا کمال یہ ہے کہ برمحل آیت پڑھی جائے، اور وہ اس کے لطائف و غرائب بیان کرے، مولاناؒ نے اسی عالم استغراق میں ان فقیہ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کوئی آیت پڑھئے، تمام لوگوں کو اس سے تعجب ہوا، فقیہ نے واضحیٰ

---

[1] مناقب ص۱۱،

Marfat.com

کی تلاوت کی، مولانا نے تقریر شروع کی، عصر کا وقت ہو گیا، اور ابھی "والضحیٰ" کے واو کے نکات بھی ختم نہ ہوئے تھے، فقیہ صدق دل سے مرید ہو گیا۔[1]

قیل و قال سے گذر کر ایسا بھی ہوتا کہ کسی کے دل میں کسی شے کی خواہش ہوتی، اور مولانا کے بغیر اُس سے واقف ہو کر اس کا سامان کر دیتے چنانچہ ایک روز چلپی حسام الدین کے باغ میں سماع تھا، مولانا بھی سماع میں سرگرم تھے، اس دوران میں آپ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ "آؤ آؤ، کمر کھولو"، پھر فرمایا کہ مسافروں کی ایک جماعت بہت دور سے آ رہی ہے، اور مجھ سے حلوائے گرم چاہتی ہے، ناگاہ ترکستان و بخارا کے فضلاء کی ایک جماعت قونیہ میں وارد ہوئی اور مولانا کا پتہ لگا کر باغ میں آئی، اُسی وقت مسافروں کے سامنے حلوا پیش ہوا، اور مولانا نے فرمایا کہ اگر مائدہ عیسیٰؑ کی درخواست کرتے تو وہ بھی نازل ہو جاتا، مگر مردانِ خدا سے حلوا نہ طلب کیا کرو بلکہ یہ چاہا کرو کہ تمہاری مشکل حل ہو اور قوت جان تمہاری غذا ہو جائے۔[2]

---

[1] سپہ سالار ص۱۰۰ (واضح ہو کہ اس زمانہ میں وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ قاری قرآن کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور واعظ انہی آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا۔" سوانح مولانا روم ص۳۹)

[2] مناقب ص۲۵۹ (یہاں زمانہ جدید کا ایک نہایت ہی مماثل واقعہ درج کرنا بے محل نہ ہوگا، میرے والد نے ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ جب میں مولانا فضل رحمٰنؒ سے مرید ہونے کے لئے جا رہا تھا تو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اب دو روز گوشت نہ ملے گا، کیونکہ مولانا کے وہاں دال و ترکاری کا عام معمول تھا، جب وہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی، مولانا سے ابھی شرف ملازمت کی نوبت بھی نہیں آئی (بقیہ حاشیہ ص۴۱۵ پر)

Marfat.com

فقر و فاقہ

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مولانا مال دنیا سے بیزار رہتے، اور اپنے مریدوں کے لئے بھی مال کی کثرت کو پسند نہیں فرماتے تھے، مگر مولانا کے تعلقات سلاطین اور امرائے سے برابر قائم رہے، اور یہ لوگ اپنی عقیدت مندی کا اظہار اسی میں سمجھتے تھے کہ کچھ نذر و ہدایا پیش کریں، مولانا بھی ان کے پاس خاطر سے قبول فرما لیتے تھے، مگر جو کچھ آتا تھا سب کا سب شیخ صلاح الدین اور ان کے بعد چلپی حسام الدینؒ کے یہاں بھیج دیتے تھے وہ اپنے حسب صوابدید مریدوں میں تقسیم کر دیتے تھے، گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھتے تھے، اور سلطان ولدؒ کچھ عرض کرتے تو قدر قلیل کچھ رکھ لیتے[1]

جس روز گھر میں کھانے پینے کا سامان وافر ہوتا، گھر کے لوگوں سے متغیر رہتے، اور جس روز کم ہوتا بہت بشاش رہتے، اور فرماتے کہ "امروز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۴) کہ مولانا کے خادم نے گوشت اور روٹی سامنے لاکر رکھ دیا، یہ کرامت تو اسی وقت مشاہدہ ہوئی، دوسرے روز حضرت احمد میاںؒ اور دیگر اصحاب مولاناؒ کے زمرہ میں ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی، دل میں ایک خطرہ وارد ہوا، دوسری صبح کو مولاناؒ نے درس میں ایک ایسی حدیث پر گفتگو شروع کی جو اسی مسئلہ سے متعلق تھی، اور اس کے ضمن میں میرے خطرۂ دلی کو رفع کر دیا،

[1] سپہ سالار صفحہ ۲۱ (بعینہٖ یہی حال حضرت مولانا فضل رحمٰنؒ گنج مراد آبادی کا تھا کہ مریدین و معتقدین جو کچھ پیش کرتے سب کا سب آئے و روند کی ضیافت میں صرف فرما دیتے تھے، حضرت احمد میاںؒ جب کبھی ضرورت شدید کا اظہار فرماتے تو کچھ برائے نام گھر کے لوگوں کے لئے عطا فرماتے)

Marfat.com

نور فقر در جبین اصحاب این خانہ لائح است[1]"

ایک روز مولانا کی حرم نے قلتِ اخراجات کی شکایت کی، فرمایا کہ "دنیا را از شما دریغ نمی دارم، شما را از دنیا دریغ می دارم"[2]

علیٰ ہذا شیخ محمد نجار کی روایت ہے کہ مولانا اپنے خادم شیخ محمد سے سوال کیا کرتے تھے کہ آج گھر میں کچھ ہے؟ اگر وہ جواب دیتے کہ برکت ہے، کچھ نہیں ہے، تو خوش ہو جاتے اور شکر کرتے کہ الحمد للہ آج ہمارا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند ہے، اگر شیخ محمد کہتے کہ اسباب مطبخ مہیا ہیں تو تو پژمردہ ہو کر کہتے کہ اس مکان سے فرعون کے مکان کی بو آتی ہے[3]،

ایک روز مولانا کے گھر کے خادم نے قلتِ مال و متاع کی شکایت کی، فرمایا کہ اگر تمھیں ہزار دینار دیں اور ناک کان کاٹ لیں تو تم راضی ہو، اس نے کہا نہیں، فرمایا پھر بے نوائی کی شکایت کیوں کرتے ہو، اتنا کچھ سامان تو تمھارے پاس ہے (جسے ہزار دینار پر علیحدہ نہیں کرتے)[4]

ایک شخص نے تنگدستی کی شکایت کی، مولانا نے فرمایا آج سے میری دوستی ترک کر دو، دنیا ہاتھ آجائے گی[5]،

---

[1] سپہ سالار ص ۲۰،
[2] مناقب ص ۲۶۵،
[3] ایضاً ص ۲۶۲،
[4] ایضاً ص ۲۷۲، [5] مناقب ص ۲۷۳،

Marfat.com

اس معاملہ میں مولاناؒ کی احتیاط اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آپ مال دنیا کو ہاتھ لگاتا بلکہ اپنی رائے سے اس کا صرف کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے، آپ کے مریدوں میں ایک صاحب جلال الدین قصاب تھے، ان سے بعض تاجروں سے دوستی تھی، یہ لوگ جب جلال الدین کے پاس آتے تو مولاناؒ کا ذکر سنتے، ان کے دلوں میں بھی اشتیاق حضوری پیدا ہوا ایک روز جلال الدین سے کہا ہمارے بارے میں مولاناؒ سے عرض کرو اور اپنے اموال کی ایک فہرست لکھ کر دے دی کہ جس طرح مولانا فرمائیں صرف کیا جائے، جلال الدین جب ان لوگوں کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، اور حالات عرض کئے، مولانا لوٹا لے کر صحت خانہ میں چلے گئے، اور بہت دیر تک برآمد نہ ہوئے، آخر لوگوں نے مولانا سراج الدینؒ سے کہا کہ خبر لینا چاہئے کہ وجہ کیا ہے، انھوں نے جاکر دیکھا کہ مولاناؒ ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہیں، انھیں دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہاں کی نجاست کی بو تمام دنیا کے مال کی بو سے اچھی معلوم ہوتی ہے، ان لوگوں سے میری طرف سے عذر کرو اور کہدو کہ اگر تمھیں راہ حق میں ارادت ہے تو اپنے مال کو اپنے ہاتھ سے صرف کرو[1]

تقویٰ:۔

تقویٰ ظاہری معاصی سے بچنا ہے، مگر اہل اللہ کا تقویٰ یہ ہے کہ ماسوی اللہ

---

[1] مناقب ص ۲۰۶،

Marfat.com

سے قطع کلی ہو جائے۔ اس خصوص میں مولاناؒ کا حال یہ تھا کہ سپہ سالارؒ لکھتے ہیں کہ میں نے تمام عمر حضرت کو دنیا کے غم و شادی و مصالحِ دنیاوی کے متعلق کچھ کہتے نہیں سنا [1]

اشاعتِ اسلام :-

صوفیائے کرام کے ذریعہ سے اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی قرون اولیٰ کے بعد کسی اور فرقہ کے ذریعہ سے اسلام اس قدر شائع نہیں ہوا ہے، کوئی زمانہ، کوئی خطہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، خاص کر ہمارے ملک میں تو اشاعت اسلام کو تمام تر صوفیہ کا کارنامہ قرار دیا جائے تو بالکل بجا ہے، مولاناؒ نے ۶۲۶ھ میں قونیہ میں مستقل قیام اختیار کیا ہے، قونیہ کو ۴۸۰ھ میں داؤد نے فتح کیا تھا۔ ایشیائے کوچک کا بہت بڑا حصہ ہنوز قیاصرۂ روم کے قبضہ میں تھا۔ آل عثمان کے فتوح کے ساتھ فرقہ مولویہ بھی ہر جگہ مستحکم ہوتا گیا اور ان اطراف میں اشاعت اسلام کا بہت بڑا ذریعہ بھی فرقہ ہوا، خود مولاناؒ کے نسبت یہ منقول ہے کہ اٹھارہ ہزار کفار (یہود و نصاریٰ و گبر) آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور مرید ہوئے [2]

دعوت اسلام کے متعلق صوفیائے کرام کا جو طریقہ ہمیشہ سے رہا ہے وہی طریقہ مولاناؒ کا بھی تھا، بحث و جدل، مناظرہ و مجادلہ کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا بلکہ جو کچھ ہوا پیروی سیرت محمدیؐ اور تصرفاتِ باطنی سے ہوا۔ یہاں صرف چند مثالیں اس کی درج کی جاتی ہیں :-

ایک مرتبہ مولاناؒ گھوڑوں کے بازار کے دروازے سے نکل کر حضرت بہاء الدین ولدؒ کے مزار کی طرف جا رہے تھے، دیکھا کہ راستہ میں ایک ہنگامہ برپا ہے، ان میں سے چند

---

[1] سپہ سالار، ص ۲۲

[2] مناقب ص ۳۶۸

Marfat.com

اشخاص دوڑ کر مولاناؒ کی خدمت میں آئے اور فریاد کرنے لگے کہ ایک جوان شخص کو سزا دے رہے ہیں، آپ شفاعت فرمائیں، مولاناؒ نے پوچھا کہ جرم کیا ہے؟ کہا کہ ایک شخص کو مار ڈالا ہے، اُس کا قصاص ہے، مولاناؒ آگے بڑھے۔ جلاد کو تو ال سب ہٹ گئے، مولاناؒ نے اپنے پیراہن کا دامن اس پر ڈالدیا اور اسے اپنے ہمراہ لے گئے، جب سلطان سے یہ کیفیت بیان کی گئی کہا کہ مولاناؒ حاکم ہیں اگر سارے شہر کی شفاعت کریں تو بھی بجا ہے، ایک شخص کی کیا حقیقت ہے، اس شخص کا نام نریابوس تھا، مولاناؒ نے اسے مسلمان کر کے علاء الدین نام رکھا۔ آخر میں یہی شخص مشائخ کبار میں سے ہو گیا۔ اور شیخ علاء الدین کے لقب سے مشہور ہوا۔[1]

ایک رومی معمار مولاناؒ کے مکان میں کام کر رہا تھا، مولاناؒ کے بعض اصحاب نے بطریق کہا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے کہ بہترین دین اسلام ہے، اس نے جواب دیا کہ پچاس سال سے عیسیٰؑ کے دین پر ہوں، اب ڈرتا ہوں اور شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس دین کو ترک کر دوں، اس اثنا میں مولاناؒ آ گئے، فرمایا کہ اصل ایمان "ترس" ہے۔ جو شخص خدا سے ترساں ہو خواہ ترسا کیوں نہ ہو بادین ہے بیدین نہیں ہے، وہ معمار فوراً مسلمان ہو گیا۔

ایک روز احبار یہود یہ میں ایک شخص کا مولاناؒ سے سامنا ہو گیا اس نے پوچھا آپ کا دین بہتر ہے یا ہمارا دین، فرمایا تمہارا دین، وہ شخص اُسی وقت مسلمان ہو گیا[1]

ایک روز علم الدین قیصر کے دہاں سماع تھا، مولاناؒ نے حالت وجد میں کل کپڑے قوالوں کو دیدیے۔ علم الدین نے نہایت قیمتی و نفیس کپڑے لاکر پہنائے، جب وہاں سے نکلے تو راہ میں ایک میخانہ سے رباب کی آواز آئی، یہ بھی وجد میں آ گئے اور دیر تک یہی عالم رہا،

---

[1] مناقب ص ۲۹

Marfat.com

وہ سب کپڑے میخواروں کو دیدیئے، یہ لوگ آرمینیہ کے رہنے والے تھے، دوسرے روز آکر سب مسلمان ہو گئے' علہ

اسی طرح ایک راہب نے مولاناؒ سے سوال کیا کہ قرآن شریف میں ہے کہ "ان منکم الا واردہا" پس جب سب کو آگ پر سے گزرنا ہے تو اسلام میں اور ہمارے دین میں فرق کیا رہا۔ مولاناؒ خاموش رہے، تھوڑی دیر بعد اٹھے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے، راہب کہتا ہے کہ میں بھی عقب میں چلا، اتفاق سے شہر کے کنارے ایک قرن (تنور) پر پہنچے، اسے ایک نان پزنے چلایا تھا۔ میرا پیلون سیاہ ( ) لے کر اپنے پیرہن میں لپیٹ کر اس قرن میں ڈالدیا اور تھوڑی دیر ساکت رہے۔ جب پیراہن مبارک کو نکال کر لایا وہ بالکل صاف ہو گیا تھا اور میرا پیلون جل کر خاک ہو گیا، فرمایا کہ ہم اس طرح گزرینگے اور تم اس طرح، اس نے اسی وقت سر جھکا دیا۔ اور مرید ہو گیا۔ علہ

مولاناؒ کے زمانہ میں کالیون اور عین الدولہ دو شخص صنعت نقاشی میں یگانہ روزگار تھے یہ دونوں مولاناؒ کے ارادتمندوں میں تھے۔ کالیون نے ایک روز بیان کیا کہ استنبول میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کی ایک ایسی تصویر ہے کہ دنیا میں اسکی نظیر نہیں۔ عین الدولہ کو اس تصویر کے حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ استنبول میں جاکر اس کلب میں بہت دنوں رہا اور ایک روز موقع پاکر وہ تصویر لے کر بھاگ گیا۔ جب قونیہ میں آیا تو مولاناؒ نے فرمایا کہ لاؤ وہ تصویر ذرا میں بھی دیکھوں۔ دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں تصویریں تمہاری

علہ مناقب ص۲۹۳

علہ " ص۳۳۳

Marfat.com

شکایت کرتی ہیں کہا کیوں کر، فرمایا کہ کہتی ہیں کہ نہ ہم دن کو کھاتے اور نہ رات کو سوتے اور عین الدولہ ہمیں چھوڑ کر دن میں کھاتا اور رات کو سوتا ہے، عین الدولہ نے کہا کہ نقش بے جان ہیں، بات کیوں کر کر سکتی ہیں، فرمایا کہ تم تو نقش باجان ہو اور تم میں ہزاروں صنعتیں ہیں اور تمہیں نقاشِ عالم نے بنایا ہے، پھر اسے چھوڑ کر اس نقشِ بے جان پر کیوں عاشق ہوئے ہو، عین الدولہ نے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔

مولاناؒ بعض اشخاص کو مصلحتاً اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بھی ہدایت فرمایا کرتے تھے اور یہ کچھ مولاناؒ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، دوسرے اولیاء اللہ نے بھی ایسا کیا ہے۔

شیخ صلاح الدین کے مریدوں میں سے ایک شخص کی روایت ہے کہ تجارت کی غرض سے میرا ارادہ استنبول کو جانے کا ہوا، مولانا نے مجھے تنہائی میں بلا کر فرمایا کہ وہاں فلاں کلیسا میں سردار راہبین سے تنہائی میں میرا سلام کہنا، میں نے ایسا ہی کیا، معلوم ہوا کہ وہ شخص مسلمان اور مولاناؒ کا معتقد ہے، مگر مولاناؒ اسے اظہار اسلام کی اجازت نہیں دیتے تھے [1]

سنان الدین آقشہری کی روایت ہے کہ جب مولاناؒ تحصیل علم کی غرض سے دمشق کو جا رہے تھے تو آپ کا قافلہ ولایت سیس میں ایک کھوہ میں ٹھہرا، وہاں چالیس راہب رہتے تھے جو لوگوں کے دلوں تک کے حال بیان کر دیا کرتے تھے، دور دور سے لوگ ان سے ملنے کو آتے تھے، ان لوگوں نے جب مولاناؒ کو دیکھا تو ایک لڑکے کو اشارہ کیا، وہ اڑا اور

---

[1] پہ سالار ص۵۳ مناقب ص۸۵-۸۶ (افلاکیؒ نے اس میں کچھ اور اضافہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ مولاناؒ وہاں متمثل ہو کر نظر آئے)

Marfat.com

ہوا میں معلق ہو گیا، مولاناؒ مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ اس لڑکے نے فریاد شروع کی۔ کہ کچھ فکر کرو ورنہ میں اس جگہ سے بچا فنگا اور اس مراقب شخص کی ہیبت سے ہلاک ہو جاؤں گا، راہبوں نے کہا کہ نیچے اتر آ، اس نے جواب دیا یہ ہو نہیں سکتا ہے، راہبوں نے ہر چند کوشش کی مگر وہ لڑکا نیچے نہ اتر سکا، آخر سب نے آکر مولاناؒ کے قدم پہ سر رکھے اور عرض کی آپ عنایت فرمائیں اور ہمیں رسوا نہ کریں، مولاناؒ نے فرمایا کہ بغیر کلمہ توحید پڑھے چارہ نہیں، لڑکے نے کلمہ پڑھا اور بآسانی نیچے اتر آیا، تمام راہب ایمان لائے اور چاہتے تھے کہ مولاناؒ کے ساتھ رہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اسی جگہ عبادت میں مشغول رہو اور مجھے دعائے خیر میں فراموش نہ کرو۔ وہ تمام راہب اس جگہ اسی طرح رہے اور آنے جانے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے[1]

تبریز کے ایک متمول سوداگر قونیہ میں آئے، اول شیخ صدرالدین کی زیارت کی اور سو دینار نذر کے لئے لے گئے، پھر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پچاس دینار نذر کے لئے لائے، مولاناؒ نے فرمایا کہ تمہارے پچاس دینار قبول ہوئے آئندہ نقصان سے محفوظ رہو گے، اُن تاجر کو ایک مدت سے ہمیشہ خسارہ ہی ہوتا رہتا تھا اور اسی وجہ سے پریشان تھے، مولاناؒ نے فرمایا کہ اس خسارے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک روز فرنگستان مغرب میں ایک محلہ میں جا رہے تھے، ایک فرنگی درویش چوراہے پر سویا ہوا تھا، آپ نے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا اور اس کے سر پر تھوکا۔ یہ سب کچھ اس عزیز کی دل آزردگی کی وجہ سے ہوا۔ جا کر اس سے معافی چاہو اور میرا سلام بھی کہدو، سوداگر جب وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ فرنگی مولاناؒ کے مریدانِ خاص میں سے ہے اور خود صاحبِ ولایت و کرامات ہے[2]

---

[1] مناقب ص ۵۴-۵۵ [2] مناقب ص ۶۶-۶۷

Marfat.com

علیٰ ہذا سلطان ولدؒ جب مولاناؒ شمس الدینؒ کی خدمت میں دمشق میں پہونچے تو وہاں حضرت شمس الدینؒ کو ایک فرنگی کے ساتھ جو آپ کے مرتبہ سے واقف نہ تھا، شطرنج کھیلتے ہوئے دیکھا۔ حالات سے واقف ہو کر وہ شخص مسلمان ہو گیا تو حضرت شمس الدینؒ نے بھی اسے اخفائے اسلام کی ہدایت فرمائی۔

[ہمارے اس زمانہ، جدید میں حضرت حاجی وارث علی شاہ کے نسبت بھی نہایت صحیح طور پر متعدد واقعات ایسے منقول ہیں کہ آپ کے ہندو عقیدتمندوں میں سے بہت سے دل سے مسلمان تھے مگر آپ نے انھیں اسی حال پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی، درحقیقت یہ بھی اولیاء اللہ کے رموز میں سے ایک رمز ہے اور مصالح دینی پر مبنی ہے، خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ فرعون کے اعیان میں سے ایک شخص بدل مسلمان ہو گیا تھا، مگر اس نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا تھا اور فحوائے کلام سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا ہو، غزوہ احزاب میں نعیم بن مسعود نے بھی اختتام جنگ تک اپنا مسلمان ہو جانا پوشیدہ رکھا تھا۔[1]

کرامات (خوارق)۔

افلاکیؒ نے تقریباً ساڑھے تین سو صفحوں میں مولاناؒ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ درحقیقت سوانح نہیں ہے بلکہ آپ کے کرامات کو ایک سلسلہ میں جمع کیا ہے جس میں ایک

---

[1] سیرۃ النبی، ابن ہشام جلد (۳) صـ ۸۲-۸۴ (المطبعۃ الخیریہ، مصر ۱۳۲۹ھ) "خاتم المرسلین" مصنفہ مولانا عبدالحلیم شرر۔ صـ ۳۸۳-۳۸۴

Marfat.com

حد تک ترتیب زماں کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، سپہ سالارؒ نے بھی چند عنوانات قرار دے کر ایسا ہی کیا ہے، پس اس باب میں واقعات کی کچھ کمی نہیں ہو سکتی۔ سینکڑوں صفحے لکھے جا سکتے ہیں، لیکن کتاب کی گنجائش اس کی مانع ہے، اگر کسی وقت مناقب العارفین کا ترجمہ ہو گیا تو اردو خواں اصحاب مولاناؒ کے خوارق و کرامات سے دل کھول کر سیراب ہو سکیں گے، مگر یہ واضح رہے کہ کشف و کرامات کے اظہار سے گریز اور شریعت کی پابندی مولاناؒ کے خاص اوصاف میں سے ہیں، آپ سے جتنے کرامات منقول ہیں وہ ضرورتاً صادر ہوئے ہیں اور بسا اوقات اس میں بھی اخفا کی ہدایت فرماتے تھے، درحقیقت یہاں بھی وہی نکتہ رہا کہ انبیاؑ سے معجزات ضرورتاً صادر ہوتے ہیں، شان و نمود کے طور پر کشف و کرامات کے اظہار کے متعلق مولاناؒ کے خیال کا پتہ اس واقعہ سے چل سکتا ہے کہ سید تاج الدین ابن سید احمد الرفاعی (م ۵۷۰ھ / ۱۱۸۲ء) جب اپنے مریدوں کو ہمراہ لئے ہوئے قونیہ میں وارد ہوئے تو علماء اکابر نے آپ کا استقبال کر کے آپ کو مدرسہ جلال الدین قراطائی میں ٹھہرایا، آپ خود اور آپ کے مریدین طرح طرح کے خوارق کا اظہار کرتے، آگ میں چلے جاتے، گرم لوہا منہ میں لے لیتے، سانپ نگل جاتے کھولتے ہوئے تیل سے وضو کرتے، خاک کو شکر بنا دیتے، اہل قونیہ نے اس قسم کی کرامات کم دیکھی تھیں، رجوع عام حد سے زیادہ ہو گیا، مستورات بھی جانے لگیں، ایک روز چند معزز خواتین مولاناؒ کی حرم محترم کرا خاتونؒ کو بااصرار تمام وہاں لے گئیں، مولاناؒ اس روز باہر گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے اور آپ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اظہار ناپسندیدگی کیا، کرا خاتونؒ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور فرمایا کہ "زہے سرد" اس کے بعد سے کرا خاتون کا جسم اس قدر سرد ہو گیا کہ گرمیوں میں بھی پوستین پہنتی تھیں۔

Marfat.com

دوسری طرف احقاق عقائد کے ثابت کرنے میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اطبا نے یہ بحث اٹھائی کہ انسان کی زندگی خون سے ہے، خون نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، مولاناؒ نے اسی وقت فصد لے لی اور جسم کا تمام خون خارج کر دیا اور بفضلہ تعالےٰ زندہ رہے، فرمایا کہ زندگی خدا کے ید قدرت میں ہے، خون پر منحصر نہیں ہے۔[1]

مولاناؒ کے کرامات سے متعلق یہاں چند واقعات تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔ تاکہ کتاب اس سے خالی نہ رہے ورنہ صاحب المثنوی کے لئے کسی دوسری کرامت کی ضرورت نہیں ہے، آپ کے اصحاب و معتقدین کے نزدیک آپ کے ایک ایک اشارہ میں کرامات موجود ہیں، اس کا اندازہ اس ایک روایت سے ہوتا ہے کہ ایک روز پروانہ نے ایک بڑا اجتماع کیا تھا، مولاناؒ تشریف فرما تھے مگر خاموش تھے، پروانہ نے سمجھ لیا کہ چلپی حسام الدینؒ کے منہ نے کی وجہ سے خاموش ہیں، آپ کو باغ سے بلوایا، جب آئے مولاناؒ نے بڑی تعریفوں کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا، پروانہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مولاناؒ جس قدر تعریفیں چلپیؒ کی کرتے ہیں آیا یہ اوصاف ان میں ہیں بھی یا نہیں، چلپیؒ نے پروانہ کا ہاتھ زور سے دبا کر کہا کہ معین الدین اگرچہ نہیں ہے مگر جب مولاناؒ نے فرما دیا تو ہے اور اس کا سوگوند ہے، مولاناؒ کو یہ قدرت ہے کہ جس کی نسبت جو کچھ زبان سے کہدیں ویسا ہی وہ ہو بھی جائے۔

بارہا ایسا ہوا ہے کہ مولانا نے حالت مرض میں اپنے مریدوں کے لئے ایسی چیزیں تجویز کی

---

[1] مناقب ص ۸،

Marfat.com

ہیں، جو اصول و فروع طبی کے بالکل خلاف تھیں اور خدا کے فضل سے انھیں چیزوں سے شفا حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جلال الدین فریدونؒ نے مولاناؒ سے کثرت خواب کی شکایت کی فرمایا کہ شیرہ خشخاش استعمال کرو، انجام یہ ہوا کہ کثرت بیخوابی سے دماغ پریشان ہوگیا، پھر مولاناؒ سے عرض کیا، حالت درست ہوگئی،

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ فخرالدین سیواسی کو تپ محرقہ ہوگئی تھی، اطبا علاج سے عاجز آگئے تھے، مولاناؒ عیادت کو تشریف لائے، فرمایا کہ سیر دانہ (لہسن) کچل کر لاؤ، اسی کو کھلا دیا، جب اطبا نے سنا تو ان کی صحت سے کلیتہً مایوس ہوگئے، رات کو پسینہ آیا اور صحت ہوگئی، اطبا نے کہا یہ معالجہ مولانا کے دستِ قدرت کا ہے طب و حکمت سے اسے کوئی تعلق نہیں [1]

بہاءالدین بحری مقام آبگرم میں اس قدر بیمار ہوگئے تھے کہ لوگوں کو ان کی زیست کی امید نہیں رہی تھی، مولاناؒ نے حکم دیا کہ اسی طرح معہ جامہ خواب کے اٹھا لائیں، انھیں حمام آب گرم میں غوطہ دلانا شروع کیا۔ تمام لوگ بالکل مایوس ہوگئے، مگر کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں تھی، بہاءالدین کا بیٹا صلاح الدین فریاد کرنے لگا۔ مولاناؒ نے بہاءالدین کو خود اپنے ہاتھ سے پانی سے نکالا اور فرمایا کہ تھوڑی آسائش کریں، بہاءالدین جب اٹھے تو کھانا مانگا اور بالکل اچھے ہوگئے تھے۔ [2]

---

[1] سپہ سالار ص۵۱ مناقب ص۱۹۶ (مناقب میں چلپی حسام الدینؒ کے متعلق بھی یہی روایت ہے)

[2] مناقب ص۱۳۵

Marfat.com

بعض وقت خود اپنی ذات پر ایسے امور گوارا کر لیتے تھے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ مولاناؒ کے اصحاب میں سے اٹھارہ شخصوں کو مسہل کی ضرورت تھی مولانا اکمل الدین نے اٹھارہ خوراکیں مسہل کی تیار کیں، صبح کو مولاناؒ تشریف لائے اور دیکھا کہ ان لوگوں کو مسہل کے پینے سے نفرت ہے، آپ نے سب خوراکوں کو جمع کر کے ایک بڑے پیالہ میں ڈال لیا اور سب پی گئے، پھر سماع میں مشغول رہے، اور سماع سے نکل کر حمام میں گئے اور بہت دیر تک وہاں ٹھہرے رہے، اس کے بعد برف منگائی اور توڑ توڑ کر کھانے لگے. اکمل الدین یہ سن کر دوڑے آئے اور شور مچانے لگے کہ آخر کیا ارادہ ہے مگر مولاناؒ کو کچھ بھی نقصان نہ ہوا، تمام اطباء انگشت بدنداں رہ گئے [1]

ایک روز مولاناؒ غائب ہو گئے تقریباً چالیس روز تک خبر نہ ملی، لوگ پریشان ہو کر ہر طرف تلاش کرتے پھرتے تھے، ہزار درم کا انعام مشتہر کیا، اتفاق سے حمام میں پانی ٹپکنے لگا، حمامی نے آگ کھینچ کر باہر کی تاکہ اس کی مرمت کرے دیکھا کہ مولاناؒ خزانہ حمام میں تشریف فرما ہیں، خواجہ مجدالدین نے حمامی کو ہزار درم دیئے [2]

امداد اہل اسلام۔

مولاناؒ اگرچہ ظاہراً جہاد میں شریک نہیں ہوئے مگر آپ کی ہمت باطنی ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی مدد میں مصروف رہتی تھی یہاں تین واقعات نقل کئے جاتے ہیں [ان میں سے واقعہ اول آپ کی زندگی کا واقعہ ہے جس میں آپ نے لشکر اسلام کی ظاہراً مدد فرمائی۔

---

[1] مناقب ص ۳۴۱

[2] " ص ۱۳۵

Marfat.com

یہ واقعہ کیخسرو دوم کے عہد کا ہے، اسی زمانہ میں مغلوں نے ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں روم پر حملہ شروع کیا، سلجوقیوں کو متواتر شکستیں ہوئیں، اور ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء کی شکست کے بعد سلجوقیوں نے بالکل ہتھیار ڈال دیئے، کیخسرو خود تو ناکارہ شخص تھا، مگر اس کا وزیر مہذب الدین اور نائب وزیر شمس الدین اصفہانی دو قابلِ رکن سلطنت تھے، انھوں نے اپنی حسنِ تدبیر سے ایسی صلح کی کہ ملک روم سلاجقہ پر بحال رہ گیا، مغلوں کی جانب سے اس تمام مہم کا سپہ سالار بیجو تھا، اور بیجو "نویان"[1] (سپہ سالار) کے لقب سے اُس کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، چونکہ مغلوں کے نام کے ساتھ "خان" کا لفظ لگا دیا جاتا ہے بعض مورخین نے اسے بیجو خاں بھی لکھ دیا ہے، اور مناقب العارفین میں اسے ہر جگہ "باجو خاں" لکھا ہے، مولانا نے خود ایک شعر میں اس واقعہ کا اشارہ کیا ہے، مگر اس ایک شعر کو سمجھنے کے لئے پوری تاریخی واقعہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، نہایت اختصار کیساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے، مغلوں کا حملہ اوکتائی قاآن کے زمانہ میں شروع ہوا، صلح باجو خاں سے ہوئی، مگر اسکے موکد ہونے کیلئے قاآن کی منظوری کی ضرورت تھی، اس اثنا میں اوکتائی کا انتقال ہوگیا، مغلوں کے دستور کے مطابق جبتک قورلتائی (مجلس اکابر) نہ منعقد ہو، دوسرا قاآن نہیں ہوسکتا تھا، اور اس مجلس کا انعقاد ۱۲۴۶ء تک نہ ہوسکا، اس مہلت سے فائدہ اٹھاکر شمس الدین نے چنگیز خاں کے بیٹے باتوخاں (فاتح یورپ) کا وسیلہ پیدا کیا، باتوخاں اُس زمانہ میں خاندان چنگیزی کا بزرگ خاندان سمجھا جاتا تھا، اس کی مدد سے شمس الدین اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہوکر اور قاآن اعظم کے فرامین لیکر واپس آیا، اور باجو اگرچہ نواحِ روم میں مغلوں کی جانب سے والی کی حیثیت سے برابر رہا، مگر سلطنت مغلوں کے ماتحت کی حیثیت سے خاندانِ سلاجقہ کے نام پر قائم رہ گئی، اب مولانا کا شعر ملاحظہ ہو،

---

[1] اس لفظ کے املا میں اختلاف ہے، طبقات ناصری اور تاریخ وصاف اور جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ تینوں ہمعصر تاریخیں ہیں، اول الذکر میں "نوئین" لکھا ہے، آخر الذکر میں "نویان" ہے، حبیب السیر

Marfat.com

بدستم یرلغ آمد ازاں قاں ہمہ قاناں　　من ایں باجو باتورا نمیدانم نمیدانم

(اس پوری غزل کے متعلق دیوان کے مباحث میں دیکھنا چاہئے،)

دوسرا واقعہ باطنی مدد سے تعلق رکھتا ہے، مغلوں نے ۶۵۸ھ میں دمشق پر قبضہ کیا، اور چند ماہ بعد مملوکیوں سے شکست کھاکر شہر کو خالی کرگئے، اس موقع پر مولانا کی مدد کا جو واقعہ مناقب العارفین میں منقول ہے، وہ دوسرے نمبر پر درج ہے،

تیسرا واقعہ مولانا کی وفات کے بعد کا ہے، کیقبا تو، اباقاآن کا بیٹا اور ہلاکو خاں کا پوتا تھا، ۶۹۰ھ سے ۱۲۹۱ء ۶۹۴ھ ۱۲۹۵ء تک ایران کا قاآن رہا، منصب شاہی پر فائز ہونے کے قبل مغلوں کی جانب سے روم کا والی تھا، بادشاہ ہونے کے بعد ہی پھر روم کو روانہ ہوگیا، اور ایک برس کے بعد واپس آیا،

(یہ واقعہ اسی زمانہ ۶۹۴ھ یا ۶۹۵ھ کا معلوم ہوتا ہے،)

جب باجو خاں کے لشکر نے قونیہ کا محاصرہ کیا، اور اہالی شہر مایوس و ناامید ہوگئے، تو لوگوں نے آکر مولاناؒ کے حضور میں فریاد کی اور مدد چاہی، مولاناؒ شہر سے نکل کر میدان کے ایک ٹیلہ پر جا بیٹھے، اور نماز اشراق میں مشغول ہوگئے، لشکریوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش خاں دستار سر پر رکھے ہوئے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، اور دنیا زیر و زبر ہو رہی ہے، ان لوگوں نے مولاناؒ پر تیر چلانے کا قصد کیا، مگر سب کے ہاتھ بندھ گئے، اور کسی سے کمان نہ کھنچی، پھر چاہا کہ گھوڑوں پر سوار ہوکر اس ٹیلے پر جائیں، گھوڑوں نے بھی قدم نہ اٹھائے، شہر کے لوگ برجوں پر سے یہ حالت دیکھ رہے تھے، اور فریاد کر رہے تھے، جب باجو خاں سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۷ و ۲۴۸)

میں بھی یہی املا اختیار کیا گیا ہے، چونکہ جامع التواریخ مشہور مستشرق تلوشت کی مرتب کردہ (لک میموریل سیریز) ہے، اور تلوشت قدیم مغولی زبان کا ماہر ہے، اس لئے "نویاں" ہی صحیح معلوم ہوتا ہے،

Marfat.com

یہ حکایت بیان کی تو وہ خود خیمے سے باہر آیا اور تیر و کمان لے کر چاہا کہ مولاناؒ پر تیر چلائے تیر ٹھیک نہ چلا اور لشکر میں گر پڑا، پھر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھنا چاہا گھوڑا نہ بڑھا، تین بار ایسا ہی ہوا، غصہ میں آکر پیادہ چلنا چاہا، پاؤں نہ اٹھے آخر کہا کہ یہ شخص اولیا اللہ سے ہے، اس کے غصہ سے بچنا چاہیئے، جس شہر میں ایسا شخص ہو وہ ہرگز ہم سے مغلوب نہ ہوگا، شہر کے حوالی سے ہٹ کر صحرائے قلوباط میں جا کر ٹھہرا۔ اکابر شہر مع سلطان کے بیش بہا تحائف لے کر حاضر ہوئے، باجو خاں راضی ہو گیا اور شہر سے در گذر کی، مولاناؒ کی نسبت پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ لوگوں نے بہاء الدینؒ ولد کے بلخ سے آنے اور قیام کرنے کے سب حالات بیان کئے، باجو خاں نے کہا کہ میری عزت کا خیال کر کے اس شہر کے کنگرے گرا دو، جب اکابر شہر نے ایسا کرنا چاہا تو لوگوں نے مولاناؒ کی خدمت میں فریاد کی، فرمایا کہو کہ گرا دیں تاکہ اہل قونیہ کو معلوم ہو جائے کہ شہر قونیہ دوسرے ہی برج و بدن سے محروس و محروز ہے، اس برج و بدن سے محروس نہیں ہے جو ادنیٰ حکم سے خراب ہو جائیں ؎

شیر مردانند در عالم مدد — آں زماں کافغاں مظلوماں رسد
مہرباں بے رشوتاں یاری گراں — در مقام سخت و در روز گراں[1]

(۲)

مولاناؒ کے مریدوں میں اک بزرگ جلال الدین قصاب تھے، وہ گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مولاناؒ پر کچھ عجب حالت طاری ہو گئی تھی، چالیس روز تک ستار

---

[1] مناقب ص ۱۵۳ و ۱۵۴

Marfat.com

کو گردن میں لپیٹے ہوئے پھرا کئے، ایک روز ناگاہ پسینہ میں غرق جلال الدین کے وہاں آئے اور فرمایا کہ فلاں گھوڑا لاؤ، جلال الدین نے گھوڑا حاضر کیا، مولاناؒ سوار ہو کر قبلہ کی طرف (جانب جنوب) روانہ ہو گئے، جلال الدین نے عرض کی کہ میں ہمراہ رکاب چلوں۔ فرمایا ہمت سے مدد کرو، شام کو نہایت خستہ واپس آئے۔ دیو پیکر گھوڑا تھک کر چور ہو گیا تھا، دوسرے روز پھر تشریف لائے اور اس سے بہتر گھوڑا طلب کیا۔ شام کو پھر اسی طرح واپس آئے۔ تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا مگر اس روز واپس آکر نہایت اطمینان کے ساتھ گھر جا کر آرام فرمایا، جلال الدین پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ اس کیفیت کے دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ دنوں بعد دمشق کا ایک کارواں آیا، اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ مغلوں سے جب دمشق میں جنگ ہوئی ہے اور مغول وہاں سے نکالے گئے ہیں، اُس وقت مولاناؒ لشکر اسلام کی معاونت فرما رہے تھے۔ جلال الدین یہ خبر سن کر خوش خوش روانہ ہوے کہ جا کر مولاناؒ سے عرض کریں، جب پہنچے تو مولاناؒ نے پہلے ہی فرمایا کہ ؎

آں سوارے کہ سپہ را شد ظفر　　اہل دل را کیست سلطان البصر[1]

(۳)

مولاناؒ کے انتقال کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ کیغاتو خاں نے امرائے قونیہ کی طلب کے لئے ایک ایلچی بھیجا تھا، بعض امراء نے اسے قتل کر ڈالا، کیغاتو خاں نے حملہ کر دیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لوگ جب ہر طرح عاجز آئے تو مولاناؒ کی تربت پر حاضر ہوے رات کو کیغاتو خاں نے خواب میں دیکھا کہ مولاناؒ نہایت ہیبت کے ساتھ اپنے قبہ سے

---

[1] مناقب ص ۶۴-۶۵

Marfat.com

نکلے اور اپنے سر سے دستار کو کھول کر قلعہ شہر کو اس سے لپیٹنے لگے اور پھر آکر خان کا گلا دبایا اور فرمایا کہ "اے ترک بیجز اس فکر کو ترک کر" بیدار ہو کر اس نے اپنے امرا کو طلب کیا، خواب کا حال بیان کیا، امرا نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ اندیشہ ہمارے دل میں پہلے ہی سے تھا کہ یہ شہر مولاناؒ کے اقلیم سے ہے اور جس نے اس کا قصد کیا وہ تباہ ہوا مگر بادشاہ کے خوف سے ہم کچھ کہہ نہ سکے، کیغاتو نے استغفار کیا اور قونیہ میں ایلچی بھیجے کہ میں بغرض تفرج شہر میں آنا چاہتا ہوں، بعد عہد و پیمان کچھ لوگوں کے ساتھ شہر کے اندر آیا، تمام امرا و اکابر نے حاضر ہو کر نذریں پیش کیں جب اخی احمد شاہ آیا تو سب لوگ ہٹ گئے اور وہ آکر خان کے برابر بیٹھ گیا خان نے تعجب سے کہا کہ تمہارے پہلو میں کون شخص بیٹھا ہوا ہے احمد شاہ نے کہا میں اکیلا ہوں، خان نے اس شخص کا حلیہ بیان کیا تو احمد شاہ سمجھ گیا کہ یہ شکل مولاناؒ کی ہے، اس نے کہا کہ یہ شخص سلطان العلما بہاء الدینؒ کے فرزند مولانا جلال الدینؒ ہیں، خان نے کہا کہ انھیں صاحب کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا گلا دبائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ شہر میرا ہے، اب میں تم کو (احمد شاہ) اپنا باپ کہتا ہوں اور اس شہر کے خیال سے میں باز آیا، اور توبہ کی، پھر پوچھا کہ ان کی اولاد میں سے کون ہیں، احمد شاہ نے سلطان ولدؒ کا ذکر کیا۔ اور خان کو حضرت موصوف کے پاس لایا، وہ مرید ہوا اور حضرت موصوف نے از راہ مرحمت مولاناؒ کی کلاہ اسے دی۔[1]

---

[1] سپہ سالار ص ۵۲ مناقب ص ۳۶۸ [کیغاتو اگرچہ مسلمان نہیں ہوا مگر مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح پر مراعات برتتا تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد جب روم کو روانہ ہونے لگا تو امیر شکورین ایلکانی کو وزیر کر گیا تھا واپس آکر

Marfat.com

ذیل میں چند متفرق واقعات درج کئے جاتے ہیں، جن سے مولاناؒ کی قوت باطنی اور تصرفات روحانی کا خفیف سا اندازہ ہو سکے گا، واقعات قصداً ایسے ہی لئے گئے ہیں جن کے ادراک سے منکرین کرامات بھی عاجز نہ ہوں ورنہ اولیاء اللہ کے تصرفات کی حد و غایت نہیں ہے مگر ان کے سمجھنے کے لئے چشم بینا اور دل باصفا کی ضرورت ہے ؎

زاں نمایداں حقائق ناتمام کہ بریں خامہ بود فہمش حرام

[اس زمانہ میں معجزات و کرامات کو عقلاً ثابت کرنے کا ایک عام رواج ہو گیا ہے. مگر یہ عاجز عقلاً اس کا قائل نہیں ہے. اس باب میں ایک اصول کلی اپنے ذہن میں یہ قرار دے لیا ہے کہ معجزات و کرامات عقلاً ثابت نہیں ہو سکتے اور جب ثابت ہو گئے تو وہ معجزات و کرامات نہیں رہے اس لئے تاویلات بارده کی ضرورت باقی نہیں رہتی]

مولاناؒ ایک مرتبہ ایک تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے کچھ حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے. اور پانی میں مینڈک شور مچا رہے تھے، جس سے استماع مشکل ہو گیا تھا، مولاناؒ نے نہایت سختی کے ساتھ فرمایا کہ اگر تم بہتر بیان کر سکتے ہو تو بیان کرو، میں چپ رہوں، فوراً سب خاموش ہو گئے. علہ

سلطان رکن الدین کی ملکہ کوماج خاتون کی روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ قدیم مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ مولاناؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ جلد اس مکان

(حاشیہ ص ۴۳۳)

صدرالدین احمد خالدی کو "صدر جہاں" کے لقب سے وزیر مقرر کیا، اور بالفاظ حمداللہ المستوفی "بادشاہ وزیر کریم جہانے وجہانِ کرم بودند"]

علہ سپہ سالار ص ۲۱۱، مناقب ص ۱۰۱

Marfat.com

سے نکلو، ہم لوگ ننگے پاؤں نکل پڑے، ہم لوگوں کے باہر آتے ہی چھت گر پڑی [1]

جب شمس الدین تبریزیؒ کے پوشیدہ ہو جانے سے مولاناؒ کے مریدوں میں اختلاف برپا ہوا، اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے مولاناؒ اپنے بعض اصحاب و اعقاب کو لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، کسی موقع پر تین سو قزاقوں کا گروہ ساز و سامان سے نمودار ہوا، لوگ ہراساں ہو گئے، مولاناؒ نماز میں مشغول تھے، سلطان ولدؒ نے جا کر عرض کیا، فرمایا کچھ غم نہ کرو، ایک دائرہ اپنے کارواں کے گرداگرد کھینچ دیا۔ جب قزاقوں کا لشکر قریب پہنچا، ہر چند کوشش کی گھوڑے آگے نہ بڑھے، ان میں سے ایک شخص گھوڑے سے اتر کر سامنے آیا اور پوچھا کہ تم لوگ کون ہو، کہاں سے آئے اور یہ کیا معاملہ ہے کہ ہمارے گھوڑے تمہاری طرف نہیں بڑھتے اور ہماری تلواریں میان سے نہیں نکلتیں؟ شاید تم لوگ جادوگر ہو، لوگوں نے کہا حاشا ثم حاشا ہمیں جادوگری سے کیا سروکار۔ البتہ حضرت بہاء الدینؒ ولد بلخی کے فرزند مولانا جلال الدینؒ رومی مع اپنی اولاد و اعقاب کے ہمارے درمیان ہیں اور یہ انہیں کی ولایت کی ہیبت ہے جس نے تمہیں اس طرح مجبور کر دیا ہے یہ سن کر سب سر کھولے ہوئے حاضر ہوئے اور اظہار ارادت کیا اور حلب تک بطور بدرقہ کے ہمراہ لے گئے [2]

ایک مرتبہ مولاناؒ نے جلال الدین ابن پہ سالار کے ذریعہ پروانہ کے نام قیصریہ میں ایک خط روانہ کیا۔ جلال الدین نے روانگی کے وقت دریافت کیا کہ اگر زبانی کچھ پوچھیں تو کیا

---

[1] پہ سالار ص ۴۶

[2] مناقب ص ۱۲۵-۱۲۶

Marfat.com

کہوں فرمایا کہ تم کہنے کا ارادہ کرنا جو کچھ کہنا ہوگا میں کہدوں گا۔ خط پڑھنے کے بعد پروانہ نے مولاناؒ کے متعلق دریافت کیا، جلال الدین نے اس قدر حقائق و معارف بیان کئے کہ سب حیران رہ گئے، پروانہ نے کہا آپ سے بارہا ملنے کا اتفاق ہوا ہے مگر ایسا کلام آپ کی زبان سے کبھی نہیں سنا۔ جلال الدین نے حکایت بیان کی، سب نے سر جھکا دیئے۔ علہ

فخر الدین دیودست کا بیان ہے کہ میں نے مولاناؒ کے لئے کتاب حقائق سلمٰی لکھی، بہت پسند فرمایا اور اپنا پیراہن مجھے عنایت کیا اپنی محنت پر نظر کرکے دل میں یہ خیال گزرا کہ تعجب ہے کہ مولاناؒ نے اسی پر اختصار فرمایا، فوراً ہی اشارہ ہوا کہ یہ اندیشہ غلط ہے، پھر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک فقیر شہر بغداد میں پنجشنبہ کو زنبیل لئے مانگتا پھرتا تھا، ایک بڑے عالیشان مکان پر گیا اور سوال کیا، کسی نے پردے میں سے ایک پڑیا اسکی زنبیل میں ڈالدی، جب اپنی جگہ آکر کل ٹکڑوں کو نکالا تو اسے تعجب ہوا کہ اتنے بڑے مکان سے اتنی سی پڑیا ملی کھول کر دیکھا کہ اس میں ایک چڑیا لپٹی ہوئی تھی جس کا وزن معلوم سے زیادہ معلوم ہوا، اس کا پیٹ سیا ہوا تھا کھول کر دیکھا تو موتی بھرے ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے فقر و فاقہ سے نجات پا گیا، چنانچہ ایسا ہوا کہ مولاناؒ کے انتقال کے بعد قونیہ میں قحط پڑا، لوگ دعا کرتے کرتے عاجز آ گئے، سلطان ولدؒ سفر میں تھے، شہر کے اکابر و اعیان نے وہ پیراہن مجھ سے لیکر صحرا میں جاکر اس کے وسیلے سے دعا کی، خدا کے فضل سے اسی دن بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے، لوگوں نے کمال اعتقاد سے میری اس قدر خدمت کی کہ بیان سے باہر ہے، جب اوحدالدین سانیسوی چلپی عارفؒ کے پاس آکر مرید ہوئے

علہ مناقب ص۲۲۱

Marfat.com

تو وہ پیراہن فخر الدین سے لے کر چھ سو تنکہ شکرانہ دیا علہ

سماع :۔

مولاناؒ کے کمالاتِ باطنی کے اس مجمل و مقصر تذکرے کو اگر "سماع" و "رباب" پر اظہارِ خیال کئے بغیر ختم کر دیا جائے تو یہ بحث بہت ہی تشنہ رہ جائے گی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سماع کی تاریخ اور حقیقت سماع پر بھی تفصیلی گفتگو کی جائے" نہ یہ ضروری ہے کہ سماع کے متعلق اصحاب ظاہر اور ارباب باطن کے درمیان روزِ اول سے جو اختلاف برپا ہے اس کے ایک ایک قضیہ کو معرضِ بحث میں لایا جائے اور قاضی بنکر خواہی نخواہی اس پر محاکمہ کیا جائے بلکہ ضرورت صرف دو امور کی ہے۔

(۱) اولاً یہ کہ تعیناً یہ واضح ہو جائے کہ مذہبی حیثیت سے سماع کے جواز و عدم جواز کے متعلق مولاناؒ کے زمانہ کے قبل ہی کافی و وافی معرکہ آرائی ہو چکی تھی اور اہل تصوف بلا اختلاف اس کے جواز بلکہ استحباب کے قائل تھے۔ مولاناؒ کو نئی بساطِ جنگ بچھانے کی حاجت نہیں تھی۔

(۲) ثانیاً یہ کہ تخصیصاً یہ معلوم ہو جائے کہ اس باب میں مولاناؒ اور آپ کے کلام کے شارح سلطان ولدؒ کے خیالات کیا تھے۔

(۱)

سماع کے متعلق دونوں جانب سے جس کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں شاید ہی کسی دوسرے اختلافی مسئلہ کے متعلق اس کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہوں مگر اول تو ان تمام کتابوں کا احصاء دشوار اور پھر نفس مطلب کے اعتبار سے [illegible] عدم جواز کی

علہ مناقب ص ۳۶۳

Marfat.com

کتابوں سے اس وقت بحث نہیں ہے۔ جواز سے متعلق تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ۔
"لاہلہ حلال ولغیرہ حرام" اور یہی مسلک مولاناؒ کا تھا۔

اس سلسلہ میں ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوزان القشیری (۳۷۶ھ - ۴۶۵ھ) کی کتاب "الرسالۃ القشیریہ" کو جامع اصول و فروع ہونے کی حیثیت سے اگر فن تصوف میں ام الکتب قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا علہ

یہ رسالہ المطبعۃ العامرۃ الثمانیہ مصر میں ۱۲۷۴ھ میں طبع ہوا ہے، اس میں سماع کے متعلق باب السماع (صہ ۱۹۸ - صہ ۲۰۷) میں کافی و وافی بحث کے بعد سماع کو ہر طرح پر مباح بلکہ مقبول قرار دیا ہے اور اس باب میں نہایت کثرت سے روایات و واقعات نقل کئے ہیں۔ ایک روایت ابن جریجؒ کی لکھی ہے کہ وہ سماع کو جائز رکھتے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن جب آپ کے حسنات و سیئات سامنے آئینگے تو یہ سماع کس میں شامل ہوگا" فرمایا "نہ حسنات میں نہ سیئات میں"۔ (یعنی یہ مباحات میں سے ہے۔)
اس زمانہ میں چونکہ مخالفت میں غلو نہیں تھا، اسی لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جب مخالفت میں شدت ہوئی تو موافقت میں بھی زور استدلال صرف ہونے لگا۔

علہ باعتبار زمان تصوف کی متعدد کتابیں اس سے قبل تصنیف ہو چکی تھیں، از انجملہ طاؤس الفقراء ابو نصر سراج (م ۳۷۸ھ) کی کتاب اللمع اغلباً چوتھی صدی ہجری کے وسط کی تصنیف ہے، سماع کی بحث اس میں موجود ہے۔ اور ابو طالب کی (م ۳۸۶ھ) کی کتاب "قوت القلوب" بھی تقریباً اسی زمانہ کی کتاب ہے مگر رسالہ قشیریہ کو جو شہرت عام حاصل ہوئی اور زمانہ مابعد میں دوسرے مصنفین نے اس سے جس طرح کام لیا اس کے اعتبار سے اسے (ام الکتب) کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کتاب اللمع کو ڈاکٹر نکلسن نے ۱۹۱۴ء میں طبع کیا اور "قوت القلوب" مصر کے

Marfat.com

"رسالہ قشیریہ" کے بعد دوسری مشہور عام کتاب علی ہجویریؒ (المعروف بہ داتا گنج بخشؒ) لاہوری (م ۴۶۵ھ) کی کشف المحجوب[1] ہے۔ آپ مضافات غزنین میں قریہ ہجویر کے رہنے والے تھے، تمام عالم اسلامی میں سفر کیا تھا اور اپنے زمانہ کے تقریباً تمام ہی اکابر صوفیہ سے ملے تھے آخر میں لاہور میں قیام اختیار فرمایا اور وہیں انتقال کیا، ہندستان میں نہایت مشہور ہیں "کشف المحجوب" اپنے طرز کی بے نظیر کتاب ہے مگر ترتیب کے اعتبار سے "رسالہ قشیریہ" کے مثل واضح مبین نہیں ہے: مسائل تصوف یکجا بیان نہیں ہوے ہیں بلکہ متفرق طور پر بیان ہوے ہیں، اس میں کشف یازدہم (جو کتاب کا بالکل آخری حصہ ہے) سماع سے متعلق ہے، ایک بہت ہی نازک نکتہ سماع کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ "گروہے گفتند کہ سماع آلت غیبت است و دلیل آوردہ اند کہ اندر مشاہدہ سماع محال باشد کہ دوست اندر محل وصل دوست اندر حال نظر بدو مستغنی شود از سماع دے ..... و باز گروہے گفتند کہ سماع آلت حضور است زانچہ محبت کلیت خواہد تا کل محب بکل محبوب مستغرق نشود دے اندر محبت ناقص باشد چنانکہ دل را اندر محل وصل نصیب محبت است و سر را مشاہدت در روح را وصلت و تن را خدمت باید تا گوش را نیز نصیبے بود چنانکہ چشم راست از رویت ..... پس

بقیہ حاشیہ ص ۴۳۸

المطبعۃ المیمنیہ نے ۱۳۴۲ھ میں دو جلدوں میں طبع کی ہے

[1] کشف المحجوب ص ۲۱۹ مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء [حاصل مطلب :- ایک گروہ کی رائے ہے کہ سماع آلۂ غیبت ہے جب دوست خود سامنے ہے تو اس کا حال سننے کی کیا ضرورت ہے دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ سماع آلۂ حضور ہے، حضوری سے جس طرح تمام قوائے باطنی و اعضاے ظاہری کو حظ حاصل ہوتا ہے، کان کو بھی حظ حاصل ہونا چاہیے، پس سماع دو طرح کا ہوا ایک بواسطہ اور ایک بیواسطہ جو قاری سے سنے وہ آلہ غیبت ہے جو خود دوست سے شنوندہ ہے وہ آلۂ حضور ہے] اس کتاب کا اردو ترجمہ فیروزالدین صاحب نے کیا ہے اور لاہور میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۱ء میں طبع ہوا ہے،

Marfat.com

سماع ہر دو گونہ باشد یکے بواسطہ دیگے بے واسطہ آنکہ از قاری بشنود آلت غیب باشد و آنکہ از یارے شنود آلت حضور ..... " بہر حال سماع کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے، ان سب کے بعد جب امام محمد غزالی" (سنہ ۴۵۰ - سنہ ۵۰۴) نے "احیاء علوم الدین" لکھی اور اس میں سماع پر مفصل بحث کی تو اس باب میں کسی دوسری کتاب کی حاجت ہی نہیں رہ گئی۔ احیاء العلوم کی جلد دوم کی کتاب ہشتم سماع سے مخصوص ہے، امام ہمام نے اس کتاب ہشتم کو دو بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں اباحت سماع کے متعلق اختلافات علماء کا ذکر ہے۔ اس میں تین بیان ہیں، بیان اول میں سماع کی تحلیل و تحریم کے متعلق علماء و متصوفین کے اقوال نقل کئے ہیں، بیان دوم میں اباحت سماع پر دلائل دیئے ہیں، بیان سوم میں قائلین تحریم کی دلیلیں درج کر کے ان کا رد کیا ہے، باب دوم میں آثار و آداب سماع بیان کئے ہیں اور اسے تین مقامات میں منقسم کیا ہے۔ مقام اول میں "فہم" سے بحث کی ہے، مقام دوم میں "بعد الفہم و تنزیل الوجد" کا ذکر کیا ہے اور مقام سوم میں سماع کے اداب بالتفصیل بتائے ہیں، یہ کل بحث مطبع مجتبائی کی مطبوعہ احیاء العلوم میں صفحہ (۱۸۸) سے صفحہ (۲۱۶) تک ہے مگر کتاب فلسکیپ کی تقطیع پر پینتیس سطری سطر پر نہایت باریک خط میں چھپی ہے۔ اگر معمولی انداز کتابت و تقطیع ہو تو سوا سو صفحوں سے کم نہ ہوں گے۔ یہ بحث اتنی جامع ہے کہ اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں سے کچھ بھی اس سے خارج نہیں ہے۔

احیاء العلوم پر خود امام صاحب کے زمانہ ہی میں اعتراضات بھی ہوئے تھے اور بحث سماع ان اعتراضات سے بچ نہیں سکتی تھی مگر امام صاحب نے ان کے جوابات "الاملاء عن اشکالات الاحیاء" میں دیا اور زمانہ مابعد میں عبد القادر بن شیخ عبد روس نے "تعریف

Marfat.com

الاحیاء بفضائل الاحیاء" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر بعد کے اعتراضات کو بھی اٹھا دیا ہے، بعض اشخاص نے احیاء العلوم پر ضعف روایات کا طعن کیا تھا اور اب بھی کرتے ہیں۔ اس کے متعلق حافظ الاسلام عبدالرحیم ابن الحسین العراقی (م ۸۰۶ھ) نے کتاب المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" لکھ کر تمام شکوک رفع کر دیئے ہیں، یہ تینوں کتابیں احیاء العلوم مطبوعۂ مصر کے ساتھ طبع ہوئی ہیں اور اول الذکر دو کتابیں احیاء العلوم کی شرح "اتحاف السادۃ" کے ساتھ شامل ہیں۔

[یہ کتاب اتحاف السادۃ المتقین" ابوالفیض سید محمدؒ بن محمدؒ بن الحسین الزبیدی الشہیر بہ مرتضٰے (م ۱۲۰۵ھ) کی تصنیف ہے اور ۱۱۹۳ھ و مابعد لکھی گئی ہے۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر میں ۱۳۱۱ھ و مابعد میں طبع ہوئی ہے اس میں اس سماع کی بحث کو اور بھی پھیلایا ہے اور جلد سادس کے (۱۰۷) صفحے (۴۵۴-۵۶۱) اس کے لئے وقف ہوئے ہیں۔ اس میں اعتراضات مابعد کے جوابات بھی ہو گئے ہیں]

سماع کی اس بحث کو حضرت امامؒ نے "کیمیائے سعادت" رکن دوم اصل ہشتم میں نسبتاً مختصر کر کے بیان کیا ہے [1]

امام صاحب نے جس شرح و بسط اور دلائل و شواہد کے ساتھ سماع کے متعلق بحث کر کے اسے مباح قرار دیا اس کے بعد اہل تصوف کے لئے کسی دوسری برہان و حجت کی ضرورت نہیں رہ جاتی تاہم آپ اس کے جواز و مباح ہونے تک محدود رہے

---

[1] اردو میں احیاء العلوم کا ترجمہ "مذاق العارفین" کے نام سے اور کیمیائے سعادت کا ترجمہ اکسیر ہدایت کے نام سے موجود ہے اور دونوں ترجمے مطبع نولکشور میں متعدد بار طبع ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

لیکن آپ کے بھائی امام احمد الغزالی (م سنہ ۵۲۰ھ) نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور خود سماع کے منکروں پر کفر کا اطلاق کر دیا۔ آپ نے احیاء العلوم کا خلاصہ "لباب الاحیاء" کے نام سے کیا ہے اور اس کے سوا تصوف کے متعلق اور بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں انھیں میں ایک کتاب "یوراق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع" بھی ہے، اس میں اولاً مطلق سماع پر بحث کی ہے، پھر سماع متعارف کو مفصلاً بیان فرمایا ہے، اسے زمان، مکان اور اخوان کے قیود سے مشروط کیا ہے، دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سألنی بعض الصلحاء المتوجہین الی اللہ فی السراء والضراء ان اکتب لہ رسالۃ فی السماع وقواعدہ وشروطہ فی فصلہ بظہور فوائدہ مستشہداً علیہ بالقرآن العظیم والحدیث الشریف وافعال الصحابۃ وعلی منکرتہ ومایلزمہم من المذکورات شرعاً واستدل بالکتاب والسنۃ والمعقول والمنقول علی ان من قال ان السماع حرام کفر بالاجماع وسد علیہ طرق المشائخ والاسماع ولما رأیت صدق رغبتہ اجبت سوالہ وخصلت نوالہ بتحصیل ہذا الکتاب بعد الاستخارہ فی حضرت الملک الوہاب سمیتہ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع" علہ

یہ معلوم ہے کہ مولانا حضرت امام احمد غزالی کے سلسلہ میں تھے اور حضرت احمد الغزالی

علہ خلاصہ:۔ مجھ سے بعض اصحاب نے یہ کہا کہ سماع کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھنا چاہیے، جسمیں قرآن حدیث اور افعال صحابہ سے استشہاد کیا جائے اور کتاب سنت اور منقول و معقول سے یہ ثابت کیا جائے کہ جو لوگ سماع کو حرام کہتے ہیں وہ بالاجماع کافر ہیں۔ میں نے ان کی صدق رغبت کو دیکھکر بعد استخارہ یہ کتاب بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع" لکھی [خواجہ حمید الدین نے اس کتاب کا اردو ترجمہ "حقیقۃ السماع" کے نام سے کیا ہے اور دلی پرنٹنگ ورکس دلی میں ۱۹۱۴ء میں طبع ہوا

Marfat.com

کے نسبت آپ کا جو خیال تھا وہ آپ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ

امام احمد غزالیؒ در عالم ملک گرد از دریائے علم برآوردہ علم علم را فراشتہ مقتدائے جہان گشت و عالم عالمیان شد، اگرچہ ہمچوں امام احمدؒ غزالیؒ ذرہ عشقش بودے بہتر بودے و سر قربت محمدیؐ را چو احمدؐ معلوم کردے، زانکہ در عالم ہمچوں عشق استادے و مرشدے موصول نیست [1]

"رسالہ قشیریہ" کا سنہ تصنیف ۴۳۷ھ ہے "کشف المحجوب" کا سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، مگر دیباچہ سے اتنا مترشح ہوتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ کتاب اپنی آخر عمر میں تصنیف فرمائی ہے، اور چونکہ آپ کا انتقال ۴۶۵ھ میں ہوا ہے، اس لئے لازماً یہ کتاب ۴۶۵ھ کے قبل ہی لکھی گئی ہوگی، احیاء العلوم، پانچویں صدی ہجری کے عشر آخر کی تصنیف ہے اور بوراق الالماع ادائل ششم صدی میں لکھی گئی ہے،

غرض مولاناؒ کی ولادت سے ایک صدی قبل ہی سے سماع کی بحث ہر پہلو سے طے ہو چکی تھی، اختلافات کا سلسلہ جاری رہا اور اب تک جاری ہے مگر جس قدر دلائل دونوں جانب سے پیش ہو سکتے تھے وہ پیش ہو چکے تھے اور زور آزمائی کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس کے بعد خود مولاناؒ کے زمانہ ہی میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے تصوف کی نہایت مشہور و جامع کتاب "عوارف المعارف" تصنیف فرمائی اور اس میں سماع پر نہایت مفصل بحث کی، اس کے چار باب (ابواب ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵) بحث سماع کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۲)

ترجمہ صاف دسلیس ہے۔]

[1] مناقب ص ۱۲۹

Marfat.com

لئے وقف ہیں۔ باب ۲۲ "فی القول السماع قبولاً وایثاراً"

اس میں اولاً آیت کریمہ "فبشر عبادی الذین یسمعون القول فیتبعون احسنہ، اولئک الذین ہداہم اللہ واولئک ہم اولوالالباب" سے استدلال کر کے یہ تحریر فرمایا ہے کہ "ہذا السماع ہو السماع الحق الذی لاتختلف فیہ اثنان من اہل الایمان ....."

اس کے بعد کثرت روایات وحکایات سے اپنے اس قول کی تائید کی ہے،

باب ۲۳۔ "القول فی السماع رداً وانکاراً"

اس میں اہل رد وانکار سے بحث کی ہے اور غیر مستحسن سماع کی توضیح کی ہے۔

باب ۲۴۔ "القول فی السماع ترفعاً واستغناءً"

اس میں سماع کے مفاد و مدارج بتائے ہیں۔

باب ۲۵۔ "القول فی السماع تادیاً واعتناءً"

اس میں آدابِ سماع پر بحث کی ہے۔

ان تمام مباحث میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جن احادیث کو ضعیف سمجھا ہے ان کو ظاہر کر دیا ہے [1]

---

[1] یہ کتاب مستقل حیثیت سے طبع ہو چکی ہے مگر اسوقت وہ نسخہ میرے پیش نظر نہیں ہے، احیاء العلوم مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر بھی چھپی ہے اور مباحث مذکورہ بالا احیاء العلوم کی جلد دوم کے حاشیہ پر صفحات ۱۰۲ سے ۱۷۶ تک ہیں۔

اس کتاب کا ایک ترجمہ "مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ" کے نام سے شیخ محمود بن علی الکاشانی

Marfat.com

پس اول تو مولاناؒ کا علم و فضل خود اس پایہ کا تھا کہ آپ اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتے تھے۔ اور پھر غزالیؒ وغیرہ کے ایسے علماء اجل کی تحریرات آپ کے پیش نظر تھیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صوفیان کرام نے سماع کو نہ صرف مباح قرار دے رکھا تھا بلکہ اس پر عامل بھی تھے، ان حالات میں مولاناؒ کا سماع کا اختیار کرنا کوئی عجیب امر نہیں تھا۔ مولاناؒ نے خود ایک موقع پر اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ آپ نے سماع کا طریق نیا نہیں نکالا ہے بلکہ جو طریق سلف صالحین سے چلا آرہا تھا اس پر باحسن طریق عمل کیا ہے، چنانچہ ایک روز پروانہ نے یہ کہا کہ "حضرت مولاناؒ آئین سماع را در عالم نیکو نہاد" فرمایا کہ "حاشا کہ نہاد بلکہ نیکو تر داشت کرد"[1]

(۲)

اس تمہید کے بعد مولاناؒ کے زمانہ کے قبل ہی سماع کے جواز کے متعلق اہل تصوف کی طرف سے کافی بحث ہو چکی تھی اور مولاناؒ اس میں "مبدع" نہیں ہیں بلکہ جو طریق اہل تصوف میں رائج تھا آپ نے اسے اختیار کر لیا تھا، اب دیکھنا یہ ہے کہ خود آپ نے (اور غلطان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۴

نے فارسی میں کیا ہے اور مطبع نولکشور میں طبع ہوا ہے لیکن وہ بعینہ ترجمہ نہیں ہے، اسمیں بہت کچھ ترمیم و حذف و اضافہ کیا ہے، کتاب کو دس باب میں تقسیم کر کے ہر باب میں دس فصلیں رکھی ہیں باب پنجم فصل نہم و دہم میں سماع کی بحث ہے۔ (صفحہ ۱۴۱-۱۸۴) [مولوی عبدالماجد صاحبؒ "تصوف اسلام" صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ عوارف المعارف کے فارسی میں ایک سے زائد ترجمے نکل چکے ہیں مگر کسی ترجمہ کا نام نہیں دیا ہے اور مجھے اس ایک ترجمے کے سوا اور کسی ترجمہ کا پتہ نہیں چلا ممکن ہے کہ دوسرے ترجمے مکمل ہوں، اردو میں ترجمہ "عوارف المعارف" کے نام سے مولوی ابوالحسن زید آبادی نے

Marfat.com

ولدؒ نے) اس بارے میں کن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اور اس موقع پر مقصود اصلی یہی ہے :۔

دیوان میں مولاناؒ نے سماع کی حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں

سماع چیست زپنہانیانِ دل پیغام ۔۔۔ دل غریب بیاید زنام شان آرام
شگفتہ گردد ازیں گرم غنچہائے کرم ۔۔۔ کشادہ گردد ازیں زخمہ بستہائے مشام
سخن رسد زنداے خروش روحانی ۔۔۔ ظفر رسد زحسام کشندۂ بہرام
حلاوتے عجبے دربدن پدید آید ۔۔۔ کہ از نے ولب مطرب شکر رسید بکام

صـ۵۶۹

دوسری جگہ سماع کے محل و موقع کے نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

سماع آرام جانِ زیرکانست ۔۔۔ کسے داند کہ اورا جان جانست
سماع آنجا کہ جانِ کاروانست ۔۔۔ نہ ماتم کہ آنجائے فغان است
کسے کو جوہر خود راندیدہ است ۔۔۔ کسے کاں ماہ از چشمش ندانست
چنیں کس را سماع دف چہ باید ۔۔۔ سماع از بہر وصلِ دلستانست

صـ۱۲۶

سماع کی دعوت ان الفاظ میں دی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۴۴۵)
ترجمہ کیا ہے، ترجمہ مکمل اور نہایت صاف و سلیس ہے سماع کے چاروں ابواب کا پورا ترجمہ (صفحہ موجود ہے مطبع نولکشور میں سنہ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۹۰ء میں یہ ترجمہ طبع ہوا ہے۔

علہ مناقب صـ۲۹۹

Marfat.com

بیا بیا کہ تو ئی جانِ جان سماع — بیا کہ سروِ روانی بوستانِ سماع
اگرچہ بام بلند است بامِ ہفتم چرخ — گزشتہ است ازاں بام نردبانِ سماع
بروں زہر دو جہاں آکہ چو در سماع آئی — سماع ازانِ تو است، تو ہم ازاں سماع
بزیر پائے بکوبم کہ ہر چہ غیر وییست — بیروں زہر دو جہانست ایں جہانِ سماع
(بیار قند معانی ز شمس تبریزیؒ — کہ باز ماند ز عشق لبش دہان سماع

رباعیات میں اس خیال کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ "سماع" یہ نائے و دف نہیں ہے بلکہ وہ شے ہی دوسری ہے۔

آں چیست کز دو سماعہا را شرفست — داں چیست کہ چوں رفت محل تلفست
می آید و می رود نہاں تا دانند — کیں ذوق سماعہا نہ از نائے و دفست

اہل دل کیلئے سماع کے مباح ہونے کے متعلق مولاناؒ کی ایک تقریر یہاں نقل کی جاتی ہے۔ جس سے واضح ہوگا کہ آپ سماع کو کس معنی کر کے جائز رکھتے تھے۔

زین الدین عبدالمومن تو قانی (جو روم کے بہت بڑے علماء میں تھے) روایت کرتے ہیں کہ مولاناؒ کے زمانہ میں قونیہ میں مولاناؒ شمس الدینؒ ماردینی سے پڑھتا تھا ایک روز کچھ لوگ مولاناؒ شمس الدینؒ کے وہاں مولاناؒ کے کرامات وغیرہ کا ذکر کر رہے تھے اور میرے دل میں یہ تردد پیدا ہوا کہ ایسا شخص رقص و سماع کو کیوں جائز رکھتا ہے، دوسرے ہی روز مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا مولاناؒ شمس الدینؒ ماردینی بھی ایک طرف سے آرہے ہیں۔ انھوں نے آتے ہی سر جھکا کر مولاناؒ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ مولاناؒ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ شرع میں ایک مسئلہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم نے بھی پڑھا ہوگا، حالت اضطرار و مخمصہ میں حرام کھا لینا بھی جائز ہے تاکہ آدمی ہلاکت سے

Marfat.com

بچ جائے پس مردان خدا کی ایک حالت ضرورت ہے جو اس اضطرار و مخمصہ سے مشابہ ہے اور اس کا دفع کرنا رقص و سماع اور وجد کے بغیر ممکن نہیں ورنہ تجلیاتِ انوار الٰہی سے اولیا ہلاک ہو جائیں، پس مجھے معذور رکھو کہ میں بھی اسی مخمصہ میں گرفتار ہوں، زین الدین کہتے ہیں کہ مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور جب حواس درست ہوئے تو میں نے مولاناؒ کے قدم پر سر رکھ دیا اور با خلاص تمام مرید ہو گیا، پھر سماع کے بغیر چین نہیں تھا۔[1]

زیادہ صاف الفاظ میں سماع کے متعلق آپ کا قول یہ ہے کہ "شیخ کامل را چوں نماز موقت در وزۂ رمضان فرض است، و مریدان مخلص مقبل محب را سماع مباح است، چندانکہ می تواند و بر عوام الناس کہ نہ شیخ اند و نہ مرید حرام است"[2]

ایک دوسرے موقع پر اس مفہوم کو زیادہ قطعی الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ "پہلے سماع کی اہلیت حاصل کرو پھر سماع اختیار کرو، میں نے کل گل شکر کو سونگھا تو گل کی بو نہیں محسوس ہوئی کیونکہ میں آمادہ نہیں تھا"

اول استعداد جنت باید ۔ تا ز جست زندگانی زاید[3]

جو لوگ اس پر بھی نہ سمجھے ان کے لئے ایک مرتبہ قول فیصل یہ فرما دیا کہ "ہر چہ از مقامات مقبول نظر ما آرد بما تعلق گرفت پھر اُس کی مثال دی کہ قرآن شریف میں "انا ربکم الاعلیٰ" اگرچہ فرعون کا قول ہے، مگر جب خدا نے اس کا ذکر دیا تو وہ مُبطل نماز نہیں رہا، کیونکہ اب اُس کا تعلق خدا سے ہو گیا"[4]

---

[1] مناقب ص ۲۳۹

[2] " ص ۱۱۵

[3] " ص ۶۷

[4] ایضاً ص ۲۸۲

Marfat.com

اس مسئلہ کو مولاناؒ اور آپ کے اصحاب جس نظر سے دیکھتے تھے سلطان ولدؒ نے نظم و نثر دونوں میں اسے پوری طرح صاف کر دیا ہے:۔

سماع بخلق ازاں حرام شد کہ ہواؤ نفس مشغول اند، چوں سماع کنند آں حالت مذموم مکروہ زیادہ می شود، پس سماع برچنیں قوم حرام آمد لیکن آنہا کہ عاشق و طالب حق اند چوں سماع حالت شاں راکہ طلب حقست افزوں می کند لا بدکہ برچنیں قوم حلال باشد۔

از سماع آید بعاشق قوتِ جاں — زاں ہمی رقصند یاراں عاشقاں
عاشقاں راہست رہبر دف و نے — می برد شاں پیش آں قیوم حے
غیر عاشق را اگر رہزن شود — داں کہ عاشق را بحق رہبر بود

آپ نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ مولاناؒ کے بعد آپ کے اصحاب کا سماع جاری رکھنا کس غرض و مقصد سے تھا، حضرت شمسؒ کے ارشاد کے مطابق آپ کی حالت کے ترقی پذیر ہونے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"اب مریدین اس امید سے شیخ کی متابعت کرتے ہیں کہ اس برکت متابعت سے مقصود حاصل ہو، جس طرح کہ آنحضرتؐ کی امت اگرچہ نماز کو اس طرح نہیں ادا کر سکتی جس طرح آنحضرتؐ ادا فرماتے ہیں، لیکن آنحضرتؐ کی محبت کی وجہ سے ظاہر کو نگاہ رکھتے ہیں تاکہ اس صورت نماز کی وجہ سے لوگ انھیں امت آنحضرتؐ سے سمجھیں اور اس برکت سے معنی تک رسائی ہو جائے کیونکہ مجاز حقیقت کا پل ہے، پس اسی لئے ہمارے اصحاب بھی سماع کی اس صورت کو نگاہ رکھتے ہیں جو شیخ سے دیکھی تھی ممکن ہے کہ اس متابعت کی برکت سے اپنے مقصود کو پہنچ جائیں۔"

Marfat.com

ماند تا اکنوں براں سنت سماع — گشت یاراں را بہر جا اجتماع

جملگاں دیدند سرو خود دریں — شد سماع و رقص شاں آئین دیں

غرض ان بیانات سے صاف واضح ہو گیا کہ مولاناؒ سماع کو انھیں شرائط و قیود کیساتھ جائز سمجھتے تھے جو صوفیائے کرام نے قرار دے رکھے تھے، اور آپ کے بعد آپ کے مریدوں نے اسے اتباعِ شیخ کے طور پہ جاری رکھا اور غرض اس سے ترقی روحانی تھی نہ کہ لہو و لعب۔

ان شرائط عام کو ملحوظ رکھتے ہوے سماع میں مولاناؒ کی دو خاص عادتیں اور تھیں۔

ایک یہ کہ جب آپ سماع میں گرم ہوتے تو سر پٹکتے، چرخ کھاتے اور قوالوں سے لپٹ جاتے تھے اور یہ درود پڑھتے "اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم" پھر از سر نو شروع کرتے۔ [1]

دوسرے یہ کہ اکثر کئی کئی دن بغیر کچھ کھائے ہوے سماع میں مشغول رہا کرتے تھے اور اس لئے آپ کے مریدوں نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ سماع سے قبل کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مناقب العارفین کی روایتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ مولاناؒ ہی کے وقت میں یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ جب مجلس سماع ہوتی تو کھانا ختم سماع کے بعد ہی کھایا جاتا تھا خواہ کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ایسے ہی معاملہ میں سلطان رکن الدین کو ناگواری ہو گئی، سماع کے ختم ہونے کے بعد

---

[1] مناقب صـ۲۴۷

Marfat.com

دستر خوان بچھ چکا تھا کہ مولاناؒ پھر سماع میں مشغول ہو گئے، اور دستر خوان اٹھ گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ پروانہ کے وہاں مجلس سماع تھی، نصف شب گزر گئی اور کھانے کی نوبت نہیں آئی، کھانا ٹھنڈا ہو گیا، پروانہ نے شیخ محمدؒ خادم سے کہا اور شیخ محمدؒ نے چاہا کہ بطریق کنایہ مولاناؒ سے کہیں، مولاناؒ نے خود سبقت کر کے فرمایا کہ "اے امیر نہر کا پانی چکی کے قریب کب ٹھہر سکتا ہے" پروانہ نے اس تمام کھانے کو تقسیم کر دیا اور پھر سے کھانا تیار کرایا۔ عہ

سپہ سالارؒ نے بطریق کلیہ یہ لکھ دیا ہے کہ ہمارے طریق میں سماع کے وقت معدے کا خالی رکھنا ضروری ہے (در طریق اصحاب ما خلوے معدہ شرط است تا تروض و تلطف زیادہ گردد، چنانکہ حضرت خداوندگار ما میفرماید ؎

اے مرد سماع معدہ را خالی دار — زیرا چو تہیست نے کند لالہ و زار
چوں پُر کردی معدہ زادت بسیار — خالی یابی از دلبر و بوس و کنار عہ

مولاناؒ نے جب اس ذوق و شوق کے ساتھ سماع کو اپنا طریق بنایا تو آپ کے مریدین مخلصین تو از خود بلا تکلف اس میں شامل ہو گئے، منکرین کو خاموشی کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا مگر بعض اصحاب ایسے بھی تھے کہ مولاناؒ سے خلوص و اتحاد رکھنے کے باوجود ادھر قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ مولاناؒ جس میں اہلیت دیکھتے تھے اُسے کسی نہ کسی طرح شامل ہی کر لیتے تھے، قاضی عز الدینؒ (قونوی) بھی ابتداءً سماع کے منکر تھے۔

عہ مناقب ص۷۷۔
عہ سپہ سالار ص۳۳، ۳۴

Marfat.com

ایک روز مولاناؒ اسی عالم وجد میں اپنے مدرسہ سے نکلے، قاضی صاحب کے یہاں پہونچے اور ان کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا کہ "اٹھئے بزم خدا میں آیئے، ان کو اسی طرح کشاں کشاں لے آئے، مجلس میں بیٹھ کر قاضی صاحب پر ایسی بے خودی طاری ہوئی کہ کپڑے پھاڑ ڈالے اور صدق دل سے مولاناؒ کے ارادتمندوں میں شامل ہو گئے[1]

آخر مولاناؒ کے اس انہماک نے غیروں کو بھی اس درجہ متاثر کر دیا کہ جب مولاناؒ سماع میں مشغول ہوتے تو شمس الدینؒ ماردینی جیسے عالم متبحر بسا اوقات طبلک کو سر پر رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ "حقا حقا کہ تسبیح می گوید، ہر کی گوید کہ ایں سماع حرام است حرامزادہ است"[2]

غرض مولاناؒ نے سماع کو اختیار کیا، علانیہ اختیار کیا، اور اس میں غایت انہماک کا اظہار فرماتے رہے، مخالفتیں ہوئیں مگر دبکر رہ گئیں، مولاناؒ کے انتقال کے بعد لوگوں نے مخالفت کے فتنۂ خوابیدہ کو پھر بیدار کرنا چاہا اور بعض فقہا نے معین الدین پروانہ سے کہا کہ سماع بہر حال حرام ہے، تاکہ مولاناؒ نے اپنے زمانہ میں روا رکھا مگر اب تو بند ہونا چاہیئے، پروانہ یہ سن کر شیخ صدر الدینؒ کے پاس گیا اور اس معاملہ میں ان کی رائے دریافت کی، انھوں نے فرمایا کہ اگر میری بات مانو اور درویشوں کے قول پر اعتماد ہو اور مولاناؒ کے ساتھ اعتقاد راسخ رکھتے ہو تو اس باب میں کچھ بھی مداخلت نہ کرو، کیونکہ یہ بھی ایک طرح پر اولیاء اللہ سے اعتراض کرنا ہے

---

[1] مناقب منک

[2] " ص ۱۲۳

Marfat.com

اور یہ نامبارک ہے [1]

اخی محمد نے ایک روز علاء الدین سے کہا کہ میں نے ایک خروار (انبار) کتابیں پڑھی ہیں۔ ان میں اباحت سماع کا کہیں ذکر تک نہیں ہے، تم لوگوں نے یہ بدعت کس دلیل سے اختیار کر رکھی ہے۔ علاء الدین نے جواب دیا کہ اخی صاحب نے خروار (گدھے کی طرح) پڑھا ہے اس لئے انھیں پتہ نہیں چلا۔ میں نے عیسیٰؑ وار پڑھا ہے، اس لئے اس راز سے واقف ہو گیا ہوں [2]

فصل سوم میں شیخ صلاح الدینؒ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے مرتے وقت وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کے ساتھ ساتھ گویندگان ہوں اور آپ کے حسب وصیت عمل ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سے مولاناؒ کے طریق میں یہ دستور سو گیا تھا کہ جنازے کے ساتھ بھی سماع ہوا کرتا تھا، شیخ نے اس کی وجہ اپنی وصیت میں بیان فرما دی تھی اور سلطان ولدؒ نے اسے رباب نامہ میں واضح کر دیا ہے۔ اب خود مولاناؒ کی تصریح بھی ملاحظہ ہو۔

ایک روز کچھ لوگوں نے مولاناؒ سے یہ سوال کیا کہ زمانہ قدیم سے یہ ہوتا آیا ہے کہ جنازے کے آگے آگے قاری اور مؤذن ہوا کرتے تھے۔ اب جناب کے اس زمانہ میں گویندوں کا جنازے کے آگے آگے ہونا کس وجہ سے ہے؟ علماء و فقہا اسے برا سمجھتے ہیں اور اسے بدعت قرار دیتے ہیں، فرمایا کہ جنازے کے آگے مؤذن و قاری و حفاظ یہ گواہی دیتے

---

[1] مناقب ص۳۴۶ و ص۳۴۷

[2] ، ص۱۶۵

Marfat.com

ہیں کہ یہ میت مؤمن ہے اور ملت ..... اسلام میں وفات پائی ہے ہماری قوال بھی گواہی دیتے ہیں کہ یہ میت مومن تھا، مسلمان تھا اور ساتھ ہی عاشق بھی تھا، اس کے سوا دوسری بات یہ بھی ہے کہ روح انسانی سالہا سال زندان دنیا، چاہ طبیعت اور صندوق بدن میں قید تھی ناگاہ بفضل خدا اسے اس قید سے خلاصی حاصل ہوئی، اور وہ اپنے اصلی مرکز کو پہنچ گئی، پس کیا یہ خوشی، سماع اور شکر کا مقام نہیں ہے کہ وہ اس طرح شاداں و فرحاں رب العزت کی طرف روانہ ہوا اور دوسروں کو بھی جانبازی کی رغبت ہو ۔[1]

رباب :-

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ رباب کو مولاناؒ کی ذات کے ساتھ خصوصیت خاص حاصل تھی، پس "سماع" کے بعد کچھ ذکر رباب کا بھی ہونا چاہیئے کیونکہ یہ مولاناؒ کے مختصات میں تھا، سلطان ولدؒ نے اپنی مثنوی کو رباب کے ذکر سے شروع کرنے کی وجہ یہی لکھی ہے کہ "جہت آنکہ رباب بحضرت مولاناؒ قدسنا اللہ بسرہ العزیز مخصوص و منسوب است ایں مثنوی از رباب آغاز کردہ شد"

خود مولاناؒ نے اپنی اس "رباب نوازی" کی نسبت ایک مرتبہ بطریق مطائبہ یہ فرمایا کہ "میں نے تمام مراتب کو علماء و فقہا کیلئے ترک کر کے کنجِ تنہائی اختیار کی ہے،

---

[1] مناقب ص ۱۳۸

Marfat.com

رباب بھی اگران کے کام کا ہوتا تو انھیں کو دیدیتا مگر چونکہ اس غریب کی وہاں پرسش نہیں ہے اس لئے میں نے یہ غریب نوازی کی ہے کیونکہ غریب نوازی مردوں ہی کا کام ہے " ملہ

اس مفہوم کو زیادہ عام پیرایہ میں خود رباب کی زبان سے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے ،

ہیچ میدانی چہ میگوید رباب — ز اشک چشم واز جگر ہائے کباب
ما غریبانِ فراقیم اے شہاں — بشنوید از نی الی اللہ المآب
ترک و رومی و عرب گر عاشقند — ہم زبانِ اوست ایں بانگِ رباب

صـ ۱۱۱

غزلوں میں رباب کی ثنا و صفت خوب دل کھول کر کی ہے ، یہاں ایک غزل کے دو شعروں میں پہلا شعر مطلع ہے اور دوسرا اس کے بعد کا شعر ہے اس لئے وہ بھی منزلہ رباعی ہی کے ہے (اور مولاناؒ کے رباعیات میں ایک کثیر تعداد رباعیوں کی اسی طرح جمع ہو گئی ہے

رباب مشرب عشقست و مونسِ احباب — کہ ابر را عریاں نام کردہ اند رباب
چنانکہ ابر سقائے گل و گلستانست — رباب قوتِ ضمیر است ساقی الباب

صـ ۱۱۵

رُباعی

اے بانگ رباب از کجا می آئی — پر آتش و پر فتنہ و پر غوغائی
جاسوس دل و پیک آں صحرائی — اسرار دلست ہر چہ میفرمائی

ملہ مناقب صـ ۱۰۴

Marfat.com

رباب کے ساتھ مولاناؒ کی دلبستگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے بعض مخصوص احباب کو "ربابی" کے لفظ سے مخاطب فرماتے تھے۔

روآں "ربابی" را بگو مستاں سلامت میکنند　　وآں مرغِ آبی را بگو، مستاں سلامت میکنند

انہماک کا اندازہ اس فرمائش سے ہو سکتا ہے کہ

مطربا بگذر زنانے از عراق و از حجاز　　در صفاہان باش امشب تا سحر میزن رباب

ص ۱۰۹

اس کہنے کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے کہ مولاناؒ نے جب رباب پر اس درجہ "نوازش" کی ہوگی تو علمائے ظاہر ضرور اس کے خلاف ہو گئے ہونگے مگر مولاناؒ بھی "رباب" کی حمایت میں سرگرم رہا کرتے تھے، سلطان ولدؒ کی روایت ہے کہ ایک روز لوگوں نے میرے والدؒ سے کہا کہ رباب کی آواز بھی عجب آواز ہے، فرمایا کہ رباب بہشت کی آواز ہے، سید شرف الدین نے کہا کہ ہم بھی سنتے ہیں، مگر ہم پر تو یہ اثر نہیں ہوتا، فرمایا کہ جس طرح ہم سنتے ہیں وہ دروازے کے کھلنے کی آواز ہے اور جس طرح آپ سنتے ہیں وہ دروازے کی بند ہونیکی آواز ہے۔ علہ

اسی زمانہ میں بعض علما، رباب کی تحریم کے بارے میں بہت کچھ قیل و قال کرنے لگے تھے، مولاناؒ کو جب یہ خبر ملی تو فرمایا کہ "سرد لوہا کوٹ رہے ہیں، واللہ ثم واللہ کہ انھیں قبر پر رباب بجاوینگے" اس حکایت کے راوی شمس الدین اور فخر الدین کا بیان ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا،

علہ مناقب ص ۲۹۰　　علہ ایضاً ص ۲۴۰

Marfat.com

معین الدین پروانہ چاہتا تھا کہ (دلد تاج وزیر) کو قونیہ کا قاضی بنائے، انھوں نے اس منصب کو قبول کرنے کے لئے تین شرطیں پیش کیں اول یہ کہ رباب کا بجانا بند کر دیا جائے، پرانے چپراسی نکال دیئے جائیں اور نئے چپراسیوں کو حکم دیا جائے کہ لوگوں سے کچھ لیں نہیں، پروانہ نے کہا کہ دو شرطوں کو تو منظور کر سکتا ہوں مگر رباب کو نہیں اٹھا سکتا، کیونکہ یہ ایک بڑے شخص کی وضع ہے، انھوں نے عہدۂ قضا کو قبول نہیں کیا، یہ واقعہ جب مولاناؒ کے سمع مبارک تک پہنچا تو فرمایا کہ رباب بھی کیا مبارک شے ہے، خدا کا شکر ہے کہ رباب نے ان کی دستگیری کی اور جنگ قضا سے رہائی دلائی، عاقبت الامر عالم موصوف کی تمام اولاد مولاناؒ کی مرید ہوگئی [1]

اس قسم کے تعرضات کم و بیش جاری رہے مگر مولاناؒ کے اثر کی وجہ سے سلطنت کی طرف سے رباب پر کوئی قید عائد نہیں ہوئی، مولاناؒ کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ تمام علماء قاضی سراج الدین ارموی کے پاس گئے اور شکایت کی کہ لوگوں میں استماع رباب کی رغبت بڑھتی جاتی ہے اور مولاناؒ رئیس علماء اور سرور فضلاء ہیں کیوں اسے جائز رکھتے ہیں۔ قاضی سراج الدینؒ نے فرمایا کہ "یہ مرد مردانہ موید من عند اللہ ہے اور تمام علوم ظاہر میں عدیم المثال ہے، اس سے الجھنا ٹھیک نہیں ہے" [2]

مولاناؒ کے انتقال کے بعد پھر کچھ لوگوں نے قاضی سراج الدینؒ کے محکمہ میں ایک بڑا مجمع کیا، حضرت چلپی حسام الدینؒ کو بھی بلایا اور کہا کہ رباب حرام ہے اور سماع جائز نہیں ہے، قاضی سراج الدینؒ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور حضرت

---

[1] مناقب ص ۲۶۳ [2] ایضاً ص ۱۰۳

Marfat.com

چلپی حسام الدینؒ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ عصائے موسیٰ آپ لوگوں کو چوب خشک نظر آتا ہے یا اژدہا، کسی نے کچھ جواب نہ دیا، فرمایا کہ ہمارا رباب بھی اس وقت تک محض لکڑی تھا، جب تک کہ مولاناؒ نے اسے اختیار نہیں کیا تھا، مولاناؒ کے ہاتھ میں پہونچکر اژدہا ہو گیا، اس بارے میں گستاخی و دلیری کرنا مناسب نہیں ہے، مبادا ایک نفس میں سب ہلاک ہو جائیں، سب لوگ خاموش ہو گئے اور پھر کسی نے کچھ نہ کہا۔

مولاناؒ نے رباب میں ایک جدت یہ کی تھی کہ اس کے چھ خانے کر دیئے تھے تاکہ اس سے ہر شش گوشہ عالم کی شرح ہو، علہ

غرض سماع و رباب کو مولاناؒ نے جو اپنا آئین و طریق بنایا تو تمام تغیرات زمانہ کے باوجود آج تک اسی طرح سے جاری ہے اور توقع ہے کہ جاری رہے گا۔ ع

نیکو داں رفتند و سنتہا بماند

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان ولدؒ نے اپنی مثنوی کا آغاز رباب سے کیا ہے، مناسبت موقع کے لحاظ سے اس کے چند شعر درج کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

بشنو ید از نالہ و بانگِ رباب — نکتہائے عشق در ہر گونہ باب
با فغان و نوحہ گویاں دائما — اے خدا وائے خدا وائے خدا

. . . . . .

علہ فرمودند کہ رباب را شش خانہ ساختند چہ از قدیم العہد رباب چار سو بودہ و فرمود شش گوشہ رباب شارح ہر شش گوشہ عالم است و الف تار رباب مبین "بالف ارواح است بالف ۶۱

Marfat.com

صد ہزاراں این چنیں تسبیحہا — می سراید گاہ نالہ در ہوا
بے زباں ذکر خدا گوید نہاں — نشنود آں ذکر را جز عارفاں

. . . . . .

چوں کنند اشیاء ہمہ تسبیح ہو — از تر و از خشک و از سفل و علو
ہم شی است آخر رباب و چوب پوست — آہن و ابریشم و موکند اوست
حمد باری میکند اندر نوا ... — گوش کن تسبیح ہر یک را جدا
از ہمہ تسبیح بشنو بے سخن ! — گر رسیدت از خدا علم لدن !
چوں نداری گوش سر در جاں نہاں — نشنوی از وے بجز بانگ و فغاں

آخر میں مولاناؒ کے مسلک و سلسلہ کے متعلق چند الفاظ لکھ کر اس فصل کو ختم کیا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلسلہ کے اعتبار سے مولاناؒ حضرت احدؒ غزالی کے سلسلہ میں داخل تھے۔ سماع کا طریقہ بھی کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جسے خاص طور پر مولاناؒ نے جاری کیا ہو۔ البتہ آپ جس کثرت سے سماع میں مشغول رہتے تھے، یہ عالم دوسری جگہ کم نظر آتا ہے، ایک رباب ایسی شے ہے جسے مولاناؒ کی ذات کے ساتھ اختصاص ہے مگر یہ بھی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ آپ نے ایک خاص آلۂ سرود کو پسند کر لیا تھا، ورنہ آلات مزامیر صوفیہ میں پہلے بھی مستعمل تھے اور اب بھی مستعمل ہیں، اوراد و اشغال کے متعلق بھی مولاناؒ نے کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا

چند اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہو سکے کہ آپ کا میلان کن خاص ریاضتوں کی طرف زیادہ تھا۔ اگر کوئی چاہے تو اسی کو مولاناؒ کا خاص طریق سمجھ لے

Marfat.com

ایک روز معین الدین پروانہ نے مولاناؒ سے سوال کیا کہ تمام درویشوں نے ایک نہ ایک ذکر معین کر لیا تھا کوئی لا الہ الا اللہ کا کوئی لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا، کوئی سبحان اللہ وبحمدہ کا شغل رکھتا تھا، حضرت کا طریقہ ذکر کیا ہے، فرمایا "اللہ اللہ" کیونکہ ہم الاہیان میں سے ہیں الہ سے آئے ہیں الہ کی طرف جائیں گے، مازادہٗ ذاتیم سوے ذات ردیم ؎[1]

یہ بھی فرمایا کہ میرے والد بہاء الدین ولد بھی ہمیشہ اللہ سے اور اللہ کی کہتے تھے اور ذاکر اللہ تھے۔ کیونکہ تمام انبیاء و اولیا کے لئے ایک نہ ایک خاص نام سے تجلی فرمائی ہے اور ہم محمدیوں کے لئے اسم اللہ سے تجلی فرمائی ہے، تمام اسماء کا جامع ہے۔

ایک غزل میں اپنے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے، پوری غزل دیکھنے کے قابل ہے یہاں صرف تین شعر دیئے جاتے ہیں ؎

ما عاشق آنیم بے حرز ربے پناہیم — بے منزل و براہیم با عاشقاں خبر کن
بیروں ز کفر و دینم، برتر ز صلح و کینم — نہ در فراق و وصلم، رو نام ما دگر کن
مار حمت دا مانیم، ما جان جان جانیم — بیروں ز ہر گمانیم، با ما خود سفر کن

۹۔ ص ۲۶۹

محمود عرب کی روایت ہے کہ مولاناؒ دیوار مدرسہ سے سر مبارک کو لگا کر رات کو دیر تک بلند آواز سے اللہ اللہ کیا کرتے تھے، ؎[2]

؎[1] مناقب ص ۱۴۹

؎[2] " ص ۱۷۰

Marfat.com

قاضی عزالدینؒ (قونیہ) قاضی عزالدین (اماسیہ) و قاضی عزالدین (سیواس) رحمہم اللہ تعالیٰ تینوں مولاناؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے، ایک روز ان اصحاب نے مولاناؒ سے پوچھا کہ آپ کا طریق کیا ہے، فرمایا کہ قل ہٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ من اتبعنی [1]

لیکن یہ خاص مولاناؒ کا اپنا عمل تھا، دوسروں کو اس کا پابند نہ کرتے تھے "فیہ مافیہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ اپنے مریدوں کے لئے تخصیص کے ساتھ کسی خاص ذکر یا شغل کو معین نہیں کرتے تھے بلکہ اسے لوگوں کے ذوق پر منحصر رکھتے تھے، فرمایا ہے کہ خود اپنے کو آزماؤ کہ گریہ و خندہ، صوم و صلوٰۃ، جلوت و کثرت کس چیز سے زیادہ نفع پہنچتا ہے اور کونسا طریق تمہاری حالت کے مطابق آتا ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے، اسی کو اختیار کرو، استفت قلبک ولو افتاک مفتیون [2]

اس ذکر خاص کے بعد مولاناؒ کا دوسرا مخصوص عمل کم کھانا تھا، ایک روز سلطان ولدؒ سے فرمایا کہ اگر لوگ تم سے پوچھیں کہ مولاناؒ کا طریق کیا ہے تو کہدو "ناخوردن" پھر فرمایا کہ نہیں بلکہ کہو "مردن" [3]

ایک مرتبہ قطب الدین شیرازی نے مولاناؒ سے سوال کیا کہ "راہ شما چیست" فرمایا کہ راہ نامردن و نقد خود را بآسمان بردن "تا نمیری، نرسی" [4]

---

[1] مناقب ص۔

[2] فیہ مافیہ ص۔۳

[3] مناقب ص۔۱۲۰

[4] ایضاً ص۔۱۰۹

Marfat.com

ایک روز فرمایا کہ آدمی کے وجود "جسم" میں تین ہزار سانپ ہیں، ایک لقمہ سے ایک ہزار سانپ زندہ ہو جاتے ہیں اور ایک لقمہ کم کرنے سے ایک ہزار سانپ مر جاتے ہیں، خدائے تعالیٰ مجھے اور میرے دوستوں کو کم کھانے اور کم بولنے اور کم سونے کی توفیق دے۔ (کم خوردن و کم گفتن و کم خفتن) [1]

خلاصہ یہ کہ مولاناؒ نے اپنے طریق کے لئے نہ اذکار و اشغال کے خاص طریقے مقرر فرمائے اور نہ اپنے سلسلہ کے لئے اصول و فروع قرار دیکر اس کا انضباط کیا، صرف پیروی سنت نبوی کی غرض رکھی اور اس مقصد عظیم کے لئے علائق دنیا دی کی کمی اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے لئے جو امور ضروری تھے اُن پر خود عمل کیا اور اپنے مریدوں کو اس کی ہدایت کی۔ سماع و رباب کو اس مقصد کا معاون سمجھ کر اختیار کیا۔

انضباط سلسلہ

آپ کے بعد اور بالخصوص سلطان ولدؒ کے زمانہ خلافت (۶۸۴ھ سے ۷۱۲ھ) میں یہ سلسلہ دور دراز مقامات تک پھیلا یا [2]

---

[1] ایضاً ص ۲۰۵

[2] خلفا ساخت در طریق پدر — کرد در ہر مقام یک سر در

. . . . . .

خلفا پوشند اندر روم — تا نماند کسے زما محروم

روم چہ بل ہمہ جہاں پرشد — قطرۂ جملہ زیں عمان درشد

Marfat.com

اور مولاناؒ کے پوتے امیر عارفؒ نے کچھ تو اپنے والد (سلطان ولدؒ) کی زندگی ہی میں اور زیادہ تر آپ کے بعد اطراف وجوانب میں بکثرت سفر کر کے اس سلسلہ کو نہایت درجہ منضبط و مستحکم کر دیا، اس کے بعد سے اس وقت تک تمام ممالک روم میں یہی سلسلہ سب سے زیادہ کثیر الشیوع اور سب سے زیادہ با اثر رہا یہ کہنا کچھ بیجا ہوگا کہ جس طرح سلطنت کا مسلّمہ مذہب ظاہری حنفی رہا ہے، اسی طرح سلطنت کا مسلمہ مسلک باطنی مولویہ رہا ہے،

مولاناؒ کے بعد بتدریج اس سلسلہ کے ضوابط و قواعد نہایت جزوی حد تک معین ہو گئے،

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ " میں نے سفر کے زمانہ میں اس فرقہ کے اکثر جلسے دیکھے ہیں، یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتا، مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں، خرقہ یا کرتہ کے بجائے ایک چنٹ دار جامہ ہوتا ہے، ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں، ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینہ پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے، رقص میں آگے یا پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں سماع کے وقت دف اور نے بھی بجاتے ہیں لیکن سماع کی حالت نہیں دیکھی، علاوہ دیگر بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع میں ایک جگہ جم کر رقص نہیں کرتے بلکہ

علاوہ سوانح مولانا روم صفحہ ۲۰۰ میں مصنف نے جو حالات اپنے چشم دید بیان کئے ہیں بعینہ یہی الفاظ ان تمام کے بھی ہیں " لباسے خواص مخصوص در دیشان است و تاج نمدی بے درز بر سر گزارند و مشائخ ایشان عمامہ نیز بران تاج بہ بندند . . . . . در ہنگام سماع نے و دف میزنند . . . . . صفحہ ۹۷۸

Marfat.com

چکر لگاتے ہیں اور اس وقت میں جو کھلا پیرہن (یعنی فرجی) پہنتے ہیں اسے "تنور" کہتے ہیں۔

سلسلہ میں داخل ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس سلسلہ میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے ایک ہزار ایک یوم خدمت کرنا پڑتی ہے، چالیس دن چار پایوں کی خدمت کرتا ہے، چالیس دن فقرا کے دروازہ پر جھاڑو دیتا ہے، چالیس دن آبکشی کرتا ہے، چالیس دن فراشی، چالیس دن ہیزم کشی، چالیس دن طباخی، چالیس دن بازار سے سودا سلف لاتا ہے، چالیس دن فقرا کی مجلس کی خدمتگاری، چالیس دن داروغگی، جب یہ مدت پوری ہو چکتی ہے تو غسل دیا جاتا ہے۔ اور تمام محرمات سے توبہ کرا کر حلقہ میں داخل کر لیا جاتا ہے، اس کے ساتھ خانقاہ سے لباس ملتا ہے اور اسم جلالی کی تلقین کی جاتی ہے [1]

یہ کل (۳۶۰) دن ہوتے ہیں یعنی ایک سال اس طرح جسمانی خدمت کرنا پڑتی ہے، بقیہ ایام دوسرے ریاضات روحانی انجام دیتے ہوتے ہیں" زین العابدین نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ان خدمات میں سے اگر کسی خدمت میں ایک دن بھی نقص پڑ جاتا ہے تو اس خدمت کو پھر سے شروع کرنا پڑتا ہے۔

یہ سلسلہ اُس وقت تک جس شان سے جاری ہے اس کی نسبت زین العابدین کے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] دیباچہ مثنوی شریف نوشتہ زین العابدین ص ۹ سوانح مولانا روم ص ۲۹ لیکن سوانح میں ایک ہزار ایک یوم درج نہیں ہے۔

Marfat.com

"پوشیدہ نماند کہ سلسلۂ مولوی علیہ الرحمۃ در بلاد روم و شام و مصر و عرب و جزائر بحر روم و دیار روم ایلی و قرم و عراق عرب جاری و معمول است دور نزد خورد و کلاں و اعیان و دانا و نادان و حاجب و سلطان مقبول است۔"[1]

---

[1] دیباچہ مثنوی شریف نوشتہ زین العابدین ص ۸،

Marfat.com

ضمیمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"در بیان آنکہ حضرت والد مولانا قدس اللہ سرہٗ از زمانِ بلوغ همواره سه
روزه داشتے وچوں بعد از سه روز طعام خوردے آں را نیز استفراغ کردے
شب همه شب در نماز می بودے، بر سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تا آں زماں
کہ قطب الاقطاب مولانا شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ بوے رسید پیش از خدمتش
هرگز در سماع شروع نکردہ بود و آں تجلیها و مقامات کہ هیچ ولی را نبود در صورتِ نماز
و تقویٰ از حق بوے می رسید وچوں مولانا شمس الدینؒ را دید بنظر بصیرت کہ معشوق
سلطان اولیاست و بالائے او کس نیست عاشق و مرید او شد، هر چه او فرمودے آں
را غنیمت داشتے و از جان و دل مطیعِ او گشتے، پس اشارت و امرش کرد کہ در سماع

Marfat.com

در آکہ آنچہ می طلبی در سماع زیادہ خواہد شدن ۔ سماع بر خلق ازاں حرام شد کہ بہوا و نفس مشغولند، چوں سماع کنند آں حالت مذموم کردہ زیادہ می شود، پس سماع برچنیں قوم حرام آمد لیکن آنہا کہ عاشق و طالب حقند چوں سماع حالت شاں را کہ طلب حقست افزوں می کند لابد کہ برچنیں قوم حلال باشد پس استثال امر او کرد و در سماع در آمد ۔ حال خود را چناں دید کہ شیخ فرمودہ بود بعد ازاں باقی عمر ملازم سماع بود و آں را بطریق و آئین ساختہ بود، اکنوں مریدان نیز متابعتِ شیخ خود می کنند با میدآنکہ برکت آں متابعت مقصود حاصل شود چنانکہ امتان مصطفیٰ صلعم اگرچہ نماز را بداں کہ پیغمبر ما می کردند نمی توانند کردن لیکن از محبتے کہ دارند بہ پیغامبر آں صورت را نگاہ میدارند کہ خلق ایشان را از امت او دانند بدیں صورت نماز کہ می کنند، شاید کہ بیرکت آں معنی برسند کہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ پس یاراں نیز صورت سماع را کہ از شیخ خود دیدہ اند نگاہ میدارند، باشد کہ بیرکتِ آں متابعت بمقصود برسند ۔

پیشتر از وصل شمس الدین بجاں
بود در طاعات روزاں و شباں

سال دہ مہ پیوستہ آں شاہِ گزیں
بود مشغولِ علوم و زہد و دیں!

آں مقاماتش ازاں در زش رسید
با تقی و زہد و رہ را می برید

اندراں مظہر بدش جلوہ زحق
ہر دمے می بر دا ز حق نو سبق

چونکہ دعوت کرد او را شمس دیں
در سماعے کہ بداں پیشش گزیں

چوں در آمد در سماع از امرِ او
حالِ خود را دید صد چنداں زہو

Marfat.com

شد سماعش مذہب و راہ درست — از سماع اندر دلش صد باغ رست

ہم شدند اصحاب مشغولِ سماع — تا شد ایشاں را بر اں رہ اطلاع

ماند تا اکنوں بر اں سنت سماع — گشت یاراں را بہر جا اجتماع

جملگاں دیدند سودِ خود دریں — شد سماع و رقصِ شاں آئینِ دیں

از سماع آید بعاشق قوتِ جاں — زاں ہمی رقصند شاداں عاشقاں

عاشقاں را ہست رہبر دف و نے — می برد شاں پیش آں قیوم حے

غیر عاشق را اگر رہزن شود — واں کہ عاشق را بحق رہبر بود

.....

.....

نیست ایں را آخرے گردیم باز — سوئے قصہ شمس دینِ سرفراز

گشت غائب زیں جہان خاکداں — بے بدن اندر جہانِ جاوداں

شد انیسش بعد از و قطبِ دگر — کہ بدش از سرِ مولانا خبر

شد صلاح الدین ز بعدِ شمس دین — گشت اورا اندراں ورزش مہیں

حال و قالش از وجودش می فزود — سرہائے نادر از وے می شنود

بعد از و شد ہم حسام الدین ترک — آنکہ بود اندر بقا شاہِ سترگ

می شدند از ہمدگر دار تقا — یکدگر را سوئے آں سرِ رہنما

رتبت ایشاں نیاید در بیاں — زانکہ بود بحرِ ایشاں را کراں

ہر یکے اورا امام و قبلہ بود — بر مشائخ مدحِ ایشاں می فزود

دائما در مدح شاں مشغول بود — امرِ ایشاں پیش او مقبول بود

Marfat.com

. . . . . .

. . . . . .

همچنیں عشق شمس دیں را شیخ — روز و شب می نمود پیدا شیخ

برگزیدن مولانا قدسنا اللہ بسرہ العزیز بعد از شمس الدین تبریزی شیخ صلاح الدین زرکوب را عظم اللہ ذکرہما۔

در چنیں جوش یک مرید ازو — یافت قربت، سوار گشت نکو
چہ سوار و امیر بل شد شاہ — گشت حاکم بمنزل و بر راہ
رہرواں زو شدہ ببرگ و نوا — اہل منزل ازو ببردہ عطا
در وصالِ خدا قوی کامل — نظرش کردہ سنگ را قابل
قطب ہفت آسمان ہفت زمیں — لقبش بود شہ صلاح الدین
نور خور از رخش خجل گشتے — ہر کہ دیدیش ز اہلِ دل گشتے
چوں درا دید شیخ صاحب حال — برگزیدش ز زمرۂ ابدال
رو بدو کرد و جملہ را بگذاشت — غیر او را خطا و سہو انگاشت
گفت آں شمس دیں کہ می گفتیم — باز آمد بما چرا خفتیم
او بدل کرد جامہ را و آمد — تا نماید جمال و بخرامد

. . . . . .

نیست ایں را کرانہ اے دانا — شرح کن تا چہ گفت مولانا
گفت از روے مہر با یاراں — نیست پروائے کس مرا بجہاں

Marfat.com

من ندارم سر شما بہ دید — از برم با صلاح دیں گردید
سر شیخی چو نیست در سر من — نبود ہیچ مرغ ہمپر من
خود بخود من خوشم نخواہم کس — پیش من زحمت است کس چو مگس
بعد ازیں جملہ سوئے او پویند — ہمہ از جاں وصالِ او جویند

تا چو او جملہ راہ راست روید — بہ ز گندم شوید، اگرچہ جوید
گندم چہ کند شوید گر — گرچہ کوبید از و برید نظر
زانکہ دارد بخلق او میلان — جلوہا میکند گہ جولان!

. . . . . .

ایں چنیں سد شد است طالب شاں — لیک حرص و ہوا ست غالب شاں
ہست حرص و ہوا حجاب خدا — ترک حرص و ہوا کنید چو ما
بنگرید اندراں جمال لطیف — گر نہ آید از ضلال و کفر کثیف

. . . . . .

پس ولد را بخواند مولانا — گفت در باب چون تو ئی دانا
سر نہاد و سوال کرد از و — چیست مقصود ازیں بہ بندہ گو

Marfat.com

گفت بنگر رخِ صلاح الدینؒ — کہ چہ ذاتست آں شہِ حق بیں
مقتدائے جہان جانست او — ملک ملک لامکانست او
گفتم آرے ولیک چوں تو کسے — بیند او را نہ ہر حقیر و خسے
گفت با من کہ شمس دینؒ اینست — آں شہِ بے براق و زیں اینست
گفتمش من ہماں ہمی بینم — غیر آں بحرِ جاں نمی بینم
زدل و جاں کمیں غلامِ دیم — مست و بیخویشتن زجام دیم
ہر چہ فرمایم کنم من آں — ہستم از جاں غلامت ای سلطاں
گفت ازیں پس صلاح دینؒ را گیر — آں شہنشاہ راستیں را گیر
نظرش کیمیاست بر تو فتد — رحمتِ کبریاست بر تو فتد

. . . . . .

گفتمش من قبول کردم ایں — کہ شوم بندۂ صلاح دینؒ
بکشم خاک پاش در دیدہ — تا ازاں نور حق شود دیدہ
رو نہادم بوے بصدق و نیاز — بندۂ او شدم بعشق و نیاز
کرد بر من نظر چو دیدہ مرا — ہستم او را غلام در دو سرا

. . . . . .

جان من بود قطرہ دریا شد — دلم از پست سوئے بالا شد
فکرہا در زماں مصور گشت — روح صافی بشکلِ پیکر گشت

. . . . . .

بازگردم بشہ صلاح الدینؒ — سرور اولیا و قطبِ زمیں

Marfat.com

دربیان آرام گرفتن حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ با شیخ صلاح الدینؒ
زرکوب قدس اللہ سرہٗ واز طلب شمس الدینؒ تبریزی عظم اللہ ذکرہ باز
آمدن وفوائد پرمواید بروں مریداں از صحبت ہر دو وحسودی بعضے
چنانکہ درحق مولانا شمس الدینؒ داشتند دشمنی آغاز کردن

شورش شیخ گشت ازو ساکن — واں ہمہ رنج وگفت وگو ساکن
زانکہ بدنوع دیگر ارشادش — بیشتر بود از ہمہ دادش
انچہ از اولیا بنردے کس — سالہا می رسید از دبنفس
بے لب وکام سرّہا گفتے — درّ جاں بے زباں ہمی سفتے
خلق را فائدہ رسانیدے — گوش ازاں حرف وصوت نشنیدے

.....

(چنانکہ) شیخ با او چنانکِ با آں شاہ — شمس حقؒ تبریز خاص خاص الٰہ
خوش درآمیخت ہمچو شیر وشکر — کار ہر دو زہمد گر شد زر
نظرِ شیخؒ جملہ بردے بود — غیر اد نزد شیخ لاشے بود
نہ نشستے بہیچ کس جز او — چشم را برنداشتے زن رو
باز در منکراں غریو افتاد — باز در ہم شدند اہل فساد
(زانکہ) باز آغاز کرد جوشش حسد — زانک بودند غرقِ نفس وجسد
گفتہ باہم کز آں یکے رستیم — چوں نگومی کنیم درشستیم
اینکہ آمد زاولیں برست — اولیں نور بود ایں شر راست

Marfat.com

داشت او هم بیان و هم تقریر — فضل و علم و عبارت و تحریر
بیش ازیں خود نبود کاں شہ را — بود از و بیشتر بعلم و صفا
حیف می آمد و غبن کہ چرا — چو بد آں شیخ را بیش کمتر را
کاش کاں اولین بودے باز — شیخ ما را رفیق و ہم دمساز
بنداز قونیہ بد از تبریز — بود جاں پرور و نبد خوں ریز
ہمہ ایں مر ورا ہمی دانیم — ہمہ ہر شہر یم و ہم خوانیم
خرد در پیش ما بزرگ شدست — او ہمانست اگر سترگ شدست
نہ ورا خط و علم دنے گفتار — بر ما خود نداشت او مقدار
علمئے محض و سادۂ و نادلں — پیش او نیک و بد بدہ یکساں
دائما در دکاں بدے زرکوب — ہمہ ہمسائیگاں از و در کوب
نتواند درست فاتحہ خواند — گر کند زو کسے سوالے ماند
با چنیں کس کہ عالمست از حق — دم بدم می دہد خدا ش سبق
با چنیں کس کہ چشمۂ نور است — خیرہ بر دش جنت حور است

.....

دل مردہ ز نورِ او زندہ — گشتہ او شاہ ہر کمیں بندہ
آں کسانیکہ منکراں بودند — کور و کر چوں کہ گراں بودند
گفتہ صد چیز کاں نمی باید — کردہ صد کارکاں نمی شاید
خاص خاص خدائے را عالی — خواندہ آں قوم جاہل از خامی
خوار دیدہ عزیز یزداں را — آب و گل گفتہ آں دل و جاں را

Marfat.com

از خود او را بنقص کرده نظر — جان جاں را شمرده چوں پیکر
دیده او را چو خویش غرقۂ شر — ملکے را نہادہ نام بشر
گفتہ بسیار زے وقاف از کیں — بے ادب پیش و پس چناں و چنیں
زابلہی از چنیں گزیں سلطاں — گشتہ سرکش چو از خدا شیطاں
معدنِ علم را ز غایتِ جہل — خواندہ نا اہل ہر خر نا اہل
ایں ندانستہ آں خسانِ پلید — کہ حجاب رہست گفت و شنید

. . . . . .

زیں نمط فحشہائے زست و درشت — گاہ گفتہ بروش گہ پس پشت
جملہ را رائے ایں چنیں افتاد — کہ چو زاسپ مراد زیں افتاد
سر نبازیم و زندہ اش نہلیم — چوں ازو جاں فگار و خستہ دلیم
ہمہ گشتند جمع در جائے — کہ جزیں نیستماں گزیں رائے
کہ ورا از میانہ برگیریم — عشق آں شاہ را ز سر گیریم
ہمہ سوگندہا بخوردہ کزیں — ہر کہ گردد، یقیں بود بیدیں
یک مریدے برسم طنّازی — شد ازیشاں و کرد غمّازی
او ہماں لحظہ نزد مولاناؒ — آمد و گفت آں حکایت را
کہ ہمہ جمع قصدِ آں دارند — کہ فلاں را زنند و آزارند
بعد زجرش کشند از سر کیں — زیر خاکش نہاں کنند و دفیں
پس رسید ایں بشہ صلاحؒ دیں — نور چشم و چراغ ہر رہ بیں
خوش بخندید و گفت آں کوراں — کہ ز گمراہیند بے ایماں

Marfat.com

نیستند ایں قدر ز حق آگاہ — کہ بجز ز امر و نجنبند کاہ
چوں کسے ز امرِ او ہمی جنبد — کوہ بے امرِ او کجا جنبد
چوں تواند کسے مرا کشتن — یا بخاک و بخوں درآغشتن

. . . . . .

رحمت مخصم درنہ من بنفس — نہلم زندہ در جہاں یک کس
کردِ من کردِ کردگار بود — ایں چنیں کس چگونہ خوار بود
می برنجند ازیں کہ مولانا — کرد مخصوصم از ہمہ تنہا
عاشقِ او بر جمالِ خوب خود است — بر دگر کس گماں مبر کہ بدست

. . . . . .

. . . . . .

بازرجوع کردن بقصہ شیخ صلاح الدین عظم اللہ ذکرہٗ و شنیدن او عداوت منکراں راو فرمودن کہ ایشاں ابلہند و جاہل من کہ در خیر ایشاں می کوشم و در حق ایشاں سعادت ابدی میخواہم بایستے کہ جاں فدا کردندے بشکرانۂ آں خود عداوت می نمایند و سلم۔

گفت من نیک خواہ ایشانم — مہرباں با ہمہ چو خویشانم
ایں سزائے من است و کردارم — عوضِ گل خلند چوں خارم
ولے بر قوم اگر کنم نفریں — ہمہ را مال و سر رود ہم دیں
راستیں شیخ ہمچو سیر باشد — غیر او قالبِ بشر باشد

. . . . . .

Marfat.com

خشمگیں شد ازاں گروہِ لئیم — گشت واقف زرازِ شیخِ علیم
ہر دو با ہم ز قوم گر دیدند — صحبت جملہ را چو گر دیدند
رہ ندانند دیگر ایشاں را — آں لئیمانِ کور بے جاں را
مدتے چوں بریں حدیث گذشت — جملہ را خشک کشت روضہ و کشت
مدد از حق بدد بریدہ شد آں — لاجرم برنرست در بستاں
ہمہ گشتند سرد ازاں گرمی — روئے شاں سخت شد ز بیشرمی
معرفت شاں نماند و بستہ شدند — ہمگاں دل فگار و خستہ شدند
روز شاں گشت ہمچو شب تاریک — گردنِ جملہ شد ز غم باریک
روزہا شیخ را نمی دیدند — ہمہ شب خوابِ بد ہمی دیدند
آخر کار جملہ دانستند — ہمچو ماتم زدہ بہر شستند
ہر یکے دست خود ہمی خائید — از دلش غصہ ہا ہمی زائید
گفتہ با ہم اگر چنیں ماند — چہ شود حالِ ما خداداند
پیش از انکہ ردیم جملہ ز دست — چارہ سازیم تا رہیم از شست
سوئے ایشاں ردیم توبہ کناں — وصل جوئیم تا رود ہجراں
ہمہ جمع آمدند بر درِ او — می نہادند بر زمیں سر رو

. . . . . .

در بیان آنکہ چوں مولانا و شیخ صلاح الدین قدسنا اللہ بسرہما العزیز از مریدان منکر روے گردانیدند ایشاں زیانہائے آنرا در خود مشاہدہ کردند دیدند کہ کلی محروم خواہند شدن، بر در ایشاں بفغاں آمدند

Marfat.com

و توبہ و استغفار پیش آوردند۔

گفتہ از صدق ما غلا ما نیم　　شاہِ خود را بعشق جویا نیم
عاشقانیم سوے دوست دویم　　آنِ اویم پس بر کہ رویم
لابہا کردہ زیں نسق شب و روز　　باد دیدہ پُر آب از سرِ سوز
گریۂ راز شاں چو رفت از حد　　بانگ و افغان شاں گذشت از حد

. . . . . .

چو شنیدند ہر دو زاری را　　ساز کردند چنگ یاری را
در کشادند و راہ شاں دادند　　قفلہائے بستہ بکشادند
توبہا شاں قبول شد آندم　　شاد گشتند و رفت از ایشاں غم

. . . . . .

سر آں رشتہ را کہ گم شدہ بود　　یافتند و زیاں شاں شد سود
بندۂ شہ صلاح دیں گشتند　　باز عشق و را رہیں گشتند ا
شیخ شد باز از ہمہ خوشنود　　باز از نو گناہِ شاں بخشود
داد شاں از کرم عطائے نو　　از رخ خوب خود لقائے نو
عمر دہ روز شاں ہزاراں شد　　بلکہ خود بے شمار و پایاں شد
کفر شاں را زلطف کرد ایماں　　جان جملہ رسید در جاناں

. . . . . .

در بیان آنکہ چنانکہ موسیٰؑ با قوت نبوت و عظمت رسالت جویائے
خضر گشتہ بود مولانا قدس سرہ العزیز نیز باوجود چندیں فضائل

Marfat.com

وخصائل ومقامات وکرامات وانوار واسرار کہ در دور دطور خود بے نظیر بود ومثل نداشت طالب شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ گشتہ بود۔

غرضم از کلیم مولاناست — آنکہ او بے نظیر وبے ہمتاست
آنکہ او چوں نبود کس بجہاں — آنکہ بود از جہاں ہمیشہ جہاں
نسبتِ او با ولیائے کرام — بودہ ہمچوں خواص را بعوام

.....

با چنیں عزّ و قدر و فضل و کمال — دائما بود طالبِ ابدال
طالب آخر رسد بہ مطلوبش — گر بود راست عشق محبوبش
زانکہ جوینداست یابندہ — خنک آنکس کہ شد ورا بندہ
خضرش بود شمسِ تبریزی — آنکہ با او اگر در آمیزی
ہیچکس را بیک جوے نخری — پردہ ہائے ظلام را بدری
آنکہ از مخفیاں نہاں بوداد — خسرو جملہ واصلاں بوداد

.....

غیرت حق ورا نہاں میداشت — دور از وہم و از گماں میداشت
نزد یزداں چو بود مولانا — از ہمہ خاص تر بصدق وصفا
گشت راضی کہ روئے بنماید — خاص با او بران نیفزاید

.....

بعد ازیں انتظار درویش دید — ہم شنید آنچ کس ز کس نشنید

Marfat.com

چوں کشید از نیاز بوے ورا — بے حجابے بدید روے ورا
شد برو عاشق و برفت از دست — گشت پیشش یکے بلندی و پست
دعوتش کرد سوے خانۂ خویش — گفت بشنو شہا ازیں درویش
خانہ ام اگرچہ نیست لائقِ تو — لیک ہستم بصدق عاشقِ تو
بندہ را ہرچہ ہست ہرچہ بود — بے گماں جملہ آں خواجہ بود
پس ازیں روئے خانہ خانۂ تست — بوثاقت ہمی روی تو درست
بعد ازاں ہر دو خوش روانہ شدند — شاد و خنداں بسوئے خانہ شدند
یک زمانہ بہم ہمی بودند — مدتے یک دو سال آسودند
غیرت حق درآمد و ناگاہ — فجفج افتاد در ہمہ افواہ
در شناعت درآمدند ہمہ — آں مریدانِ بے خبر چو رمہ
گفتہ باہم کہ شیخ ما زچہ رو — پشت بر ما کند زبہر چو او
ما ہمہ نامدار زاصل و نسب — از صغر در صلاح و طالب
بندۂ صادقیم در رہ شیخ — ما ہمہ عاشقیم در رہِ شیخ
جملہ دیدہ از و کرامتہا — دیدہ ہر یک در و علامتہا
شدہ ما را یقیں کہ مظہر حق — اوست بیشک وزو بریم سبق

. . . . . .

ہمہ چوں باز صیدہا کردیم — صیدہا را بشاہ آوردیم
خلق عالم ہمہ مرید شدند — گرچہ زیں پیشتر مرید شدند
شد ز ما شیخ در جہاں مشہور — دوستش شاد و دشمنش مقہور

Marfat.com

چہ کس است اینکہ شیخ ما را داد — بر داز ما جو یک کہے را جو
ایں چہ جولیست کاں چناں کُرا — ہمچو کاہے ربود و بر داز جا
کرد او را نہ جملہ خلق نہاں — می نیابد کسے ز جاش نشاں
روے او را دگر نمی بینیم — ہمچو اول برش نمی شینیم
ساحر است ایں مگر بسحر و فسوں — کرد بر خویش شیخ را مفتوں
ورنہ خود کیست او در و ے چیست — با چنیں مکرمی تواند زیست
کمترینے ز ما ست بہتر ازو — در سرش اینکہ نیست مہتر ازو
نے ورا اصل و نے نسب پیدا ست — می ندانیم ہم کہ او ز کجا ست
اے دریغا چہ چشم زخمت ایں — کہ از و شد خراب این آئیں
ہمہ خلقاں ز وعظ شد خرم — طالع سعد ما ازو شد شوم
ہمہ گشتہ بخونِ او تشنہ — ساختہ بہر کشتنش رخنہ
گاہ گاہیش چوں بدیدندے — تیغ بر روے او کشیدندے
فحشہا پیش و پس بگفتندے — ہمہ شب از غمش نخفتندے
ہمہ از فکر ایں کہ کے از شہر — رود او یا فنا شود از قہر
ہمچنیں غلغلہ ہمی کردند ! — خون خود را ز غصہ می خوردند

. . . . . .

ہمہ گفتہ کنیم از دل و جاں — خان و مان را فدائے آن سلطاں
ہمہ او را بصدق بندہ شویم — در رکابش بفرق سر بدویم
رنجہ کن ایں طرف قدم را باز — چند روزے بیاد با ما ساز

Marfat.com

آں مکن تو بما کہ ما کردیم — زانکِ تو سرمۂ و ما گردیم
چوں تو لطفی و ما یقیں ہمہ قہر — کے دہد چاشنی شکر زہر
آنچ از ما سزید اگر کردیم — ہمچو خارہ خلندہ سر کردیم
تو چو گلشن بیا و وصل نما — ہمچو ماہ ز ابر ہجر باز برآ
ہمچنیں زیں نسق بوے می گو — دلِ او را بلا بہا می جو
باشد ایں گر بود مرا آں بخت — نرم گردد، نگیرد ایں را سخت
دہدم باز وصل از سرِ لطف — بہلد ہجر و بگذرد از عنف
پس ولد سر نہاد والد را — شکر کرد او خدائے واحد را
گفت رفتم کہ آرم آں شہ را — آں حبیب و محب اللہ را
گشت از جاں روان بسودائے مشق — راہ را می برید از سرِ عشق
بے تعب می دوید در صحرا — کم ز گہ می شمرد ہر کُہ را
خار آں رہ برو چو گلشن بود — برد از ہر زیاں ہزاراں سود
نار گرما و سختیٔ سرما — می نمودش چو قند و چوں خرما

. . . . . .

. . . . . .

چوں رسید او بنزد شمس الدیں — آں شہِ اولیائے با تمکیں
بر زمیں سر نہاد و ہمچو ملک — گفتش اے شہ غلام تست فلک
بعد ازاں نشست با حضور و ادب — از سرِ لطف شہ کشاد دو لب
در سخن آمد و دُرر بارید — در دل و سینہ عشقِ تو کارید

Marfat.com

سر سر حدیث و قرآں گفت　　کرد پیدا سرے کہ بود نہفت

. . . . . .

چوں شنید از دلِ رسالت را　　خوش پذیرفت آں مقالت را

باز گشت از دمشق جانبِ روم　　تا رسد در امام خود مأموم

شد دلدار رکاب او پویاں　　نہ از ضرورت دے ز صدق جاں

شاہ گفتش کہ شو تو نیز سوار　　بر فلاں اسپ خنگ خوش رفتار

دلدش گفت اے شہ شاہاں　　با تو کردن برابری نتواں

چوں بود شہ سوار و بندہ سوار　　نبود ایں روا مگر زنہار

بسواری تو ئی شہا لائق　　کہ تو معشوقی و منم عاشق

تو یقیں و احد و من بندہ　　ملک جانی و از تو م زندہ

واجبست ایں کہ من پیادہ روم　　در رکابت بفرق سر بدوم

یک مہ بیش راہ رفت بپا　　بے سکوں گہ نشیب و گہ بالا

نیت بد کہ بود ایشاں را　　آں گروہ کژ پریشاں را

آں بلا باز گشت بر سرِ شاں　　زانکہ آں قہر بود در خورِ شاں

. . . . . .

. . . . . .

باز گردیم ازیں حدیثِ دراز　　قصۂ شمس دیں کنیم آغاز

چوں غلو شاں بروز حد بگذشت　　دسیسشاں ز حد و عد بگذشت

شمس تبریز رفت سوئے دمشق　　تا شود پر دمشق و شام ز عشق

Marfat.com

وا رہید از چنیں خسانِ مرید — جان خود را از مکرِ شان بخرید
پس خدا را گذارد شکر از جاں — کہ رہید از گروہِ بے ایماں
چوں حزیں شد ز ہجرِ مولانا — گشت معرض ز جملہ آں دانا
دوستی را از اں نفر ببرید — مرغ مہرش ز لانہ شاں بپرید
چونکہ آں رائے شاں نیامد راست — عکس شد آنچ ہر یکے می خواست
گفتہ بود خدا اگر رود زیں جا — ماند آں شاہِ ما بما تنہا!
ہمچو ادل از دعطا ببرتم — بے لب و کام قند ہاش خوریم
باز دیگر ز پند ہائے خوشش — بجہیم از جہان و تیغ زشش
زیں قفص باز ہمچو مرغ پریم — پر دہا را بخونِ او بدریم
نشد این و آں قدر کہ بود نماند — زاں دل باخت تار و پود نماند
ہمہ گریاں بتو بہ گفتہ کہ وائے — عفو ماں کن ازیں گناہ خدائے
قدر اداز عمے ندانستیم — کہ بدآں پیشوا ندانستیم
طفل رہ بودہ ایم خردہ مگیر — یارب انداز در دلِ آں پیر
کہ کند جرمہائے ما را او — عفو کلی کزیں شدیم دد تو

چونکہ انچہ

.....

آں گروہے کہ بود شاں غفلت — کردہ بودند از سفہ جرأت
پیش شیخ آمدند لابہ کناں — کہ ببخشا کمن دگر ہجراں
توبہا می کنیم رحمت کن — گرد گرد ایں کنیم لعنت کن
توبۂ ما بکن ز لطف قبول — گرچہ کردیم جرمہا ز فضول

Marfat.com

بارہا گفتہ اینچنیں بہ فغاں — ماہ ہا زیں نسخ بروز و شباں

چونکہ — شیخ شاں چونکہ دید از ایشاں ایں — راہ شاں داد و رفت از و آں کیں

در بیان فرستادن مولانا قدسنا اللہ بسرہ العزیز ولد را برسالت سوئے دمشق بطلب شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ۔

بود شہ را عنایتے بولدؒ — در نہاں اندروں بروں از حد

خواند او را و گفت رو تو رسول — از برم پیش آں شہِ مقبول

ببر ایں سیم را بپایش ریز — گویش از من کہ اے شہ تبریز

زانچہ — آں مریداں کہ جرمہا کردند — زانچ کردند جملہ وا خوردند

زانکہ — گرچہ رہ صعب بود سہل نمود — زانکِ آں رنج قفل گنج کشود

در رہ از وے ہزار سر بشنید — صد جہاں از ورائے چرخ بدید

ہیچکس بر انگشت آں مقدور — می شد از ہر عطا ز نو مسرور

چوں رسیدند پیش مولانا رح — نوش شد جملہ نیشِ مولانا رح

در سجود آمدند ہر دو شہاں — چوں شود تن بگو ز دیدنِ جاں

.....

یکدگر را گرفتہ خوش بکنار — بوسہا را نبودہ ہیچ کنار

واں جماعت کہ مجرماں بودند — منکر قطبِ آسماں بودند

جملہ شاں جانفشاں بہ استغفار — سر نہادند کے خدیو کبار

توبہ کاریم از آنچ ما کردیم! — از سر صدق روے آوردیم

ہر یکے بر درش شدہ ساجد — اشک ریزاں ز عشق او واجد

Marfat.com

کرد شان شہ قبول چوں دید ایں — دادشاں از نوازشش تمکیں
بعد ازاں جملہ از وضیع و شریف — حلقہ شستند گرد شاہِ لطیف
پہلوے شہ نشستہ مولانا — چون دو خور کہ زنند سر زسما
شمس تبریز در سخن آمد — زندہ شد آنک فہم کن آمد
ہر یکے زاں سخن بقدرش رسید — ہر یکے از خودی تمام برید
بعد ازاں ہر یکے سمائے داد — ہر یکے خوانِ معتبر بنہاد
ہر یکے قدر وسع طاقتِ خویش — از امیر و توانگر و درویش
بخشش آورد و میہمانی کرد — تا شود یار مہربانی کرد
مدتے آنچنیں گزشت زماں — در حضور شہان ہر دو جہاں
ہمہ چوں جام و آں دو شہ چوں راح — ہمہ چوں لیل و آں دو شہ چو صباح
آں دو شہ چوں بہار و ایشاں دشت — ہمہ را تازہ گشتہ زا یشاں کشت

. . . . . .

بازگستاخی و حسد کردن مریدان بعد از انک توبہ و استغفار کردہ بودند

بازشیطاں بصورتے دیگر — زد در ایشاں کدورتے دیگر

. . . . . .

بازگشتند ہمچو اول بار — مئے و مستی گذشت و ماند خمار
روشنی شد بدل بتاریکی — صحتِ تن برنج باریکی

Marfat.com

. . . . . .

باز چوں شمسِ دیں بدانست ایں — کہ شدند آں گروہ پُر از کیں

آں محبت برفت از دلشاں — باز دل شد زبون آں کلشاں

عقل شاں شد اسیر نفس و ہوا — مومناں گشتہ از ہوا ترسا

نفسہائے خبیث جوشیدند — باز در قلعِ شاہ کوشیدند

گفت شہ باولد کہ دیدی باز — چوں شدند از شقا ہمہ دمساز

کہ مرا از حضور مولانا رح — کہ چو او نیست ہادی و دانا

فگندم جدا و دور کنند — بعد من جملگاں سر زر کنند

خواہم ایں بار آنچناں رفتن — کہ نداند کسے کجا ام من

ہمہ گردند در طلب عاجز — ندہد کس ز من نشاں ہرگز

سالہا بگذرد چنیں بسیار — کس نیابد ز گرد من آثار

چوں کشانم دراز گو بندایں — کہ ورا دشمنے بکشت یقیں

چند بار ایں سخن مکرر کرد — بہر تاکید را مقرر کرد

ناگہاں گم شد از میانِ ہمہ — تا رود از دل اندہان ہمہ

یک دو روز او چو گشت ناپیدا — کرد افغاں ز درد مولانا

بعد ازاں چوں بجد وراجتند — سوئے ہر کوئے ہر سراجتند

ہیچ از وے کسے نداد خبر — نہ بکس بوریید از و نہ اثر

شیخ گشت از فراقِ او مجنوں — بے سر و پا ز عشق چوں ذوالنون

شیخ مفتی ز عشق شاعر شد — گشت خمّار اگرچہ زاہد بُد

Marfat.com

نہ زخمے کہ آں بود زانگور　　جان نورے نخورد جزے؟

.....

استغراق مولانا قدس اللہ بسرہ العزیز در عشقِ شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ و بے قراری و شور و جوش نمودن از آنچ اول داشت۔

روز و شب در سماع رقصاں شد　　بر زمیں ہمچو چرخ گرداں شد

بانگ و افغانِ او بعرش رسید　　نالہ اش را بزرگ خرد شنید

سیم و زر را بہ مطرباں میداد　　ہر چہ بودش ز خان و مان میداد

یکزماں بے سماع و رقص نبود　　روز و شب لحظہ نمی آسود

تا حدے کہ نماند قوالے　　کو ز گفتن نگشت چوں لالے

ہمہ شاں را گلو گرفت از بانگ　　جملہ بیزار گشتہ از زر و دانگ

غلغلہ اوفتاد اندر شہر..!　　شہر چہ بلکہ در زمانہ و دہر

کیں چنیں قطب و مفتیِ اسلام　　کو ست اندر دو کون شیخ و امام

شورہائے کند چو شیدا او　　گاہ پنہاں و گہ ہویدا او

خلق از وے ز شرع و دیں گشتند　　ہمگاں عشق را رہیں گشتند

عاشقی شد طریق و مذہب شاں　　غیر عشقست پیش شاں ندیان

کفر و اسلام نیست در رہِ شاں　　شمس تبریز شد شہنشہ شاں

Marfat.com

کار شاں مستیست و بیخویشی — ملتِ عشق ہست بے کیشی
گفتہ منکر ز غایتِ انکار — نیست بر وفق شرع و دیں ایں کار
جان دیں را شمردہ کفر آں دوں — عقل کل را نہادہ نام جنوں

با چناں مستی و چناں جوشش — با چناں عشق و با چناں کوشش
کرد آہنگ و رفت جانب شام — در پیش شد روانہ بختہ و خام
چوں رسید اندراں سفر بدمشق — خلق را سوخت او ز آتش عشق

شامیاں ہم شدند والہ او — کیں چنیں فاضلے پیمبر خو
از چہ گشتست عاشق و مجنوں — کندرو مدرجست صد ذوالنوں

شمس تبریز خود چہ شخص بود — تا پیش اینچنیں یگانہ ردود
اے عجب شیخ از و چہ می جوید — کہ پیش ہر طرف ہمی پوید
ایں چہ سر است اے خدا بنما — بے حجابے بما چو خور پیدا
خود ندانستہ ایں کہ فرقے نیست — جز بخود با کسیش شوقے نیست
اندرو خویش را ہمی بیند — غیر را عقل ہیچ نگزیند

در بیان آنک اگرچہ مولانا قدسنا اللہ بسرہ العزیز شمس الدین تبریزی را

Marfat.com

عظم اللہ ذکرہٗ بصورت در دمشق نیافت معنی در خود بیافت زیرا آں حال
کہ شمس الدینؒ را بود حضرتش را ہماں حاصل شد واللہ اعلم

شمس تبریزؒ را بشام ندید — در خودش دید ہمچو ماہ پدید
گفت اگرچہ بتن ازو دوریم — بے تن در روح ہر دو یک نوریم
خواہ او را ببیں و خواہ مرا — من ویم او من است در دو سرا

جنبشِ من ہمہ زجنبشِ اوست — ہیچ بے او مرا نہ پشت نہ دست
پس زمن دائما تو او را بیں — در بد و نیک در خشونت دلیں
او چو خورشید و من چو یک ذرّہ — او چو دریا و من چو یک قطرہ
ترے قطرہ نے کہ از دریاست — ہستیٔ ذرّہ نے زشمس ست
مدح خود کردم ازیں رو نیست — کہ خم پر ز آب آں جو نیست
پس ہمہ مدح اوست در تحقیق — اصل را گیر و بگذار از تفریق
کرد رجعت بردم و باز آمد — رفت چوں کبک و ہمچو باز آمد

چند سالے نسست و باز زعشق — رفت با جمع خلق سوئے دمشق
باز آنجا فگند صد غوغا — جملہ گفتے زہے عجب سودا
مدتے کرد شورہائے عجب — گفتہ خلقاں کہ چیست ایں یا رب
ما چنیں عشق و شور نشنیدیم — نہ چنیں شوق در کسے دیدیم
ما مہا در دمشق ساکن شد — عاشقے کے زعشق ساکن شد

Marfat.com

روز و شب یکدمش قرار نبود　　بے قدح خمر عشق می پیمود

قونیہ میں آمد

آمدن مولانا قدسنا اللہ بسرہ العزیز دوم بار از دمشق بقونیہ از طلب شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہٗ۔

بعد ازاں بازگشت جانب روم　　تا زند بر جبیں شیر رقوم
سر زد از چرخ روح آں خورشید　　تا سہا را کند بہ از ناہید
گفت چوں من دیم، چہ می جویم　　عین ادیم کنوں ز خود گویم
وصفِ حسنش کہ می فزود دمن　　خود ہماں حسن لطف بود من
خویش را بودہ ام یقیں جویاں　　ہمچو شیرہ درون خم جوشاں

شروع کردن بشرح صحبت مولانا و شیخ صلاح الدین قدسنا اللہ بسرہما کہ نائب و خلیفہ مولانا بود و یاراں از وجود ہر دو مدت دہ سال مستفید می شدند بے زحمتے و تشویشے چوں شیر و شکر بہم آمیختہ و در بیان رنجور شدن شیخ صلاح الدین عظم اللہ ذکرہٗ بعد دہ سال و رنجش دراز کشیدن و از حضرت مولانا قدسنا اللہ بسرہٗ درخواست کردن کہ مراد دستوری فرما تا نقل کنم و قبول یافتن التماس از حضرت مولانا و سہ روز بعیادتش نا رفتن و معلوم شدن او را کہ وقت نقل است و نقل فرمودن بصفائے تمام و پیوستن بمقصود بے حجاب

Marfat.com

وپردہ کے المومنون لا یموتون بل ینقلون من
دار الی دار

شیخ با او چو درد و تن یک جاں بود آسودہ و خوش و شاداں
مست از ہمہ گر شدہ دہ سال داشتہ بے خمار ہجر و وصال
جمع یاراں بگردشاں زدہ صف آں دو چوں بحر و باقیاں چوں کف

ناگہاں شد صلاح دیں رنجور گشت از صحتِ بدن مہجور
رنج جسمش کشید سخت دراز دم بدم نیست می شد او ز گداز

چونکہ رنجوریش دراز کشید نالہ و کربتش بچرخ رسید چونکہ
گفت با شیخ کاے شہ قادر ایں لباس وجود را بردر
تا رہم زیں عنا شوم آزاد بروم آنطرف خوش و دلشاد

کرد از وے قبول و گفت رواست از سر بالشش سبک برخاست
شد روانہ بسوے خانۂ خویش گشت مشغول مرہم آں ریش
چوں دو سہ روز با عیادتِ او نامدو کرد رو بحضرتِ ہو
گشت برشہ صلاح دیں روشن گفت جاں می شود جدا از تن
شد یقیں رفتنم ز دار فنا سوئے بے سوئے در جہان بقا
اینکہ نامد اشارتست کہ رو اہلِ دل را بشارتست کہ رو

Marfat.com

رایتِ عزم آنجہاں افراخت — سوئے ارواح بے فرس در تافت
کرد چشماں فراز و رفت بناز — ناز نازاں بصد ہزار اعزاز
تا کہ از نو جہاں جاں را باز — بدہد حسن و زیب و فر و طراز

شیخ فرمود در جنازۂ من — دہل آرید و کوس با دف زن
سوے گورم برید رقص کناں — خوش و شاداں و مست دوست افشاں
تا بدانند کاولیائے خدا — شاد و خنداں روند سوئے لقا

ہمہ از جان و دل وصیت را — بشنیدند بے ریا بصفا
ہمہ شہر آمدند جامہ دراں — بجنازہ اش بصد ہزار افغاں

جسم پاک ورا جو اندر خاک — بنہادند رفت پاک بپاک

در بیاں آنک چوں شیخ صلاح الدین زرکوب قدس اللہ سرہٗ رحلت کرد خلافت بچلپی حسام الدینؒ ابن اخی ترک رسد۔

بود راضی وے از حسام الدینؒ — دادہ بودش ہزار گنج گزیں
مرشد جملہ بود مولاناؒ — آں خدیو یگانۂ در دو سرا
رتبتت ہر یکے برو روشن — گشتہ ہمچوں میان روح و بدن
گفت چوں خور برفت واں شب زاغ — عوض آمد رسید وقتِ چراغ

Marfat.com

آں یکے یار گفت مولانا ؒ — زیں سہ نائب کدام بود اعلیٰ
گفتش اندر جواب کے ہمراہ — شمسؒ چوں مہر بد صلاحؒ چو ماہ
چوں ستارہ ست شہ حسامؒ الحق — زانکہ گشتست با ملک ملحق
ہمہ را یک سناش چونک ترا — می رسانند ہر یکے بخدا
دامنِ ہر یکے کہ گیری تو — زندہ گردی دگر نمیری تو
چونک رفت از جہاں صلاحؒ الدین — شیخ گفت اے حسامؒ حق آئیں
بعد ازیں نائب و خلیفہ توئی — زانکہ اندر میانہ نیست دوئی
شیخ ایں را بجائے آں بنشاند — بر سرش نور ہا نثار افشاند
گفت اصحاب را کہ سر بنہید — پیش او عاجزانہ بر بنہید
ہمہ امرش ز دل بجا آرید — مہر او را درونِ جاں کارید

جملہ را واجبست از دل و جاں — کہ غلامش شوند در دو جہاں
ہمہ یاراں مطیعِ او گشتند — آبِ لطف و را سبو گشتند
ہر یکے زخم خوردہ بود اول — شدہ نادم ازاں خطا و زلل
گشتہ بودند با ادب جملہ — زاں نکردند ہم بریں حملہ
خوردہ بودند زخمہا زانکار — ہمہ کردند ازاں خطر احراز
زاولیں ضربتِ قوی خوردند — در دوم فتنہ کمتر کردند
در سوم نرم و با ادب گشتند — بے حسد رام مرد رب گشتند
کس ازاں قوم سرکشی ننمود — ہر یکے امر را ز جاں بشنود

Marfat.com

سالہا شاد ماں بہم بودند　　کامراں جملہ بے ستم بودند

در بیان مصاحبت کردن چلپی حسام الدین قدس اللہ مدت دہ سال تنگا تنگ با حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ بروجہ و یاراں و اصحاب از حضرت ہر دو بے حسدے مستفید شدن و بعد ازاں نقل فرمودن مولانا قدسنا اللہ بسرہ العزیز۔

بود با شیخ در زمانہ شیخ　　ہمدل و ہمنشیں بخانہ شیخ

در صفا و وفا بہم ہمدم　　ہمہ اصحاب شادماں بیغم

بخشش ہر دو بر ہمہ شامل　　ہمہ از ہر دو عالم و عامل

خوش بہم بود ہیجدہ سال　　پاک و صافی مثال آب زلال

بعد ازاں نقل کرد مولانا　　زیں جہان کثیف پر زعنا

پنجم ماہ در جمادا آخر　　بود نقلان آں شہ فاخر

سال ہفتاد و دو بدہ بعدد　　شمس صد از ہجرت احمدؐ

چشم زخمے چنیں رسید بخلق　　سوخت جانہا ز صدمت آں برق

لرزہ افتاد در زمیں آندم　　گشت نالاں فلک دراں ماتم

مردم شہر از صغیر و کبیر　　ہمہ اندر فغاں و آہ و نفیر

دیہا ہم ز روں و اتراک　　کردہ از درد او گریباں چاک

بجنازہ اش شدہ ہمہ حاضر　　از سر مہر و عشق نہ از پے زر

اہل ہر مذہبے بروصادق　　قوم ہر ملتے بروعاشق

Marfat.com

کرده اورا مسیحیاں معبود — دیده اورا جهود خوب چو بود
عیسوی گفت اوست عیسیٰ ما — موسوی گفته اوست موسیٰ ما
مومنش خوانده سرد نور رسول — گفته او هست عظیم بحر تفول
همه کرده ز غم گریباں چاک — همه از سوز کرده بر سر خاک
آں فغان و خروشش کا بخا بود — کس ندیدست زیر چرخ کبود
همچناں ایں کشید تا چل روز — هیچ ساکن نشد دمے تف و سوز
بعد چل روز سوے خانه شدند — همه مشغول ایں فسانه شدند

در بیان آنکه چوں مولانا قدسنا اللہ بسره العزیز نقل فرمود چلپی حسام الدینؒ بولدؒ گفت که بجائے والدؒ خویش تو بنشیں دیگی کن تا من در خدمت ایستاده باشم ولدؒ قبول نکرد و گفت که مولانا رضی اللہ عنه نگذشته است حاضر است که المومنون لا یموتون چنانکه در زمان مولاناؒ خلیفه بودی بعد ازو هم خلیفه باش۔

جانشینی

گفت ازاں پس حسام دیںؒ بولدؒ — بعد والد تو ئی امام و سند
جائے ادبا تو میرسد بنشیں — که چو تو نیست عارف ره بیں
گفت نے والدم یقیں زنده ست — مرده جسمش بود که چوں زنده ست
روح او در جوار حق باقیست — از مے وصل خود ق اش ساقیست

Marfat.com

مومنون رانزلا یموتون گفت — مصطفےٰ چونکہ در معنیٰ سفت

در زمانش بدی خلیفۂ ما — ہیچ تغییر نیست پیش ورا

تو بدی چون امام و ما ماموم — از تو ایں کردہ ایم ما معلوم

اول و آخری خلیفۂ ما .... — پیشوائی و شیخ در دوسرا

کرد النکاح بیحد آں بینا — کہ نشاید بجز ترا آں جا

کردمش گوں نگوں زجاں لابہ — بے ریا از دل و زباں لابہ

سخنم را ز لطف کرد قبول — شد میسر ہر آنچہ بد مامول

ہمہ بودیم زیر سایۂ شاہ — ایمن از مکر دیو و سہو و گناہ

بعد دہ سال و دو ز ناگاہ او — گشت رنجور و شد بحضرت ہو

ماند تنہا ولدؓ چون طفل یتیم — زار گشت و نزار شد از بیم

رہ کجا رو نہم، کرا گیرم — چہ بود جاں، چیست تدبیرم

گفتم اے جانِ پاک اگر رفتی — بتن و زیر خاکداں خفتی

جان پاکِ تو حاضرست یقیں — بر من و جملہ ناظر است یقیں

وعدہ ہائے عظیم دادہ بدی — گفتہ بودی رہانمت ز خودی

نقد فرمائے تا شود ایمن — گردم از خوف فوت آں ساکن

Marfat.com

در تقریر آنکه چلبی حسام الدین قدس اللہ سرہٗ خود را در واقعہ بولد رح نمود و گفت کہ ہر دلی واصل را کہ بیابی در حقیقت آں منم مقصود ازو حاصل شود۔

با ولد رح شہ حسام دیں در خواب — گفت چوں سائلی بشنو تو جواب
تا جہاں قایم ست ما ہستیم — ہیچ پنہاں نہ ایم در شستیم
گرچہ تن جامہ را بگردانیم — ہر کہ از ماست داند ایں کانیم
نور حقیم در لباس بشر — نور حق چوں مسیح دتن چو خر

بہر تو سر زنیم از بدنے — تا دہیمت ز نو طریق دفنے
تا کہ گردی تمام در رہِ حق — رستہ رست نو بنوز عشق سبق
تا رہی زیں جہان ہمچو دام — تا رسی ہمچو دا صلاں در کام
یافتم بعد خواب آنکس را — گشت بر من سرِ نہاں پیدا
گفت نیکم ببیں کہ من آنم — در تن آب و گل چو ہمانم

لیک از من مکن بخلق خبر — اینچنیں گنج را تو تنہا بر

Marfat.com

در بیان آنکہ چوں چلپی حسام الدینؒ قدس اللہ سرہٗ از دنیا نقل کرد خلق جمع شدند و ولدؒ را گفتند کہ بجائے والد بنشیں و شیخی کن تا اکنوں بہانہ می کردی کہ حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ چلپی حسام الدینؒ را خلیفہ کردہ بود دریں حال کہ او نقل کرد باید کہ قبول کنی و بہانہ نیاوری و منقاد شدن ولدؒ و قبول کردن شیخی را۔

خلق جمع آمدند پیر و جواں — ہمہ شافع شدند لابہ کناں

کاے ولدؒ جائے والدانِ تو بود — زانکہ پیوستہ مہربان تو بود

کردیش با حسام دینؒ ایثار — زانکہ بد پیش والدتؒ مختار

چونکہ رفت او بہانہ ایت نماند — حق تعالےٰ چوں ایں قضا راند

بعد از و کن قبول شیخی را — خلق را شو امام و راہ نما

سر ایں قوم شو کہ بے سر در — ہیچ کارے نیاید از لشکر

ہمچنیں ایں سخن دراز کشید — کرد ازیں شاں ولدؒ قبول و شنید

بر سر تخت رفت بے پائے — در جہانے کہ نیستش جائے

مدت ہفت سال گفت اسرار — بر سر تربۂ پدر بسیار

رجوع بداں قصہ کہ ولدؒ را چلپی حسام الدینؒ در خواب نمودہ بود۔

Marfat.com

هست مردے دریں جہاں پنہاں — مثل نقرہ وزر اندر کاں
ظاہرش خاک و باطنش زر پاک — تن او سست جانِ او چالاکِ
ذات او نور آسمان و زمیں — گر ترا ہست نور چشم ببیں
کو چہ شکلست و چہ بدیع نگار — بے نظیر ست درمیان کنار

وصف او کردہ بذمن در خواب — شہ حسام الحق لطیف جواب
ہم چناں ست بلک صد چنداں — نتواں کرد شرح او بزباں — بلکہ

رجوع کردن بقصۂ شفاعت مریدان و پذیرفتن ولدؒ سخنِ ایشاں را و بمقام والدؒ خود شیخی بنشستی۔

چونکہ بنشست بر مقام پدرؒ — داد با ہر گدا دفینہ زر
کمترینے کہ بد بعقل حقیر — گشت فرزانہ و علیم و خبیر
بے عدد مرد و زن مرید شدند — ہمہ اندر ہنر مزید شدند
خلفا ساخت در طریق پدرؒ — کرد در ہر مقام یک سرور
زانکہ از دور اہالی ہر شہر — ہمہ بودند تشنۂ این نہر
ماندہ بودند در وطن ناکام — ہمچو مرغانِ بستہ اندر دام
واجب آمد کزیں طرف ہر جا — برود یک خلیفۂ از ما
تا نمانند تشنگانِ لقا — خشک و بے آب از چنیں دریا
خلفا پرشدند اندر روم — تا نماند کسے ز ما محروم
روم چہ بل ہمہ جہاں پرشد — قطرۂ جملہ زیں عماں درشد

Marfat.com

در بیان آنکِ شمس الدینؒ و صلاح الدینؒ و حسام الدینؒ قدسنا اللہ بسرہم
کہ خلفائے حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ بودند در ولدیت و بزرگی
و علوم مشہور نبودند از تقریر ولدؒ ہمچو مولانا شہرت گرفتند و معروف
شدند اگرچہ ولایت و بزرگی ایشاں عظیم پنہاں بود چوں آفتاب
ظاہر گشت۔

گرچہ بد والدؒش قوی مشہور — بند او ہمچو شمسؒ دیں مستور
ہمہ او را ز جان مرید بدند — در زمان ولدؒ مزید شدند
اولیارا کہ والدؒش بگزید — نہ ز تقلید بل ز غایت دید
بعد والدؒ شد از ولدؒ پیدا — کہ چہ شاں داشتند کار و کیا
شرح شاں کرد از دل و از جاں — بر ملا تا شنید پیر و جواں
یکدمے کرد شرح طاعتِ شاں — یکدمے عزلت و قناعتِ شاں
یکدمے شرح قال جانی شاں — یکدم از حالت نہانی شاں
ہر یکے را کرامتش چوں بود — در نماز استقامتش چوں بود
ہر یکے را چہ شکل صحبت بود — ہر یکے را ز حق چہ رتبت بود
ہر یکے را چگونہ بود ارشاد — ہر یکے را چہ نوع بخشش و داد

حاصل احوال جملہ را یک یک — بنمود در رہید خلق از شک

Marfat.com

همه از نو مرید و بنده شدند — همه بودند مرده، زنده شدند
همه را گشت بیگمان معلوم — که نبود این سر آن زمان مفهوم
شده است از ولد کنون پیدا — حال ایشان بنزد پیر و فتی
که ندارند در جمال نظیر — پیش ایشان کبیر گشته صغیر
جملهٔ اولیا جیب بدند — خاصگی حق و قریب بدند
همه مظهر بدند یزدان را — همه جان داده خلق بیجان را
همه شان دستگیر خلق بدند — همه بے جسم روح محض شدند
شده اندرین زمان چو حق پنهان — کس از ایشان نداده هیچ نشان

در بیان مرید شدن سید برهان الدین محقق رضی اللہ عنہ حضرت مولانا بہاء الحق والدین ولد عظم اللہ ذکرہٗ در بلخ و دیدن مفتیان بلخ پیامبر را در خواب کہ در خیمہ بزرگ نشستہ بود، بہاء الدین ولد را استقبال کرد و باکرام و اعزاز تمام بالائے خود نشاند و بمفتیان فرمود کہ بعد ازیں او را سلطان العلماء خوانیدہ و آمدن مفتیان بامداد باتفاق تا آں عجائب را کہ ہمہ در یکشب دیدہ بودند عرضہ کنند کہ دوش چنیں دیدیم پیش از انکہ ایشان بسخن آیند حضرتش جملہ را بعین آں صورت کہ ایشان دیدہ بودند بعلامات تمام بیان فرمود بیہوشی و حیرت آں جماعت یکے در ہزار شد و پیوستہ ضمائر خلق گفتے و بر سر آں فایدہ ہائے دیگر

Marfat.com

فرمودے کہ سرسرایشاں بود واز اں خبر نداشتند۔

در جوانی بلخ چوں آمد — خواست کانجا پگاہ آرامد
جدِّ ما را چو دید آں طالب — کہ بر و بود عشقِ حق غالب
لقبش بد بہاء دین ولدؒ — عاشقانش گذشتہ از حدِّ عد
جملہ اجداد او شیوخ کبار — ہمہ در علم و در عمل مختار
اصل او در نسب ابوبکرؓ ے — زاں چوں صدیق داشت او صدرے
مثل او کس نبود در فتوے — از فرشتہ گذشتہ در تقوے

مفتیانِ بزرگ اندر خواب — دیدہ یک خیمہ کشید طناب
مصطفیٰؐ اندرون خیمہ بناز — زدہ تکیہ بصد ہزار اعزاز
ناگہانے بہاء دینِ ولدؒ — از در خیمہ اندرون آمد
مصطفیٰؐ چونکِ دید جست از جا — پیش رفت و گرفت دستش را
بر دو پہلوئے خویش بنشاندش — زاں ملاقات گشت کارش خوش
گفت ازاں پس بمفتیاں ایں را — کہ از امروز ایں شہ دیں را
جملہ سلطان عالماں گویند — در رکابش بجاں و دل پویند
با مداداں باتفاق ہمہ — از سرِ صدق بے نفاق ہمہ
بر درش آمدند تا گویند — سرِ آں خواب را ازو جویند
پیش ازاں کہ کنند عرض و گفت — خواب شاں را و سر کرد نہفت
داد شاں از مقام و حال نشاں — ہمہ را کرد او تمام بیاں

Marfat.com

جملہ پیشش فغاں برآوردند — بے دف و نائے شورہا کردند
خیرہ گشتند در کرامتِ او — وز خبرہائے با علامتِ او
دائما او ضمیر خلقاں را — باز گفتے برائے برہاں را
تا بدانند کاہل ذوق و صفا — یافتند از خدائے کار دکیا

گشت سید مریدش از دل و جاں — تا رواں راکند ز شیخ روان
در مریدی رسید خوش بمراد — زانکِ شیخش عطائے بیحد داد — زانکہ
چشمہائے دراکشاد چو باز — تا سوئے شاہ خویش آید باز
بے نوا آمد و نواہا یافت — رفت از دے کہ رصفاہا یافت

در بیان آنکِ چوں بہاء الحق والدین قدس اللہ سرہٗ از قوم بلخ و محمد خوارزمشاہ رنجید از حق تعالےٰ بوے خطاب آمد کہ ازیں ولایت بروں رو کہ من ایشاں را ہلاک خواہم کردن سبب خرابی آں ولایت و ہلاک آں قوم ازاں شد ہمچنیں ہر قومے را حق تعالےٰ ہلاک نکرد تا پیغامبرآں زماں از ایشاں نرنجید۔ کہ ؎

تا دل اہل دلے نامد بدرد — ہیچ قرنے را خدا رسوا نکرد

و در تقریر آمدن مولانا بہاء الدین ولد عظم اللہ ذکرہٗ بقونیہ و مرید شدن علاء الدین و کرامتہاش را مبین دیدن و عشقبازیہائے او با حضرت بہاء الدین ولد و بعد از نقلش ہفت روز تو

داشتن دسلور ناشدن و تمامت اہل قونیہ را عرس دادن و مالہا بخش کردن

چونکہ از بلخیاں بہائے ولدؒ — گشت دل خستہ آں شہ سرمد
ناگہش از خدا رسید خطاب — کاے یگانہ شہنشہِ اقطاب
چوں ترا ایں گروہ آزردند — دل پاک ترا زجا بردند
بدر آ از میانِ ایں اعدا — تا فرستمشاں عذاب وبلا
چونکہ از حق چنیں خطاب شنید — رشتہ خشم را دراز تنید
کرد از بلخ عزم سوے حجاز — زانک شد کارگر درآواں راز
بود در رفتن و رسید خبر — کہ ازاں راز شد پدید اثر
کرد تا تار عزم آں اقلیم — منہزم گشت لشکر اسلام
بلخ را بستد و بزاری زار — کشت ازاں قوم بیحد و بسیار
شہر ہائے بزرگ کرد خراب — ہست حق را ہزار گونہ عذاب

آمد از کعبہ در دلایت روم — تا شدند اہل روم از و محروم
از ہمہ ملک روم قونیہ را — برگزید و مقیم شد ایں جا
بشنیدند جملہ مردم شہر — کہ رسید از سفر یگانہ دہر
ہمچو گوہر عزیز و نایابست — آفتاب از عطاش پرتابست
نیستش در ہمہ علوم نظیر — ہست از سرہائے عشق خبیر
رو نہادند سوے او خلقاں — از زن و مرد و طفل و پیر و جواں
آشکارا کرامتش دیدند — زو چہ اسرارہا کہ بشنیدند

Marfat.com

همه بردند از و ولایتها — همه کردند از و روایتها
چند روزے بریں نسق چوگذشت — کہ وے مرد و زن مریدش گشت
بعد ازاں ہم علاء دیں سلطاں — زاعتقادِ تمام با میراں
آمدند و زیارتش کردند — قند پند و راز جاں خوردند
گشت سلطاں علاء دیں چوں دید — روے او را بعشق و صدق مرید
چونکہ وعظش شنید شد حیراں — کرد او را مقام در دل و جاں
دید بسیار از و کرامتہا — یافت در خویش از و علامتہا

بعد دو سال از قضائے خدا — سر بیالیں نہاد او ز عنا
شاہ شد از عطائے او محزوں — ہم ازاں غصہ اش نماند سکوں
آمد و شست پیشِ او گریاں — با دو چشم پُر آب و دل بریاں
گفت ایں رنج و ہم از و زائل — شود ار ہست حق بما مائل
گر شود نیک بعد ازیں سلطاں — او بود من شوم رہیش از جاں
ہمچو لشکر کشیش کردم من — خدمت او کنم بجان و بتن
چوں بدیدش ہزار ساں سلطاں — باز کردے اعادہ آں پیماں
شہ چو گشتے روانہ سوے سرا — او بگفتے بحاضراں کہ ہلا
اگر ایں مرد راست می گوید — از خدا بود ما ہمی خواہد
وقت رحلت رسیدہ است مرا — رفت خواہم ازیں جہانِ فنا
زانکہ گر من شوم بظاہر نیز — بادشاہ، ایں جہاں شود ناچیز

Marfat.com

همه عالم شوند مستِ خدا — همه چون من روند بے سر و پا
همه از کار ہا فرو مانند — همه حیران عشق ہو مانند
حالتِ جملہ چوں چنیں گردد — عشقِ شاں دائما قریں گردد
نشود یافتہ خورش پوشش — خلق مانند جملہ از کوشش
زانکہ آں شہریار سلوک — گفت دارند ناس دین ملوک
چوں جہاں را ہنوز مہلت ہست — گرچہ خود نیست ہست را پیوست
عمر دارد ہنوز ایں ہستی — ماند خواہد بلندی و پستی
پس یقیں شد کہ رفت خواہم من — تا نگردد خراب عالم تن
خود ہمہ بود ناگہ از دنیا — نقل فرمود جانبِ عقبیٰ
چوں بہار ولد نمود رحیل — شد ز دنیا بسوئے رب جلیل

شہ ز غم ہفت روز بر ننشست — دل چوں شیشہ اش ز درد شکست
ہفتہ خواں نہادہ در جامع — تا بخوردند قانع و طامع

تعزیہ چوں تمام شد پس ازاں — خلق جمع آمدند پیر و جواں
ہمہ کردند رو بفرزندش — کہ توئی در جمال مانندش
بعد ازیں دست ما و دامنِ تو — ہمہ بنہادہ ایم سوئے تو رو
شاہ ما بعد ازیں تو خواہی بود — از تو خواہیم جملہ مایہ و سود

Marfat.com

در بیان نشستن مولانا جلال الدین قدسنا اللہ بسرہ العزیز بر جائے والدش بہاء الدین ولد رضی اللہ عنہ و بعلم و عمل و زہد و تقوے و فتوی ہمچوں پدر آراستہ شدن و رسیدن سید برہان الدین محقق عظم اللہ ذکرہ بطلب شیخ خود بقونیہ و شیخ را نا یافتن و فرزندش مولانا جلال الدین را قدس اللہ سرہ دیدن کہ در علوم ظاہر بغایت شدہ بود و نمرتبہ پدر رسیدہ و بدو گفتن کہ بعلم وارث پدر شدی الا پدرت را غیر ازیں احوال دیگر بود و آں آمدنیست نہ آموختنی بررستہ است و بربستہ و آں احوال از حضرتش بمن رسیدہ است آنرا نیز از من کسب کن تا در ہمہ چیز ظاہراً و باطناً وارث پدر گردی و عین او شوی واللہ اعلم۔

شست برجاش شہ جلال الدین — رو بدو کرد خلق روئے زمیں
چوں پدر گشت زاہد و دانا — سرور و شاہ جملہ علما
مفتی شرق و غرب گشت بعلم — از جہاں جمل در نوشت بعلم
علم دین احمدی افراشت — ہر کہ آں داشت مرد را بشناخت
کہ پدر اوست و زپدر افزوں — حرکاتش ز یک دگر موزوں
بے قراراں شدند از و ساکن — ہمہ در ظلِ او ز خوف ایمن

مدتے چوں بماند در ہجراں — طالبِ شیخِ خویش شد برہانؒ
گشت بسیار و اندر آخر کار — داد باوے خبر یکے مختار

Marfat.com

گفت شیخت بداں کہ در ردم است — نیست پنہاں بجملہ معلوم است
ایں طرف عزم کرد آں طالب — عشق شیخش چو شد بر و غالب
آمد از عشق شیخ خود تازاں - با ہزاراں تبختر و نازاں
گشت از شیخ چو جام از مے — ہمچناں کز شکر شود پرنے
چونکہ چونک شاداں بقونیہ برسید — شیخ خود را ز شہریاں پرسید
آنکہ ہمہ گفتند آنک می جوئی — ہر طرف بہر او ہمی پوئی
ہست سالے کہ رفت از دنیا — رخت را برد باز در عقبیٰ
جسم خاکیش رفت اندر خاک — جان پاکش گذشت از افلاک
گفت سیدؒ کہ شیخ اندر ماست — شیخ جانست و جاں ز تن نہ جداست
عین شیخم ز من نماند اثر — ہیچ دیدی شکر جدا از شکر

کرد و آغاز و گفت جلوہ کناں - کہ منم شیخ بے خطا و گماں
خلق را پیش بخویش دعوت کرد — گشت از جاں غلام او زن و مرد
شہر جملہ مرید او گشتند — در دروں تخم مہر او کشتند
بلکہ ہمہ گفتند توئی بہاءِ ولد — بلکہ ہم سر سر و نور احد
در گماں شاں نبود ہیچ خطا — صد چناں بود آں شہ والا
گفت از اں پس بشہ جلال الدین — گرچہ در علم نادری و گزیں
لیک بد والدِ تو صاحبِ حال — جوے آنرا و در گزر از قال
قال او را گرفتہ بد دوست — ہمچو من شو ز حالِ او سرمست

Marfat.com

تانمامت تو وارثش باشی — نور اندر جهان چو خور باشی
وارث والدی تو اندر پوست — مغز من برده ام مگر در دوست
از مرید پدر چون آن بشنید — گشت جان و بگردنش نه تنید

در بیان مرید شدن مولانا جلال الدین قدس سره العزیز سید برہان الدین محقق رضی اللہ عنہ و مدت نہ سال در صحبت او بودن و بعد ازاں نقل کردن سید برہان الدینؒ و مولانا جلال الدین بمجاہدہ و ریاضت مشغول شدن و بکمال شیخی رسیدن و عین او گشتن و قطب زماں خویش شدن چنانک کاملان و واصلان و قطبان اولین و آخرین محتاج عنایتِ او بودند۔

شد مریدش ز جان و سر بنهاد — همچو مرده به پیش او او فتاد
پیش او چون بمرد زندش کرد — گریه اش بر دکان خندش کرد
کشت غم را و مین شادی کرد — دیده را کشاد و هادی کرد

بود در خدمتش بهم نه سال — تا که شد مثل او بقال و بحال
هم سر و سر شدند در معنی — زانکِ یک دل بدند در معنی زانکه

Marfat.com

ناگہاں سیدؒ از جہانِ فنا — کرد رحلت سوئے سرائے بقا
ماند بے او جلال دینؒ تنہا — روز و شب کرد روی سوئے خدا
خواب و خور را دراں ہوس بگذاشت — عَلَم جست و جوے را افراشت
پنج سال ایں چنیں ریاضت کرد — از سر صدق و سوز نالہ و درد
عمل و درد را چو کرد قریں — رفت ہمچو ملک بچرخ بریں
بے عدد شد کرامتش پیدا — پیش ہر پیر و نزد ہر برنا
دہ ہزارش دید بیش شدند — گرچہ اول ز صدق دور بدند

وعظ گفتے ز جود بر منبر — گرم و گیرا چو وعظ پیغامبر

در چنیں دعوت و نکی مشغول — عاشقاں را مراد از و محصول

بالائے عالم اولیا عالم دیگرست و آں مقام معشوقیست ایں خبر در عالم نیامد و بہیچ گوشے نرسید، مولانا شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہ جہت مولانا جلال الدین قدسنا اللہ بسرہٗ ظاہر شد تا او را از عالم عاشقی و مرتبہ اولیائے واصل سوے عالم معشوقی برد زیرا از ازل گوہر آں دریا بود کہ کل شیئ یرجع الی اصلہ

ناگہاں شمس دیں رسید بوے — گشت فانی ز تاب نورش مے

Marfat.com

از ورائے جنان عشق آواز — برسانید بے دف و بے ساز
شرح کردش ز عالم معشوق — تا کہ سرّش گذشت از عیوق
گفت اگرچہ بباطنی تو گرو — باطن باطنم من ایں بشنو
سراسرار و نور انوارم — ز سنداولیا با اسرارم

دعوتش کرد در جہان عجب — کہ ندید آں بخواب ترک و عرب
شیخ استاد گشت نو آموز — درس خواندے بخدمتش ہر روز
منتہی بود، مبتدی شد باز — مقتدیٰ بود، مقتدی شد باز
گرچہ در علم فقہ کامل بود — علم نو بود کہ بوے بنمود
عاشق راستیں بود نادر — باشد از مردماں نہاں چوں سر

شمس تبریز بود از اں شاہاں — دعوتش کرد لاجرم سوے آں
جنس او بود ہم بداں پیوست — از رہ جاں بجان جاں پیوست
رہبرش گشت شمس تبریزی — آنک بودش نہاد خونریزی — آنکہ
پیش ازیں گفتہ ایم قصۂ او — در سر آغاز جوے آنرا تو

مولانا شمس الدین

تبریزی عظم اللہ ذکرہ سردر و بادشاہ معشوقان بود مولانا قدس اللہ
بسرہ ازیں رو جہت وے میفرماید۔

Marfat.com

طیور الضحیٰ لا تستطیع شعاعہ　　فکیف طیور اللیل تطمع ان ترٰی

لیک معشوق را نکرد خدا　　مشتہر نے نہاں و نے پیدا

حال معشوق ماندہ است نہاں　　از خواص و عام در دو جہاں

نے ولی دید نے عدو او را　　حق ز غیرت نہفت آں رو را

شمس تبریز بود ازاں شاہاں　　کہ ز غیرت خدا ش کرد نہاں

زاں سبب خویش را بمولاناؒ　　بنمود او کہ بود جنس او را

ہر دو یک سر بدند و یک گوہر　　زادہ از نور سرمدی و ز خور

در مراتب ز جملہ بگذشتند　　روز و شب یار ہمدگر گشتند

بود یک روز مست مولاناؒ　　گفت فردا بروز حشر و جزا

اولیا جوق جوق برخیزند　　شاد و با ہمہ گرد آویزند

انبیا ہمچناں گروہ گروہ　　حشر گردند شاد بے اندوہ

مومناں نیز ہر طرف افواج　　سر برآرند چوں ز بحر امواج

دہ دہ و صد صد و ہزار ہزار　　جنس با جنس خویش روز شمار

شمس دین من از ہمہ ممتاز　　حشر گردیم ہر دو بے انبار

Marfat.com

در بیان آنکه مولانا قدس سرہ اللہ بسرہ در غیب مشاہدہ می کرد قطبے را دید که چہار ہزار مرید داشت، ہمہ اولیا رگشتہ وبحق رسیدہ، درچلہ از حق تعالےٰ حالتے ومقامے می خواست که بداں نرسیدہ بود و در تمنائے آں یارب یارب می گفت تا حدے بزرگ بود کہ بموافقتِ او ہمہ اجزائے زمین وآسماں وارواح سفلی وعلوی یارب می گفتند، نور خدائے تعالےٰ تا بمقدار سیرے لطیف بر گوش مولانا شمس الدین تبریزی عظم اللہ ذکرہ می زد ومی گفت لبیک لبیک چون سہ بار ایں معنیٰ مکرر شد شمس الدین از سر ناز گفت کہ یارب آں شیخ می گوید لبیک با او گو، درحال بے ایں سخن نور پیاپے بر گوش شمس الدین می زد کہ لبیک لبیک واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب،

سخن شمس دیں ہمی گفتی — در اسرار او ہمی سفتی
بہر فہم جماعت محجوب — ترک کردیم ذکر آں محبوب
باز در راہ منزل افتادیم — باز سر رشتہ را ز کف دادیم
چہ توان کرد چونکِ قوم لئیم — ترک گوہر کنند از پئے سیم
دید یک روز فاش مولانا — عالم غیب در شعبے والا
کہ بدا ورا مرید چار ہزار — ہمہ دانا و واصل و مختار
بانگ می کرد در طلب یارب — با ہزاراں نیاز و شوق و ادب

Marfat.com

همه هستی از آشکار و نهفت — گشته با او رفیق در آن گفت

با چنین مرتبه خدا او را — یک جوابے نداد از استغنا

نورِ حق از ورائے حسن بشر — گشت چون قرصِ آفتاب و قمر

بر سر روئے و گوش شمس الدین — میزد آن نورِ بے یسار و یمین

گفته لبیک بے عدد آن دم — نورِ صافِ لطیف بے لب و دم

گفت یارب چو او همی گوید — نور سوئے من از چه می پوید

چون چنین گفت نورِ بے امهال — خویش صد بار زد بر و در حال

با هزاران تواضع و لبیک — کرد اکرام شمس دین آن پیک

زیں بداں کو چگونه معشوقست — گر ترا نور و مهر فارقست

Marfat.com

محامدِ اصحاب

سید برہان الدینؒ محقق ترمذی

پختہ گردد از تغیر دور شو — رو، چون برہانِ محقق نور شو
چوں ز خود رستی ہمہ برہان شدی — چونکہ گفتی بندہ ام سلطان شدی

حضرت شمس الدین تبریزیؒ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب — گر دلیلت باید از وی رو متاب
از وے ار سایہ نشانے میدہد — شمس ہر دم نور جانے میدہد
سایہ خواب آرد تر ہمچو سمر — چوں بر آید شمس، انشقّ القمر
خود غریبے در جہاں چوں شمس نیست — شمس جاں باقیست کو را امس نیست
شمس خارج اگرچہ ہست فرد — مثلِ او ہم می توان تصویر کرد
لیک آں شمسے کہ شد مستش اثیر — نبودش در ذہن و در خارج نظیر

Marfat.com

در تصور ذاتِ او را گنج کو
تا در آید در تصور مثلِ او

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است
آفتاب است و ز انوارِ حق است

چو حدیثِ روئے شمس الدین رسید
شمس چارم آسماں سر در کشید

واجب آمد چونکہ بر دم نامِ او
شرح کردن رمزے از انعامِ او

این نفس جاں دامنم بر تافتہ است
بوئے پیراہانِ یوسف یافتہ است

کز برائے حقِ صحبت سالہا
باز گو رمزے از انِ خوش جالہا

تا زمین و آسمان خندہ شود
عقل و روح و دیدہ صد چندان شود

گفتم اے دور افتادہ از حبیب
ہمچو بیمارے کہ دور ست از طبیب

لا تکلفنی فانی فی الفنا
کلت افہامی فلا احصی ثنا

کل شئ قالہ، غیر المفیق
ان تکلف او تصلف لا یلیق

ہر چہ می گوید موافق چون نبود
چون تکلف نیک نالائق نمود

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
شرح آن یارے کہ ایں را یار نیست

خود ثنا گفتن ز من ترک ثناست
کایں دلیلِ ہستی و ہستی خطاست

شرح ایں ہجراں و ایں خونِ جگر
ایں زماں بگذار تا وقتِ دگر

مشرق خورشید برج قیصریوں
آفتاب از مشرقہا بیروں

مشرق او نسبتِ ذراتِ او
نے برآمد، نے فرو شد ذاتِ او

باز گردِ شمس میگردم عجب
ہم ز فرِ شمس باشد ایں سبب

Marfat.com

شمس باشد بر سیہا مطلع — ہم از و جبلِ سیہا منقطع
صد ہزاراں بار بیریدم امید — از کہ از شمس، ایں شما باور کنید
تو مرا باور کمن کز آفتاب — صبر دارم من و یا ماہی ز آب
ور شوم نومید، نومیدی من — عین صنع آفتاب است اے حسن
از عشقِ شمس دین بے ناخنیم — ورنہ آں کور را بینا کنیم

شیخ صلاح الدین زرکوبؒ

در عیاں خواہی صلاح الدین نمود — ہر کرا کرد بینا و کشود
فقر را از چشم و از سیمائے او — دید ہر چشمے کہ دارد نور ہو
شیخ فعال است بے آلت چو حق — با مریداں دادہ بیگفتے سبق
دل بدستِ او چو موم نرم رام — ہر او گہ ننگ سازد گاہ نام
ایں صدا در کوہ دلہا بانگ کیست — کہ پر است از بانگ ایں کہ گہ تہی است
ہر کجا ہست آں حکیم دادستاد — بانگِ او زیں کوہ دل خالی مباد

Marfat.com

حسام الدینؓ ابن اخی ترک

چونکہ موصوفی باوصافِ جلیل — زآتشِ نمرود بگزر چوں خلیلؑ
گر دو آتش بر تو ہم برد و سلام — اے عناصر مزاجت را غلام

زاں ضیا گفتم حسام الدینؓ ترا — کہ تو خورشیدی و ایں دو وصفہا
کاین حسام و ایں ضیا یک ہست ہیں — تیغِ خورشید از ضیا باشد یقیں
نور را زانِ ماہ باشد دین ضیا — آنِ خورشید ایں فرو خوان از بنا
شمس را قرآن ضیا خواند ای پدر — وان قمر را نور خواند ایں را نگر
شمس چوں عالی تر آمد خود ز ماہ — پس ضیا از نور را فزوں داں بجاؓ

بر فلکِ محمودیؐ ای خورشید فاش — بر زمیں ہم تا ابد محمود باش
تا زمینی با سمائیؐ بلند — یک دل و یک قبلہ و یک خو شوند
تفرقہ برخیزد و شرک و دوئی — وحدت است اندر وجودِ معنوی
چون شناسد جانِ من جانِ ترا — یاد دارند و اتحاد و ماجرا
موسیٰؑ و ہارونؑ شوند اندر زمین — مختلط خوش، ہمچو شیر و انگبیں

اے ضیاء الحق حسام الدینؒ رَاد — اوستادانِ صفا را اوستاد

Marfat.com

گر نبودے خلق محجوب و کثیف — در نبودے خلقہا تنگ و ضعیف
در مدحت دادِ معنی دادمے — غیر ایں منطق بے بکشادمے
شرحِ تو غیب است بر اہلِ جہاں — ہمچو راز عشق دارم در نہاں
مدح تو حیف است باز ندانیاں — گویم اندر مجمعِ روحانیاں
قدر تو بگذشت از درکِ عقول — عقل در شرحِ شما شد بوالفضول
من بگویم وصفِ تو تا رہ برند — پیش ازاں کز فوت آں حسرت خورند
نورِ حق و بحق جذّابِ جاں — خلق در ظلمات وہم اندر گماں
شرط تعظیم است تا ایں نور خوش — گرد دایں بیدادگاں را سر مکش

اے ضیاء الحق حسام الدین دول — کے تواں اندود خورشیدے بگل
قصد کردستند ایں گل پارہا — کہ بپوشانند خورشیدِ ترا
در دو دل کہ لعلہا و لآلِ تست — باغہا از خندہ ما لا مال تست
محرم مردیت را کو رستمے! — تا ز صد خرمن یکے جو گفتمے
چوں بخواہم گز سرت آہے کنم — چون علیؓ سر را جاہے کنم
چوں کہ اخواں را دلِ کینہ وراست — یوسفم را تعرچہ اولیٰ تر است

اے ضیاء الحق حسام الدینؓ بیا — کہ نرویدے تو از شورہ گیا
از فلک آویختہ شہ پردۂ — از پئے نفرین دل آزردۂ
این قضا را ہم قضا دانند علاج — عقل خلقاں در قضا کج است کاج

Marfat.com

اژدہا گشت است آں مارِ سیاہ — آنکہ گرمے بود افتادہ براہ

اژدہا و مار اندر دستِ تو — شد عصا، اے جانِ موسیٰ مستِ تو

حکم خذہا لاتخف دادت خدا — تا بدستت اژدہا گردد عصا

ہیں یدِ بیضا نما اے بادشاہ — صبحِ نو بکشاز شبہائے سیاہ

Marfat.com

صحت نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
جواہر حضہ	جواہر مضہ	۶	۴
افغانستاں	افغانستان کا	〃	۱۰
زثالث	ابن اثیر جزء ثالث	〃	۱۹
خفا	اخفاد	۱۰	۱۸
مولانا شبلی مرحوم نے	مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ	۱۱	۸
اثسر	اثسز	۱۷	۱۶
نہیں	انھیں	۲۳	۵
طبا	طلبا	۳۱	۲
عالم روایا	عالم رویا	۳۵	۱۶
برٹینکا	برٹینکا	۳۶	۹
مولانا	مولانا	۴۰	۱۸
اسدم	اسلام	۵۳	۱۲
زورجہ	زوجہ	〃	۱۸
سند	علیقاتند	۵۷	۱۷
بہ بدیانت	بہ دیانت	۷۵	۷
رحم آیا	رحم نہیں آیا	۷۷	۳
بالصراہ	بالصراحۃ یہ	۱۱۳	۵
جندی	جندی	۱۱۵	۱۲
ورا لحکم	درر الحکم	۱۳۰	۱۳
سیت	رست	۱۴۵	۷
غزل سر	غزل سرا	۱۵۱	۳
بہانہاے	بہ بیانہاے	〃	۱۳
		۱۵۹	۱۴

Marfat.com

محمد وقار مجددی ذخیرہ لاہور

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
رڈیا	رڈہاؤس	۱۶۲	۱۹
میکنی تمن	اورا بظلے چہ سیہ می کنی مکن	۱۷۵	۱۴
مولاناکو	مولاناسے	۱۸۵	۱۱
ایلجز	ریلیجز	۱۸۶	۱۲
سرور	مسرور	۱۹۷	۹
ریویو	ریو	۲۰۷	۴ و ۵
حضرت مولانا	مولانا حضرت	۲۲۰	۱۷
برتوے	برتوی	۲۲۷	۳
خدآئے	خدمت میں آئے	۲۳۶	۲
حوس	خوش	۲۳۸	۱۶
تذویر	تزویر	۲۴۴	۶
فناے بستہ	حناے بستہ	۲۴۵	۱۰
خوبریاں	خوب رویاں	۲۴۹	۸
بیعت	بہت	۲۵۵	۱۱
اس بغیر	اس کے بغیر	۲۷۶	۱۷
اکمل	اکمل الدین تبریزی	۳۰۴	۱۹
بیزر	بیزار	۳۱۲	۱۰
جہول	چول	۳۲۴	۱۳
توجہ کی	توبہ کی	۳۳۷	۱۳
	خطاب	۳۳۸	۴
عال	عامل	۳۳۹	۳
یہ مردنستی	یہ امردانستنی ہے	۳۴۶	۱۳
تومیرے ایزیاں	تومیری انتڑیاں	۳۸۹	۱
یوارق الالماع	بوارق الالماع	۴۴۲	۴
منکرتہ	منکریہ	"	۹
نضباط	انضباط	۴۶۲	۱۱

Marfat.com

Marfat.com

ہماری سوانح عمریاں

الفاروق - حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت اور عراق و شام، مصر اور ایران کی فتح کے پُر اثر واقعات۔ قیمت عہ

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز - حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور انکے مجددانہ کارنامے۔ قیمت للعہ

سیرۃ النعمان - ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری اور اجتہادات و مسائل۔ قیمت للعہ

المامون - خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے مفصل حالات جن کو پڑھکر دولت عباسیہ کے عروج و زوال کا پورا مرقع نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ قیمت صہ

الغزالی - امام غزالی کی سوانح عمری، ان کا فلسفہ، علم کلام اور تصوف میں انکے مجددانہ کارنامے۔ قیمت معہ

سوانح مولانا روم - اسلام کے مشہور صوفی شاعر اور متکلم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری، فضائل و مناقب، انکے تصوف کے اسرار، علم کلام کے رموز اور مثنوی شریف پر مبسوط تبصرہ اور اس کے منتخب مضامین کے اقتباسات۔ (زیر طبع)

امام رازی - امام رازی کے سوانح و حالات اور تصنیفات کی تفصیل۔ قیمت ہے

حیات شبلی - علامہ شبلیؒ کے سوانح حیات اور علمی و عملی کارنامے، جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کی زندگی کا آخری عظیم الشان علمی کارنامہ

قیمت عہ

معارف سلیمان نمبر - مولانا سید سلیمان ندویؒ کے سیر و سوانح، اخلاق و شمائل، فضائل و کمالات اور انکے علمی و دینی، قومی و ملی، اصلاحی و تعلیمی کارناموں اور خدمات کا دلآویز مرقع۔ قیمت للعہ

سیرۃ عائشہؓ

حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل اور انکے علمی کارنامے

قیمت ہے

Marfat.com